پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر و نایاب رسائل و کتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور..... دارالعلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادرونایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 95

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمدللہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریباً 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جارہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت (95)

تاریخ اشاعت.....................ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ
ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....................سلامت اقبال پریس، ملتان
بائنڈنگ.....................اشرفیہ بک بائنڈنگ.....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات.........انارکلی.........لاہور	دارالاشاعت.........اُردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.......لاہور	قرآن محل......کمیٹی چوک......راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار .... لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ.....امین پور بازار......فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی.....امین پور بازار.....فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ......قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ......بہادر آباد......کراچی	مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

اِجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

مَقالاتِ حَکیمُ الامّت

7

درسیات پر مشتمل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب ورسائل

التلخیصات العشر

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماھر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے کم فرصت لوگوں کیلئے عربی تعلیم کا ایک مختصر نصاب تجویز فرمایا تھا جس کے ذریعے سے صرف اڑھائی تین سال میں عربی کی کافی استعداد اپنے مذہب سے واقفیت اور فاضلانہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب اس مختصر نصاب کے دس رسائل کا مجموعہ ہے اور اس میں اس نصاب کا نقشہ بھی ہے۔

فہرست رسائل مجموعہ تلخیصاتِ عشر

مع بیانِ کیفیت اجمالی

۱...تلخیص المرقاة

یہ "مرقاة" کا خلاصہ ہے جو منطق کا ایک مشہور رسالہ ہے، اس میں صرف انہی مسائل کو لے لیا ہے جو مباحث علمیہ میں کثیر الوقوع و شدید الاحتیاج ہیں، بعض بعض مسائل دوسرے رسائل سے بھی لے لیے ہیں۔

۲...تلخیص الشریفیة

"شریفیة" جو مناظرہ میں مشہور متن ہے، یہ اس کا خلاصہ ہے، اس میں بھی صرف ضروری مسائل کو لیا ہے۔

۳...تسہیل المعانی

امام سیوطی رحمہ اللہ کا متن "نقایة" جس میں نہایت جامعیت و اختصار کے ساتھ چودہ علوم ہیں اور جس کی انہوں نے خود ہی "اتمام الدرایة" کے نام سے شرح بھی لکھی ہے، اس میں فن معانی و بیان و بدیع بھی مذکور ہیں، اس میں سے متونِ مذکورہ کے ساتھ کچھ شرح مذکور میں سے ملا کر اور کچھ اپنی طرف سے بڑھا کر سب کو ممزوج کر کے "تسہیل المعانی" نام رکھ دیا گیا۔

۴...تلخیص المنار

"منار" جو "نور الأنوار" کا متن ہے، اس میں سے صرف کثیر الاستعمال مسائل لے لیے گئے ہیں، اگر کوئی پورا "منار" نہ پڑھے تو اس کے عوض یہ خلاصہ کافی ہے۔

۵...المدار

منار میں جن مسائل کی تفریع اُصولِ خاصہ پر کی گئی ہے، چوں کہ وہ مسائل درس کے وقت اکثر طلبہ کو مستحضر نہیں ہوتے، صرف مدرس کی زبانی تقریر پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس لیے بسا اوقات مسئلہ ذہن میں جمنے نہیں پاتا یا جلد ذہول ہو جاتا ہے اور اس سبب سے وجہ ُتفریع سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض اس وقت طلبہ کو ایک وقت میں دو دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک ضبط کرنا اس جزئی کا، دوسرے خاص کلی میں داخل ہونا اس جزئی کا، اس وجہ سے اکثر ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔ بنابریں اس رسالہ میں صرف ایسے مسائل جزئیہ کو مجرد دلائل سے جمع کر دیا ہے، روزانہ سبق میں اگر اوّل یہ مسائل پڑھائے جاویں، پھر "منار" پڑھایا جاوے تو ان مسائل کا استحضار بھی زیادہ ہوگا اور تقریر تفریع بھی خوب سمجھ میں آوے گی۔ نیز مدرس کو بھی اس میں جو کچھ سہولت ہے ظاہر ہے۔

۶...دراية العصمة

کتاب "هداية الحكمة" (جو فلسفہ کی مشہور کتاب ہے) میں جو مسائل فوائد شرعیہ کیخلاف ہیں ان کی نشان دہی کی گئی ہے تاکہ علم فلسفہ کے طلباء گمراہ نہ ہوں۔

۷...تلخيص هداية الحكمة

فلسفہ کی مذکورہ بالا کتاب کی تلخیص تاکہ طلباء کو پوری کتاب پڑھنے کے بجائے اس باب کو پڑھنے کے بعد علم فلسفہ کے جدید رُجحانات کا علم ہو سکے۔

۸...تلخيص البداية

اس باب میں "البداية" کے مسائل اور کتاب الاربعین کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ ان دونوں کتب کا تعلق علم تصوف سے ہے جن کا معلوم ہونا طلباء وعلمائے کرام کے لیے اشد ضروری ہے کیوں کہ اس میں علم ظاہری کے طلباء کو علم باطنی کے حصول کی بھی دعوت دی گئی ہے۔

جدول الثلاثین

یہ باب حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف الاربعین کا خلاصہ ہے جس کے مطالعہ کے بعد طلباء کو اصل کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ کتاب بھی تصوف سے متعلق ہے۔

۹... تذییل شرح العقائد

یہ باب کتاب شرح عقائد نسفی کے خلاصہ پر مشتمل ہے جو علم عقائد کی مشہور کتاب ہے۔ مؤلف نے اس باب میں بعض گمراہ فرقوں کا تذکرہ کتاب شرح المواقف سے لے کر مزید شامل کر دیا ہے تاکہ ان دونوں کتب کے مطالعہ کے بجائے ان کی تلخیص کو پڑھ کر طلباء علم العقائد کے پورے مسائل پر عبور حاصل کر سکیں۔

۱۰... عشرۃ طروس تلخیص مائۃ دروس

یہ باب دس علوم کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ مثلاً علم اسرار، علم تعبیر خواب وغیرہ وغیرہ تاکہ ان دسوں علوم کے سلسلہ میں طلباء کی معلومات میں اضافہ ہو۔

ضمان التکمیل فی زمان التعجیل

الف: اوپر کا عنوان ایک خاص طرز کی نصاب درس کا لقب ہے جو آگے بصورت نقشہ دکھلایا گیا ہے۔

ب: یہ کوئی جدید نصاب نہیں جو موجب استنکارِ طلبہ ہو بلکہ نصاب قدیم کی دینیات مقصودہ (یعنی تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و فرائض) کی ضروری کتابوں کو زوائد پر تحصیل میں مقدم کر دیا گیا ہے اور چوں کہ یہ علوم بعض فنونِ آلیہ (صرف و نحو و معقول و اُصول) پر موقوف ہیں ان سے پہلے یہ رکھ دیئے گئے ہیں، اس لیے یہ نصابِ قدیم ہی کا ایک جزو ہے۔

ج: اس کی تجویز دو غرض سے ہوئی ہے۔

اوّل: جن لوگوں کو ضرورتِ تحصیل معاش یا کسی اور عارض کی وجہ سے مہلت کم ہے اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ میں فاضلانہ استعداد حاصل کرنے کی رغبت اور شوق ہے مگر درسِ متعارف کی تطویل کو دیکھ کر ہمت پست ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ترک محض ہونا ہے، اس سے ان کی تنگی رفع ہو جاوے گی۔ دوسرے جو لوگ تحصیل علوم دینیہ کیلئے فارغ بھی ہیں ان کو بھی اتفاقاتِ زمانہ سے احیاناً ان کے گمان کے موافق وقت نہیں ملتا اور تحصیل کو درمیان میں قطع کرنا پڑتا ہے جن کیلیے التزامِ طریق متعارف کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جس قدر وقت ملا تھا وہ علوم آلیہ میں صرف ہو گیا اور مقصودِ اصلی سے محروم رہے، اس طریق میں اس کا تدارک بھی ہو گیا ہے۔

د: یہ مصلحت مذکورہ حرفِ ''ج'' اس کی تقدیم بقیہ کتب مندرجہ درسِ متعارف پر مناسب ہے اس کے بعد اگر وقت مساعد ہو بقیہ درسیات کو جس طرز پر معلم و متعلم کی رائے متوافق ہو پورا کرلیں۔ نیز چوں کہ اس شخص کی استعداد میں ایک گونہ قوت زائد ہوگی اس لیے بقیہ درسیات پر سرعت اور بصیرت کے ساتھ عبور کر سکے گا اور اگر وقت نہ ملا تو مقصود پر تو فائز ہو ہی چکا ہے۔ اگر توجہ کرے گا تو بوجہ ملکہ مطالعہ کے بذریعہ کتب بینی اپنی استعداد و تبحر کو ''الی ما لا یقف عند حدٍ'' ترقی دے سکے گا۔

ہ: باوجود نہایت اختصار کے اس میں بعض ضروری علوم نصاب متعارف سے زیادہ ہیں۔ مثلاً تجوید، اختلاف قرأت، علم سلوک (جو حسب تعریف سلف جز و فقہ ہے) ردّ اغلاطِ فلسفہ قدیمہ و جدیدہ، و ہیئت تفصیل عقائد اہل اہوا جن کا اہل علم کے لیے ضروری ہونا مخفی نہیں اور چوں کہ ریاضی نہ مقاصد مذکورہ کا جزو ہے، نہ ان کا آلہ موقوف علیہ، لہٰذا اس درس میں اس کو نہیں لیا گیا، اس سے فارغ ہو کر درسِ متعارف کے ضمن میں اس کی تحصیل ممکن ہے۔

و: چوں کہ اس درس میں بالکل ضروری چیزیں لی گئی ہیں، اگر متعلم ذرا

بھی بے توجہی کرے گا وہ اس سے بالکل منتفع نہ ہو سکے گا۔

لہٰذا معلم کو مناسب ہے کہ جس کتاب ختم شدہ میں متعلم کی مناسبت ناقص پاوے، بجائے اگلی کتاب شروع کرانے کے پھر اسی کا اعادہ کراوے۔

ز: تجربہ سے اس درس کے لیے متوسط ذہن والے کے لیے تین سال بہت اطمینان کے ساتھ کافی ثابت ہوئے اور غباوت و ذکاوت کے تفاوت کی نسبت سے اس مدت کی نسبت بھی متفاوت ہو جاوے گی۔

ح: درس مذکور میں (جو بصورتِ نقشہ ہے) ایک خانہ جس میں لفظ ''بدل'' لکھا ہے اس غرض سے بڑھایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سبب سے اور زیادہ سہولت و اختصار کا طالب ہو، وہ اصل کتاب کے عوض بدل کو اختیار کرے، ایسے شخص کے لیے یقیناً تین سال میں سے چھ ماہ اور گھٹ جاویں گے۔

ط: حرفِ ''ج'' میں ''فاضلانہ'' کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اپنی اِصلاح و نجات آخرت کے لیے کتب دینیہ کو عربی زبان میں پڑھنا چاہے تحقیق و تدقیق کی ضرورت نہ سمجھے یا علوم عقلیہ سے دلچسپی نہ ہو، اس کے لیے اس درس کا اور بھی اختصار ہو سکتا ہے، یعنی صرف ونحو کی کتب مندرجہ کے بعد ''قدوری'' کامل اور ''سراجی'' اور ''متن معانی'' اور تجوید اور ''تلخیص البدایۃ'' اور متن ''عقائد نسفیہ'' اور ''تیسیر'' یا ''مشکاۃ'' اور ''جلالین'' کافی ہیں۔

اور جو عربی زبان کی قید بھی ضروری نہ سمجھے اس کے لیے صرف ''بہشتی زیور'' کے پانچ حصے اور ''مفتاح الجنۃ'' اور ''صفائی معاملات'' اور ''تعلیم الدین'' اور ''فروع الایمان'' اور ''جزاء الاعمال'' اور ''اصلاح الرسوم'' اور ''قیامت نامہ'' اُردو، شاہ رفیع الدین اور ''حقوق الاسلام'' اور ''سراج السالکین'' اور ''تواریخ حبیب اللہ'' اور ''مآل التہذیب'' کے سب حصے۔

اور عورتوں کے لیے بلکہ کم فرصت مردوں کے لیے بھی ''بہشتی زیور'' کے سب

جسے پڑھ لینا، اور ضرورت کے وقت علماء سے مراجعت کرتے رہنا کافی ہے۔

ی: بہ مقتضائے مصلحت دوم مذکورہ حرف ''ج'' سب طلبہ کے لیے اس درس کی تقدیم مناسب ہے اور کسی وجہ سے علی الاطلاق تقدیم نہ کرنے کی تقدیر پر اگر حضرات علماء واہل مدارس اسلامیہ دامت فیوضھم وبرکاتھم اقل درجہ اسی قدر التزام کی تکلیف گوارا فرمالیں کہ اپنے مستفیدین ومصلین میں سے جس کی حالت (خواہ اپنی تحقیق سے خواہ ان کے استفسار سے، بوجہ مصداق ہونے مصلحتِ اُولی مذکورہ حرفِ ''ج'' کے) مقتضی تقدیم کو پاویں، ایسے لوگوں کی ایک جماعت جداگانہ قائم کردیں تو رعایت اہل حاجت کا ثواب بھی ملے اور اُمید ہے کہ مدارس میں طلبہ کی بھی بالخصوص امیر زادوں کی ترقی ہوجاوے اور کوئی طالب علم باوجود ضیقِ وقت کے فیض سے محروم نہ رہے اور جو اہل وسعت اساتذہ کو مکان پر بٹھلا کر اس طرز سے تعلیم دلانا چاہیں اُستاد کو یہ نقشہ دے کر اس کی پابندی کے لیے فرمائش کردیں۔

دستور العمل تحصیل نصاب ہذا

اوّل: قبل آغازِ عربی ان چیزوں سے فارغ ہونا ضروری ہے۔

۱۔ فارسی میں ''گلستان، بوستان'' مع قواعد فارسی اور ضیق وقت میں صرف ''حمد باری'' اور ''تیسیر المبتدی'' ہر دو حصہ اور ''صدپند لقمان'' اور ''کریما'' اور ''حکایاتِ لطیف'' کل یا نصف۔۔۔ ۲۔ حساب بقدر ضرورت، ۳۔ صفائی خط، ۴۔ رسائل اُردو یا فارسی در عقائد وفقہ۔ ۵۔ قرآن مجید صحیح

دوم: جو کتابیں باہم محاذی ہیں ان کے ساتھ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان سب کے اختتام پر بعد کا سلسلہ شروع کرایا جاوے، اگر بالفرض اس میں سے ایک پہلے ختم ہوجاوے تو اس کی جگہ بھی دوسری کتاب کا سبق پڑھایا جاوے۔

سوم: معلم و متعلم کو ان آداب کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔ معلم کو چاہیے کہ درس میں نفس مطلب کے بیان پر اکتفا کرے۔
۲۔ طالب علم کے سوال کے وقت منشائے شبہ پر غور کر کے مختصر وکافی جواب دے۔
۳۔ تقریر میں توضیح اور سہولت کا بھی لحاظ رکھے۔... ۴۔ اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے اس کو مان لے گو اپنی تقریر کے خلاف ہو۔... ۵۔ اگر مصنف سے کوئی فاحش غلطی ہوئی ہے بے تکلف اس کو ظاہر کر دے، خواہ مخواہ اس کی توجیہ کی کوشش نہ کرے۔
۶۔ حسب استعدادِ متعلم وقتاً فوقتاً ابتدائی اور متوسط اسباق اس کے سپرد کرتا رہے۔
۷۔ متعلم کو چاہیے کہ مطالعہ میں خوب کوشش کرے، خوب سمجھ کر پڑھے، پھر مطالعہ وتکرار بھی کرے۔ غرض توجہ تام ضروری ہے۔
۸۔ گزشتہ خواندگی کو وقتاً فوقتاً دیکھتا رہے۔... ۹۔ اُستاد پر تمام محشین وشراح سے زیادہ اعتماد رکھے، فضول سوالات سے اس کو تنگ نہ کرے۔... ۱۰۔ جو کچھ پڑھے اس پر پورا عمل کرتا رہے مگر تکثیرِ نوافل واوراد سے شغل علم اس کے لیے افضل ہے۔

اطلاع

کتب مندرجہ نقشہ نصاب ہذا میں سے اکثر تو مستقل مطبوع ہوئی ہیں اور بعض ضمن شروح میں جن کا پڑھنا نقل کر کے یا شرح چھوڑ چھوڑ کر بلا نقل ممکن ہے اور بعض جو غیر مطبوع تھیں یا کم یاب تھیں ان کا مجموعہ کہ "تلخیصاتِ عشر" سے موسوم و ملقب ہے۔ خیر مجسم صاحب ہمت وکرم جناب مولوی حافظ عبدالاحد صاحب (مالک مطبع مجتبائی، دہلی) نے اس احقر کے التماس پر طبع کرا دیا کہ مشتری کو ایک جگہ سے سب رسائل بہ سہولت میسر ہو سکیں۔ نیز مطبع موصوف سے بقیہ کتب درسِ ہذا کی بھی بلکہ اوپر جن کتب فارسی واُردو کے نام آئے ہیں وہ بھی خریدار کو بآسانی مل سکتی ہیں۔

مشورہ متعلقہ معاش طلبہ

(۱) اُردو کتب دینیات مندرجہ حرف ''ط'' کے ساتھ مناسب ہوگا کہ انشائے

خرد افروز خط و کتابت کے لیے اور قلمی مکتوبات یا کاغذات کارروائی بخط شکستہ خط پڑھنے کے لیے اور مبادیٔ الحساب کے قواعد وسوالات حساب کتاب کے لیے مع مشق صفائی خط نیز پڑھا دیئے جاویں تاکہ روزمرہ مایحتاج میں عاری نہ رہے اور اگر اور علوم حاصل کرنا نہ چاہیں تو صنعت وحرفت یعنی دستکاری و پیشہ سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی اور سلامتی ہے۔۔۔۔(۲) اور عربی تکمیل کرنے والوں کے لیے چند صورتیں معاش کے مناسب ہیں:

اوّل: بی اے کورس عربی میں امتحان دے کر سرکاری اسکول میں نوکری کرلینا۔

دوسرے: مطب کرنا۔۔۔۔ تیسرے: مفید رسالے یا حواشی حسب ضرورت تصنیف کرکے یا درسی کتابیں چھپوا کر بذریعہ اشتہار ان کا اعلان کرکے ان کی تجارت کرنا۔

چوتھے: کاپی نویسی کرنا۔۔۔۔ پانچویں: کسی مطبع میں تصحیح کی نوکری کرنا اور ان سب صورتوں میں اوقاتِ فراغ میں مشغول مطالعہ وتدریس رہنا۔

چھٹے: کسی مدرسہ اسلامیہ میں مدرسی کرنا، بشرطیکہ چندہ کی آمد وبرآمد سے کوئی تعلق نہ ہو۔۔۔۔ ساتویں: اگر غنائے ظاہری یا باطنی یعنی ثروت یا قوتِ توکل حاصل ہو تو محض حسبۃً للہ اپنے کو دینی خدمات: تدریس وتالیف ووعظ وافتا وغیرہا کے لیے سراپا وقف کردینا اور اسباب ظاہری میں چھٹی صورت اور اسباب باطنی میں ساتویں صورت بقیہ سے افضل ہے۔ آئندہ جس میں سہولت وراحت ہو۔

(۳) اور انگریزی خوانوں کے لیے ان تعلقات میں دین کی حفاظت رہ سکتی ہے: انجینئری، محکمہ زراعت، ڈاک خانہ، ریل وتار، اسکول، ڈاکٹری، تجارت اور حکومت یا اس کی اعانت کی نوکریاں اکثر ناجائز اُمور سے پُر ہیں۔　فقط

استدعا: ناظرین ومستفیدین سے توقع ہے کہ اس نصاب کے مجوز اور مہتمم طبع وساعی اشاعت ومحصلین کے لیے دُعائے خیر دارین فرماویں۔

الراقم: محمد اشرف علی التھانوی غفر اللہ تعالیٰ لہ ولوالدیہ۔

درس ضمان التکمیل فی زمان التعجیل

نمبر شمار	سبق اوّل	سبق دوم	سبق سوم	بدل	کیفیت
۱	منتخب النفائس (۱)			حذف (۱)	حفظ کرانا مناسب ہے
۲	میزان الصرف				خوب حفظ کرائی جاوے
۳	منشعب				اس کے کل مصادر میزان پر گردانے جاویں اور متفرق صیغے دریافت کیے جاویں
۴	پنج گنج تا خاصیت ابواب				تعلیلیں خوب یاد کرائی جاویں
۵	بقیہ پنج گنج	نحومیر			ترکیب امثلۂ عربی کرائی جاوے، چھوٹے جملے دے کر عربی بنوائی جاوے، ان جملوں کے مفردات "منشعب" کے لغات ہونے چاہئیں
۶	شرح مأۃ عامل باترکیب	شرح مأۃ عامل بلاترکیب			سبق میں تمام صیغے اور اعراب طالبعلم سے نکلوائے جاویں اور جس سوال کا وہ جواب نہ دے سکے قواعدِ صرف ونحو دکھلا کر جواب طلب کیا جاوے اور باترکیب و بلاترکیب کا مطلب یہ ہے کہ اوّل سے بلاترکیب شروع کرا کر اخیر تک مثل دیگر کتب کے پڑھاویں اور دوسرا سبق اسی کا اس طور پر پڑھاویں کہ ترکیب بھی ہوتی جائے، ختم بلاترکیب تک جس قدر ہو جاوے۔

۷	ایساغوجی	ہدایۃ النحو	قدوری تاباب الاعتکاف		ہر قسم کے متفرق جملوں کی عربی بنوائی جاوے
۸	قال اقول	ترجمہ قرآن شریف	صفائی معاملات		جس قرآن میں سبق ہو وہ معرا ہو اور اس میں ترکیب اور صیغے کثرت سے پوچھے جاویں اور بیان تفسیر و احکام و اختلافات میں تطویل نہ کی جاوے نفس مطلب پر اکتفا کیا جاوے اور سلیس مضامین عربی بنانے کیلئے دیئے جاویں۔
۹	شمسیہ (۲) متن قطبی بہ استثنائے سوجہات	بقیہ ترجمہ قرآن شریف	سراجی	تلخیص المرقاۃ (۲)	شمسیہ یا اس کے بدل میں اس کے قواعد کا وقتاً فوقتاً اجرا و امتحان کیا جاوے۔
۱۰	شریفیہ (۲) متن رشیدیہ درمناظرہ	تسہیل المعانی (۴)	منار (۵) متن نور الانوار مع مدار	تلخیص شریفیہ (۳) میزان البلاغۃ (۴) تلخیص منار (۵)	قواعد معانی و بیان قرآن شریف میں جاری کرائے جاویں اور منار یا اس کے بدل میں جتنا سبق پڑھانا منظور ہو اس میں جتنے مسائل کی تفریع ہو وہ مسائل اوّل مدار میں پڑھا دیئے جاویں۔

١١	ہدایۃ الحکمۃ (٢٦) متن میبذی مع درایۃ العصمۃ	تحفۃ الاطفال ومکررہ (٧) در قرأت مع حق القرآن	بقیہ منار	تلخیص (٦) ہدایۃ الحکمۃ مع حذف درایۃ العصمۃ کتاب الکافی (٧) از باب الاختلاف فی فرش الحروف مع فاتحہ	قواعد تجوید کی مشق قرآن شریف میں کرائی جاوے اور مکررہ میں جس اختلاف قرأت سے معنی بدل جاویں قرآن میں وہ مقامات نکال کر اس معنی کی توجیہ سمجھا دی جاوے۔
١٢	بقیہ ہدایۃ الحکمۃ مع درایہ	ثلاثین (٨) تلخیص اربعین غزالی	بقیہ منار	تلخیص (٨) ہدایۃ الہدایۃ	خارج وقت میں تھوڑا تھوڑا مقدمۃ المشکاۃ للشیخ الدھلوی پڑھاویں کہ حدیث میں نافع ہو یا بقیہ منار کے ختم پر بجائے اس کے پڑھاویں۔
١٣	شرح عقائد نسفی مع تذئیل	تیسیر الوصول (حدیث) مع تقدیم آثار السنن (٩) یا جامع الآثار	ہدایۃ اولین	مشکوٰۃ (٩)	کم از کم ہفتہ میں ایک بار وعظ کہلایا جاوے۔ چھوٹے چھوٹے ضروری اور مفید رسالے تصنیف کرائے جاویں اور سہل سہل استفتا جواب لکھنے کے لیے دیئے جاویں اور تقدیم واقع خانہ (حدیث) سے مراد یہ ہے کہ جو باب پڑھانا ہو وہ اوّل پڑھا دیا جاوے، اس میں اسی طرح ہر باب کے ساتھ عمل کیا جاوے

۱۴	جلالین شریف	بقیہ تیسیر الوصول	بقیہ ہدایۃ کامل		ایضاً
۱۵	کلام الملوک زیر تجویز طبع	عشرۃ طروس (۱۰) تلخیص مائۃ دروس	تنشیط الطبع	حذف (۱۰)	کلام الملوک میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکتوبات اور نظم ملفوظات مجتمع ہیں، اس میں ادب و بلاغت کے ساتھ ضروری تاریخ اسلامی پر بھی اطلاع ہوتی ہے۔

تلخيص المرقاة

قال الجامع عفى عنه:

بسم الله الرحمن الرحيم

وبعدُ، فهذا كله ملخّصٌ من (مرقاة المنطق) الاشيئًا يسيرًا من مسائل شتى، فمن الرسائل الأخرى۔

۱۔ فصل: التصور قسمان

احدهما: بديهي اى حاصل بلا نظر و كسب۔

وثانيهما: نظريٌّ أى يحتاج فى حصوله الى الفكر والنظر۔

كتصورنا الحرارةَ والبرودةَ، و كتصورنا الجنَّ والملائكةَ، فانا محتاجون فى امثال هذه التصورات الى تجشم فكرٍ و ترتيب نظرٍ، ويقال له: الكسبُى ايضًا۔

والتصديق أيضًا قسمان

أحدهما: البديهى، هو الحاصل من غير فكرٍ ونظرٍ

ثانيهما: النظرى المفتقر اليه۔

مثال الأوّل: الكل أعظم من الجزء، والاثنان نصف الأربعة

مثال الثانى: العالم حادث، والصانع موجود، ونحو ذلك۔

۲۔ فصل: وقد يقع الغلط فى الفكر فاحتيج الى المنطق

وتعريفه أنه علمٌ بقوانينَ تعصِم مراعاتُها الذهنَ عن الخطأ فى الفكر.

۳۔ فصل: لا شغل للمنطقى من حيث انه منطقى عن بحث الألفاظ

كيف؛ وهذا البحث بمعزل عن غرضه وغايته ومع ذلك فلا بُدّ من بحث الألفاظ الدالة على المعانى، لأن الافادة والاستفاد موقوفة عليه، ولذلك تقدَّم بحث الدلالة والألفاظ فى كتب المنطق۔

۴۔ فصل: الدلالة

لغةً: هو الارشاد، أى راه نمودن.....وفى الاصطلاح: كون الشيء بحيث يلزم من العلم به العلمُ بشيءٍ آخر۔

والدلالة قسمان: لفظية وغير لفظية

واللفظية: ما يكون الدالُّ فيه اللفظ۔

وغير اللفظية: مالا يكون الدالُّ فيه اللفظ۔

وكلٌّ منهما على ثلاثة أنحاءٍ

أحدها: اللفظية الوضعية، كدلالة لفظ زيد على مسماه۔

والثانية: اللفظية الطبعية، كدلالة لفظ (أح أح) بضم الهمزة و سكون الحاء المهملة، وقيل: بفتحها على وجع الصدر؛ فان الطبيعة يضطرُّ باحداث هذا اللفظ عند عروض الوجع فى الصدر۔

الثالثة: اللفظية العقلية، كدلالة لفظ (ديز) المسموع من

وراء الجدار، على وجود اللافظ......ورابعها: الغير اللفظية الوضعية، كدلالة الدوالّ الأربع على مدلولاتها۔

وخامسها: الغير اللفظية الطبعية، كدلالة صهيل الفرس على طلب الماء والكلأ......

وسادسها: الغير اللفظية العقلية، كدلالة الدخان على النار۔

فهذه ستُّ دلالات، والمنطقي انما يبحث عن الدلالة اللفظية الوضعية، وذلك لأن الافادة للغير والاستفادة من الغير انما يتيسر بها بسهولةٍ، بخلاف غيرها، فان الافادة بها لا يخلو عن صعوبةٍ۔ هذا!

۵۔ فصل (في الدلالة اللفظية الوضعية)

وينبغي أن تعلم أن الدلالة اللفظية الوضعية التي لها العبرةُ في المحاورات والعلوم على ثلاثة أنحاءٍ:

احدها: المطابقي، وهي أن يدل اللفظ على تمام ما وُضِعَ ذلك اللفظُ له، كدلالة الانسان على مجموع الحيوان والناطق۔

وثانيها: التضمنية، وهي أن يدل اللفظ على جزء المعنى الموضوع له، كدلالته على الحيوان فقط أو الناطق فقط۔

وثالثها: الدلالة الالتزامية، وهي أن لا يدل اللفظُ على الموضوع ولا على جزئه، بل على معنًى خارجٍ لازمٍ للموضوع له۔ و"اللازمُ" ما ينتقل الذهنُ من الموضوع له اليه، كدلالة الانسان على قابل العلم، و كدلالة لفظ العمى على البصر۔

٦۔ فصل: الدلالة التضمنية والالتزامية لا توجدان بدون المطابقة

وذلك لأن الجزء لا يتصور بدون الكل، والتابع لا يوجد بدون المتبوع، والمطابقة قد توجد بدونهما، لجواز أن يوضع اللفظ لمعنًى بسيطٍ لا جزء له ولا لازم له۔

٧۔ فصل: اللفظ الدال اما مفرد واما مركب

فالمفرد: ما لا يُقصد بجزئه الدلالة على جزء معناه، كدلالة همزة الاستفهام على معناه، وكدلالة زيد على مسماه، ودلالة عبدالله على المعنى العَلَمِيّ۔

والمركب: ما يُقصد بجزئه الدلالةُ على جزء معناه، كدلالة (زيد قائم) على معناه، ودلالة (رامي السهم) على فحواه۔

ثم المفرد على أنحاءٍ ثلاثةٍ، لأنه ان كان معناه مستقلاً بالمفهوميَّة، أى لم يكن فى فهمه محتاجًا الى ضمّ ضميمةٍ، فهو اسمٌ ان لم يقترن ذلك المعنى بزمانٍ من الأزمنة الثلاثة۔ وكلمةٌ ان اقترن به۔

وان لم يكن معناه مستقلاً فهو أداةٌ فى عرف الميزانيّين، وحرفٌ فى اصطلاح النحويّين۔ هذا!

٨۔ فصل: قد يقسَّم المفرد بتقسيم آخر

وهو أنَّ المفرد امّا أن يكون معناه واحدًا او كثيرًا۔ والذى له معنًى واحدٌ على ثلاثة أضربٍ۔ لأنه لا يخلو امَّا أن يكون ذلك المعنى متعيّنًا مشخّصًا أو لم يكن۔

والأول: يسمى (عَلَمًا) ك (زيد، وهذا، وهو) والأولى أن يسمى هذا القسم بالجزئيّ الحقيقيّ۔

والثاني: أي مالا يكون معناه الواحدُ متشخّصًا، بل يكون له أفرادٌ كثيرةٌ۔ وهو ضربان:

أحدهما: أن يكون صدقُ ذلك المعنى على سائر أفراده على سبيل الاستواء، من غير أن يتفاوت بأَوَّلِيَّةٍ أو أَشَدِّيَّةٍ أو أَزيَدِيَّة. ويسمى هذا القسم ب(المتواطى) لتواطيى أفراده وتوافقها في تصادق ذلك المعنى العامِّ، كالانسان بالنسبة الى زيد وعمرو۔

وثانيهما: أن يكون صدقُ ذلك المعنى العامِّ في جميع أفراده لا على وجه الاستواء، بل يكون صدقُ ذلك المعنى على بعض أفراده بالأَوَّلِيَّةِ والأَوْلَوِيَّةِ، وصدقُها على البعض الآخر بأضداد ذلك، كالوجود بالنسبة الى الواجب، جلَّ مجدُه، وبالنسبة الى الممكن، وكالبياض بالنسبة الى الثلج والعاجّ ويسمى هذا القسم (مشكّكًا) لانه يُوقع الناظر في الشك في كونه متواطئًا او مشتركًا۔

۹۔ فصل: المتكثر المعنى له أقسام عديدة

وجه الحصر: أنَّ اللفظ الذى كَثُرَ معناه ان وُضع ذلك اللفظُ لكل معنى ابتداءً بأوضاعٍ متعددةٍ على حدةٍ يسمى (مشتركًا) كالعين وُضع تارةً للذهب وتارةً للباصرة وتارةً للرُّكبة۔

وان لم يُوضَع ابتداءً بل وُضع أولاً لمعنًى ثم استعمل في معنى ثانٍ لأجل مناسبةٍ بينهما: فان اشتهر في الثاني وتُرِكَ موضوعه الأول يسمى (منقولًا)۔

(والمنقول) بالنظر الى الناقل ينقسم الى ثلاثةِ اقسامٍ:

أحدها: المنقول العرفى باعتبار كون الناقل عرفًا عامًّا۔

وثانيها: المنقول الشرعى باعتبار كونه أربابَ الشرع۔

وثالثها: المنقول الاصطلاحى باعتبار كونه عرفًا خاصًّا وطائفةً مخصوصةً۔............مثال الأوّل: كلفظ الدابة۔ كان فى الأصل لما يدبّ على الأرض، ثم نقله العامة للفرس أو لذات القوائم الأربع۔ مثال الثانى: الصلاة كان فى الأصل بمعنى (الدعاء) ثم نقله الشارع الى أركان مخصوصة۔ مثال الثالث: الاسم، كان فى اللغة بمعنى (العلو) ثم نقله النحاة الى كلمة مستقلة فى الدلالة غير مقترنة بزمان من الأزمنة الثلاثة۔

وان لم يشتهر فى الثانى ولم يترك الأول، بل يستعمل فى الموضوع الأول مرةً وفى الثانى أخرى يسمى بالنسبة الى الأول (حقيقةً) وبالنسبة الى الثانى (مجازًا) كالأسد بالنسبة الى الحيوان المفترس والرجل الشجاع، فهو بالنسبة الى الأول حقيقةٌ وبالنسبة الى الثانى مجازٌ۔

۱۰۔ فصل

ان كان اللفظ متعددًا والمعنى واحدًا يسمى (مُرادِفًا) كالأسد والليث والغَيم والغيث۔

۱۱۔ فصل: الكلى اقسام

أحدها: ما يمتنع وجودُ أفراده فى الخارج كاللّاشىء واللاّ ممكن واللاّموجود۔

وثانيها: ما يمكن أفرادُه ولم توجد، والعُنقاء وجبل من الياقوت......وثالثها: ما أمكنت أفراده ولم توجد من أفراده الاّ فردٌ واحدٌ، إمّا مع امكانِ أفرادٍ أُخر أو مع امتناعها، كالشمس والواجب تعالٰى.......ورابعها: ما وُجدت له أفرادٌ كثيرةٌ امّا متناهيةٌ كالكواكب السيارة، فانها سبعة: الشمس والقمر والمريخ والزهرة وزحل وعطارد والمشترى. او غير متناهية كأفراد الانسان والفرس وغيرهما.

۱۲۔ فصل: فى النسبة بين الكليَّين

اعلم ان النسبة بين الكليين يتصور على انحاء اربعة لانك اذا خذت كليين...... ۱۔ فامّا أن يصدق كلٌّ منهما على كل ما يصدق عليه الآخرُ، فهما متساويان كالانسان والناطق، لأنَّ كل انسان ناطق، وكل ناطق انسان.......۲۔ أو يصدق احدُهما على كل ما يصدق عليه الآخرُ ولا يصدق الآخرُ على جميع أفراد أحدهما، فبينهما عمومٌ وخصوصٌ مطلقًا، كالحيوان والانسان، فيصدق الحيوانُ على كلِّ ما يصدق عليه الانسانُ، ولا يصدق الانسانُ على كل ما يصدق عليه الحيوانُ، بل على بعضه.

۳۔ أو لا يصدق شيئٌ منهما على شيئٍ مما يصدق عليه الآخرُ، فهما متبائنان، كالانسان والفرس.......۴۔ أو يصدق بعضُ كل واحد منهما على بعض ما يصدق عليه الآخر، فبينهما عموم و خصوص من وجهٍ، كالأبيض والحيوان، ففى البَطِّ يصدق كلٌّ منهما، وفى الفيل يصدق الحيوانُ فقط، وفى الثلج يصدق الأبيض فقط.

فهذه أربع نِسَبٍ:

۱۔ التساوی، ۲۔ والتباین، ۳۔ والعموم والخصوص مطلقًا، ۴۔ والعموم والخصوص من وجهٍ۔ فاحفظ ذلك

۱۳۔ فصل: الكل اما عين حقيقة افراده

واما جزء حقيقة أفراده، أو خارج من حقيقة أفراده

فالأول: النوع كالانسان، فانه تمام حقيقة أفراده من زيد و عمرو وبكر وخالد وولید وغيرهم۔

والثانی: امّا ان یکون تمام المشترك بين هذه الحقيقة وحقيقةٍ أخرى، أی لا يكون شيءٌ من الأجزاء المشتركة بين هاتين الحقيقتين أو اكثرَ خارجًا من هذا الكلی، فهو الجنس، كالحيوان بالنسبة الى الانسان والفرس والبقر وغيرها، فانه تمام المشترك بين هذه الحقائق، لأنه ليس شيءٌ من الأجزاء المشتركة بينهما من الجوهر والجسم النامی ومطلق الجسم الا وهو داخلٌ فی الحيوان، لأن الحيوان عبارة عن الجوهر القابل للأبعاد الثلاثة: الجسم النامی، الحسّاس، والمتحرك بالارادة۔......وامّا أن لا يكون تمام المشترك فهو الفصل، كالناطق بالنسبة الى الانسان۔

و"الجنس" قسمان: ۱۔ قريب، ۲۔ وبعيد، لأنه امّا أن يكون تمام المشترك بالنسبة الى جميع المشاركات فهو القريب، كالحيوان للانسان، فانه تمام مشترك بالنسبة الى جميع مشاركاته۔

أو يكون تمام مشترك بالنسبة الى بعض مشاركاته دون البعض فهو البعيد، كالجوهر: فانه تمام المشترك بين الانسان

والمجردات فقط لا بين الانسان والمجردات والحيوانات والنباتات والجمادات وان كان مشتركا بينهما۔

و "الفصل" قسمان: ۱۔ لأنه ان لم يكن مشتركًا فهو القريب، كالناطق للانسان، ۲۔ وان كان مشتركاً لكن لا يكون تمام المشترك، فهو البعيد، كالحسّاس للانسان، فانّه مشترك بين الانسان والحيوان، لكن ليس تمام المشترك۔

والثالث: أى الخارج من حقيقة أفراده قسمان: ۱۔ خاصة، ۲۔ وعرض عام: لأنه امّا أن يختص بحقيقةٍ واحدةٍ فهو الخاصة، كالضاحك بالنسبة الى الانسان، وامّا أن يشترك بين الحقيقتين أو اكثر فهو العرض العامُّ، كالماشى بالنسبة الى الانسان وسائر الحيوانات۔

وكل منهما امّا أن يمتنع انفكاكُه عن الماهية فلازمٌ، كالضاحك بالقوّة والماشي بالقوّة۔ وامّا أن يمكن فمفارقٌ، كالضاحك بالفعل والماشى بالفعل...... ويسمى الجنس والنوع والفصل (ذاتيًّا) ويسمى الخاصة والعرض العام (عرضيًّا)

القول الشارح

الحدّ: قولٌ دالٌّ على ماهية الشىء، وهو الذى يتركب عن جنس الشىء وفصله القريبين، كالحيوان الناطق بالنسبة الى الانسان، وهو الحدُّ التامُّ۔

والحدّ الناقص: وهو الذى يتركب من جنسه البعيد وفصله القريب، كالجسم الناطق بالنسبة الى الانسان۔

والرسم التام: وهو الذى يتركب عن الجنس القريب للشىء وخاصته اللازمة، كالحيوان الضاحك فى تعريف الانسان۔

والرسم الناقص: ما يتركب عن عرضياتٍ تختص جملتها، بحقيقةٍ واحدةٍ، كقولنا فى تعريف الانسان: (انّه ماشٍ على قدميه، عريض الأظفار، بادئ البشرة، المستقيم القامة، ضاحك بالطبع)

التصديقات

١٤۔ فصل: وقد يقسم القضية باعتبار الموضوع

فالموضوع ان كان جزئيًّا وشخصًا معيّنًا سمّيت القضيةُ: شخصيةً و مخصوصةً، كقولك: زيدٌ قائمٌ۔ وان لم يكن جزئيًّا، بل كان كليًّا فهو على أنحاءٍ:

١۔ لانها ان كان الحكم على نفس الحقيقة يسمى القضية طبعيةً، نحو: الانسان نوع، والحيوان جنس۔

٢۔ وان كان على أفرادها فلا يخلو امّا ان يكون كمية الأفراد مبيّنًا فيها أو لم يكن، فان بيّن كميّة الأفراد يسمى القضية محصورةً، كقولك: كل انسان حيوان، وبعض الحيوان انسان، وان لم يبيّن يسمى القضيةُ مهملةً، كقولك: (انَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ)

١٥۔ فصل: المحصورات أربع

أحدها: الموجبة الكلية، كقولك: (كل انسان حيوان)

والثانية: الموجبة الجزئية، نحو: (بعض الحيوان أسود)

والثالثة: السالبة الكلية، نحو: (لا شيء من الزنجي بأبيض)

والرابعة: السالبة الجزئية، نحو: (بعض الانسان ليس بأسود)

١٦۔ فصل: الحمل فی اصطلاحهم

اتحاد المتغايرين فی المفهوم بحسب الوجود

ففی قولك: (زيد كاتب، وعمرو شاعر) مفهوم (زيد) متغاير لمفهوم (كاتب) لكنهما موجودان بوجود واحد، و كذا مفهوم (عمرو) و (شاعر) متغايران، وقد اتّحدا فی الوجود۔ ثم الحمل على قسمين: ١۔ لأنه ان كان بواسطة (فی) او (ذو) او اللام، كما فی قولك: زيد فی الدار، والمال لزيد، وخالد ذو مال، يسمى (الحمل بالاشتقاق)

٢۔ وان لم يكن كذلك، بل يحمل شيئٌ على شيئٍ بلاواسطة هذه الوسائط، يقال له: (الحمل بالمواطأة) نحو: عمرو طبيب، وبكر فصيح۔

١٧۔ فصل: تقسيم آخر للحمليَّة

موضوع الحمليّة ان كان موجودًا فی الخارج وكان الحكم فيها باعتبار تحقّق الموضوع ووجوده فی الحكم باعتبار خصوص وجوده فی الذهن كانت ذهنيةً، نحو: الانسان كُلّی۔

وان كان الحكم باعتبار تقرّره فی الواقع مع عزل النظر عن خصوصية ظرف الخارج أو الذهن سُمّيت القيضةُ حقيقةً، نحو: الأربعة زوج والستَّة ضِعفُ الثلاثة۔

١٨۔ فصل

القضية المُوجِبة و كذا السالبة تنقسمان الى:

١۔ المعدولة، ٢۔ وغير المعدولة۔

فالمعدولة: ما يكون حرف السلب جزءً من الموضوع(١)، أو

من المحمول(۲)، أو كليهما(۳)۔

مثال الأول قولنا: اللّاحيُّ جماد۔ ومثال الثانى: زيد لا عالم. مثال الثالث: اللّاحيُّ لا عالم. هذا فى الايجاب۔ وامّا فى السّلب فمثال الأول: اللاّحيُّ ليس بعالم۔ ومثال الثانى: العالم ليس بلا حيّ۔ ومثال الثالث: اللّاحيُّ ليس بلا جماد۔

وغير المعدولة: بخلافهما. ويسمى غير المعدولة فى الموجبة بالمحصّلة، وفى السالبة بالبسيطة۔

۱۹۔ فصل

القضايا الموجّهة التى جرت العادةُ بالبحث عنها وعن أحكامها كثيرة۔......منها: ۱۔ ضرورية مطلقة، ۲۔ وممكنة خاصة، ۳۔ وممكنة عامة، ۴۔ ودائمة مطلقة، ۵۔ ومطلقة عامة۔

أمّا الضرورية المطلقة: فهى التى يحكم فيها بضرورة ثبوت المحمول للموضوع أو سلبه عنه، مادام ذات الموضوع موجودةً كقولنا: بالضرورة كل انسان حيوان، وبالضرورة لا شيء من الحجر بانسان۔...........وأمّا الممكنة الخاصة: فهى التى يحكم فيها بارتفاع الضرورة المطلقة عن الطرفين: أى جانبى الوجود والعدم، كقولنا: (كل انسان كاتب بالامكان الخاص، ولا شيء من الانسان بكاتب بالامكان الخاص)۔

وأمّا الممكنة العامّة: فهى التى يحكم فيها بارتفاع الضرورة المطلقة عن الجانب المخالف للحكم، كقولنا: (بالامكان العام كل نار حارّة، وبالامكان العام لا شيء من الحارّ ببارد)

وأمّا الدائمة المطلقة: فهى التى يحكم فيها بدوام ثبوت المحمول للموضوع أو سلبه عنه مادام ذات الموضوع موجودةً كقولنا: (دائما كل انسان حيوان، ودائما لا شىء من الانسان بحجر)

وامّا المطلقة العامّة: فهى التى يحكم فيها بثبوت المحمول للموضوع أو سلبه عنه بالفعل، كقولنا: (بالاطلاق العام كل انسان متنفِّس، وبالاطلاق العام لا شىء من الانسان بمتنفِّس)

٢٠۔ فصل التناقض

هو اختلاف القضيتين بالايجاب والسلب بحيث يقتضى صدقُ احداهما كذبَ الأخرى وبالعكس، كقولنا: زيد قائم، وزيد ليس بقائم۔ و شرط تحقق التناقض بين القضيتين المخصوصتين وحداتٌ ثمانيةٌ، فلا يتحقق بدونها:

١	وحدة الموضوع	٢	وحدة المحمول	٣	وحدة الزمان	٤	وحدة المكان
٥	وحدة الجزء والكل	٦	وحدة القوة والفعل	٧	وحدة الشرط	٨	وحدة الاضافة

فاذا اختلفتا لم تتناقضا۔

٢١۔ فصل

لا بُدّ فى التناقض فى المحصورتين من كون القضيتين مختلفتين فى الكمّ: أعنى الكلية والجزئية، فاذا كان احداهما

كليةً تكون الأخرى جزئيةً، لأنّ الكليتين قد تكذبان، كما تقول: كل حيوان انسان، ولا شيء من الحيوان بانسان، والجزئيتان قد تصدقان، كقولك: بعض الحيوان انسان، وبعض الحيوان، ليس بانسان...........ويكون ذلك فى كل مادّة يكون الموضوع فيه أعمّ ولا بُدّ فى الموجهتين مع ذلك من اختلاف الجهة، فنقيض الضرورية المطلقةِ الممكنةُ العامّةُ، ونقيض الدائمةِ المطلقةِ المطلقةُ العامةُ، وهكذا۔

۲۲۔ فصل: العكس

هو تصيير الموضوع محمولاً والمحمول موضوعاً مع بقاء السلب والايجاب والصدق والكذب بحاله۔ والموجبة الكلية لا تنعكس كليةً، اذ يصدق قولنا: (كل انسان حيوان) ولا يصدق: (كل حيوان انسان)، بل تنعكس جزئيةً، والموجبة الجزئية أيضًا تنعكس جزئيةً۔........والسالبة الكلية تنعكس كليةً، وذلك بيِّن بنفسه، فانه اذا صدق (لا شيء من الانسان بحجر) يصدق (لاشيء من الحجر بانسان) والسالبة الجزئية لا تنعكس لزومًا، لأنه يصدق (بعض الحيوان ليس بانسان) ولا يصدق عكسه۔

۲۳۔ فصل: عكس النقيض

هو عبارة عند المتقدمين عن تبديل كلٍّ من طرفى القضية بنقيض الآخر مع بقاء الصدق والكيف، كما يقال فى (كل انسان حيوان) كلٌّ لا حيوانٍ لا انسانٌ۔

وعند المتأخرين عبارة عن جعل نقيض الثانى الجزءَ الأول

وعين الأول الثانى، مع مخالفة الأصل فى الكيف و موافقته فى الصدق، كما يقال فى (كل انسان حيوان) لا شىء مما ليس بحيوان بانسان والفرق بينهما يعرف فى المطولات۔

٢٤۔ فصل فى القياس

وهو قول مؤلّف من قضايا يلزم منها قول آخر، بعد تسليم تلك القضايا۔ فان كان النتيجة أو نقيضها مذكورًا فيه يسمى (استثنائيًّا) كقولنا: ان كان زيد انسانًا كان حيوانًا، لكنّه انسان: فهو حيوان۔ وان كان زيد حمارًا كان ناهقًا، لكنّه ليس بناهق، ينتج: أنه ليس بحمار۔

وان لم تكن النتيجةُ ولا نقيضُها مذكورًا سمّيت (اقترانيًّا) كقولك: زيد انسان، وكل انسان حيوان، ينتج: زيد حيوان۔

٢٥۔ فصل فى القياس الاقترانى

وهو قسمان: ١۔ حملىّ، ٢۔ وشرطىّ۔

وموضوع النتيجة فى القياس الحملى يسمى (أصغر) لكونه أقل أفرادًا فى الأغلب۔ ومحموله (أكبر) لكونه أكثر أفرادًا غالبًا۔ والقضية التى جُعلت جزءَ قياس يسمى (مقدمة)۔ والمقدمة التى فيها الأصغر يسمى (الصغرىٰ) والتى فيها الأكبر يسمى (الكبرىٰ)۔ والجزء الذى تكرّر بينهما يسمى (حدًّا أوسط) واقتران الصغرىٰ بالكبرىٰ يسمى (قرينةً وضربًا) والهيئة الحاصلة من كيفية وضع الأوسط عند الأصغر والأكبر يسمى (شكلاً)۔

والأشكال أربعة، وجه الضبط أن يقال:

۱۔ ان الحد الأوسط ان كان محمولاً فی الصغری وموضوعًا فی الكبریٰ، كما فی قولنا: العالم متغير، وكل متغير حادث، ينتج: العالم حادث۔ فهو الشكل الأول............۲۔ وان كان محمولاً فيهما فهو الشكل الثانی، كما تقول: كل انسان حيوان، ولا شیء من الحجر بحيوان، فالنتيجة: لا شیء من الانسان بحجر۔

۳۔ وان كان موضوعًا فيهما فهو الشكل الثالث، نحو: كل انسان حيوان، وبعض الانسان كاتب، ينتج: بعض الحيوان كاتب۔

۴۔ وان كان موضوعًا فی الصغریٰ و محمولاً فی الكبری فهو الشكل الرابع، نحو قولنا: كل انسان حيوان، وبعض الكاتب انسان، ينتج: بعض الحيوان كاتب۔

وأشرف الأشكال من الأربعة الشكل الأول، ولذلك كان انتاجه بيّنًا بديهيًّا يسبق الذهنُ فيه الی النتيجة سبقًا بيّنًا من دون حاجة الی فكر و تأمل، وله شرائط وضروب۔

أمّا الشرائط فاثنان، أحدهما: ايجاب الصغری۔ وثانيهما، كلّية الكبریٰ۔ فان يفقدا معًا أو يفقد أحدهما لا يلزم النتيجة، كما يظهر عند التأمّل۔..........وأمّا الضروب فأربعة، لأن الاحتمالات فی كل شكل ستة عشر؛ لأن الصغریٰ أربعة والكبریٰ أربعة، أيضًا، أعنی الموجبة الكلية والموجبة الجزئية والسالبة الكلية والسالبة الجزئية، والأربعة فی الأربعة ستة عشر۔

واسقَطَ شرائطُ الشكل الأول اثنی عشر: وهو الصغری

السالبة الكلية مع الكبريات الأربع، والصغرى السالبة الجزئية مع تلك الأربع، هذه ثمانية، والكبرى الموجبة الجزئية والسالبة الجزئية مع الصغرى الموجبة الجزئية والكلية، وهذه أربعة، فبقي أربعة ضروب منتجة:

الضرب الأوّل: مركب من موجبة كلية صغرى و موجبة كلية كبرى، ينتج، موجبةً كليةً، نحو: (كل ج ب، وكل ب د) ينتج: (كل ج د)

الضرب الثاني: مؤلّف من موجبة كلية صغرى و سالبة كلية كبرى، ينتج سالبةً كليةً، نحو: (كل انسان حيوان، ولا شيء من الحيوان بحجر) ينتج: (لا شيء من الانسان بحجر)

الضرب الثالث: يلتئم من موجبة جزئية صغرى و موجبة كلية كبرى، والنتيجة موجبة جزئية، نحو: (بعض الحيوان فرس، وكل فرس صهال) ينتج: (بعض الحيوان صهال)۔

الضرب الرابع: مُزدوج من موجبة جزئية صغرى و سالبة كلية كبرى، والنتيجة سالبة جزئية، كقولنا: (بعض الحيوان ناطق، ولا شيء من الناطق بناهق) فالنتيجة: (بعض الحيوان ليس بناهق)۔

۲۶۔ فصل فى القياس الاستثنائى

وهو مركب من مقدّمتين اى قضيتين، احداهما: شرطية، والأخرى: حمليّة، ويتخلل بينهما كلمة الاستثناء۔ أعنى (الا) واخواتها۔ ومن ثَمَّ يسمى (استثنائيًا)

فان كانت الشرطيةُ متصلةً: فاستثناء عين المقدّم ينتج عينَ التالى، واستثناء نقيض التالى ينتج رفعَ المقدّم، كما

تقول: (كلما كانت الشمسُ طالعةً كان النهار موجودًا، لكن الشمسَ طالعةٌ) ينتج: النهار موجود). (لكن النهار ليس بموجود) ينتج: (فالشمس ليست بطالعة).

وان كانت منفصلةً حقيقيةً: فاستثناء عين أحدهما ينتج نقيض الآخر وبالعكس.......وفى مانعة الجمع ينتج القسم الأول دون الثانى. وفى مانعة الخلو القسم الثانى دون الأول.

وهٰهنا قد انتهت مباحث القياس بالقول المجمل، والتفصيل موكول الى الكتب الطِّوال، والآن نذكر طرفًا من لواحق القياس.

۲۷۔ فصل: الاستقراء

هو الحكم على كليّ بتتبُّع أكثر الجزئيات، كقولنا: (كل حيوان يُحرّك فكّه الأسفلَ عند المضغ) لأنا تتبعنا الانسانَ والفرسَ والبغالَ والحميرَ والطيورَ والسِّباعَ، فوجدنا كلَّها كذلك، فحكمنا بعد تتبع هذه الجزئيات المستقرية: أن كل حيوان يحرِّك فكَّه الأسفل عند المضغ.

والاستقراء لا يفيد اليقين، انما يحصل الظن الغالب، لجواز أن لا يكون جميع أفراد هذا الكلى بهذه الحالة، كما يقال: ان التمساح ليس على هذه الصفة، بل يحرِّك فكَّه الأعلى.

۲۸۔ فصل: التمثيل

هو اثبات حكم فى جزئيٍ، لوجوده فى جزئى آخر لمعنى جامع مشترك بينهما، كقولنا: (العالَم مؤلّف، فهو حادث كالبيت)

۲۹۔ فصل

ومن الأقيسة المركّبة قياسٌ يسمى (قياس الخلف) ومرجعه الى قياسين، أحدهما: اقترانيّ شرطيّ مركب من متصلتين. وثانيهما: استثنائى احدى مقدّمتيه لزومية، أعنى نتيجة القياس الأول، والمقدمة الأخرى يستثنىٰ نقيض التالى۔

تقريره أن يقال: (المدَّعى ثابت، لأنه لو لم يثبت المدعى يثبت نقيضه، وكلما يثبت نقيضه لزم المحال) ينتج: (لو لم يثبت المدعى لزم المحال) وهذا أول القياسين۔

ثم تجعل النتيجة المذكورة صغرى وتقول: (لو لم يثبت المدعى يثبت المحال) وتضمّ اليه كبرى استثنائيًّا و تقول: (لكن المحال ليس بثابت) ينتج: (عدم ثبوت المدعى ليس بثابت) فبالضرورة يثبت المدعى، والالزم ارتفاع النقيضين۔

وان شئتَ فهمَ هذا المعنى فى مثالٍ جزئيٍّ تقول: (كل انسان حيوانٌ، صادق أنه لو لم يصدق لَصَدَقَ: بعض الانسان ليس بحيوان، وكلّما صدق: بعض الانسان ليس بحيوان، لزم المحال) ينتج: (كلّما لم يصدق المدعى لزم المحال، لكن المحال ليس بثابت، فعدم ثبوت المدعى ليس بثابت) فالمدعى ثابت۔

۳۰۔ فصل

القياس باعتبار المادة ينقسم الى أقسام خمسة
ويقال لها: (الصناعات الخمس)

أحدها: البرهانی، والثانی: الجدلی، والثالث: الخطابی، والرابع: الشعری، والخامس: السفسطی۔

٣١۔ فصل فی البرهان وما یتعلق به

اعلم أن البرهان قیاس مؤلّف من الیقینیّات، بدیهیةً کانت أو نظریةً منتهیة الیه، ولیس الأمر کما زعم أن البرهان انما یتألّف من البدیهیات فحسبُ۔ ثم البدیهیات ستة:

إحداها: الأولیات، وهی قضایا یجزم العقُل فیها بمجرد الالتفات والتصور، ولا یحتاج الی واسطة، کقولك: (الکل أعظم من الجزء)

وثانیها: الفطریات، وهی ما یفتقر الی واسطة غیر غائبة عن الذهن أصلاً، ویقال لهذه القضایا قیاساتها معها، نحو: (الأربعة زوج) فان من تصوَّر مفهوم الأربعة، وتصوَّر مفهوم الزوجیة بأنه هو الذی ینقسم بمتساویین، حکم بداهةً بأن الأربعة زوج ونحو قولنا: (الواحد نصف الاثنین) فانَّ العقل یحکم به بعد أن یلاحظ مفهوم الاثنین۔۔۔۔۔وثالثها: الحدسیات، وهی ظهور المبادیٔ دفعةً واحدةً من دون أن یکون هناك حرکة فکریة۔

والفرق بین الحدس والفکر أنه لا بدّ فی الفکر من الحرکتین للنفس بخلاف الحدس، فانَّ الذهن بعد ما حصل له المطلوب بوجهٍ مّا یتحرّك فی المعانی المخزونة والمبادیٔ المکنونة طالبًا لما یکون لها تناسبٌ بالمطلوب، حتی یجد معلوماتٍ مناسبةً له، وهٰهنا یتمّ الحرکة الأولی۔ ثم یرجع قهقری ویتحرّك ثانیًا مرتّبًا فی تلك المعلومات المخزونة التی وجدها ترتیبًا تدریجیًّا حتی وصل الی المطلوب، وتمّ الحرکة الثانیة۔ فمجموع هاتین

الحرکتین یسمی بالفکر......مثلاً: اذا کنتَ تصوَّرتَ الانسانَ بوجه من الوجوه کالکاتب والضاحك مثلاً، ثم صِرتَ طالبًا لماهیة الانسان، فحرّکتَ ذهنك نحو المعانی التی عندك مخزونة، فوجدتَ (الحیوانَ) و (الناطقَ) مناسبًا لمطلوبك، فتمّ الحرکة الأولی، ومبدؤه المطلوبُ المعلومُ من وجهٍ، ومنتهاه (الحیوانُ) و (الناطقُ)، ثم تُرتّب (الحیوانَ) و (الناطقَ) بأن تقدّم (الحیوان) الذی هو الجنس علی (الناطق) الذی هو الفصل، وقلتَ: (الحیوان الناطق)، وهٰهنا انقطع الحرکة الثانیة، وحصل المطلوب۔

وأمّا الحدس ففیه انتقال الذهن من المطلوب الی المبادئ دفعةً، ومنها الی المطلوب کذلك، وأکثر ما یکون الحدس عقیب الشوق والتعب، وقد تکون بدونهما، والناس مختلفون فی الحدس، فمنهم من هو قویُّ الحدس کثیرُہ، یحصل له من المطالب أکثرها بالحدس، کالمؤیّد بالقوة القدسیة کالحکماء والأولیاء والأنبیاء۔ ومنهم من هو قلیل الحدس ضعیفه۔ ومنهم من لا حدس له، کالمنتهی فی البلادة۔ ومن هذا یعلم أن البدیهیة والنظریة انما هما مختلفتان بالأشخاص والأوقات، فُربَّ حدسی عند فاقد القوة القدسیة یکون نظریًّا وبدیهیًّا عند صاحبها۔

ورابعها: المشاهدات، وهی قضایا یحکم فیها بواسطة المشاهدة والاحساس، وهی تنقسم الی قسمین:

الأول: ما شوهد باحدی الحواس الظاهرة، وهی خمس:
۱۔الباصرة، ۲۔والسامعة، ۳۔والشامّة، ۴۔والذائقة،
۵۔ واللامسة، ویسمی هذا القسم ب(الحسیّات)۔

والثانی: ما أدرك بالمدرِكات من الحواس الباطنة التی هی أیضًا خمس: ۱۔الحسّ المشترك المدرِك للصُّور،

۲۔ والخیال التی هی خزانة له، ۳۔ والوهم المدرِك للمعانی الشخصیة الجزئیة، ۴۔والحافظة التی هی خزانة للمعانی الجزئیة،

۵۔ والمتصرِّفة التی تتصرف فی الصُّور والمعانی بالتحلیل والترکیب، ویسمی هذا القسم ب(الوجدانیات)۔ ومدرکاتُ العقل الصرف أعنی الکلیات غیرُ مندرجة فی هذا القسم. مثال الثانی کما حکمنا بأن لنا جوعا أو عطشا۔......وخامسها: التجربیات، وهی قضایا یحکم العقل فیها بواسطة تکرار المشاهدة وعدم التخلف حکمًا کلیًّا، کالحکم بأن السقمونیا مُسهل للصفراء۔......وسادسها: المتواترات، وهی قضایا یحکم فیها بواسطة أخبار جماعةٍ یستحیل العقلُ تواطؤَهم علی الکذب۔

واختلفوا فی أقلّ عددِ هذه الجماعة، قیل: انَّ أقله أربعة۔ وقیل: عشرة۔ وقیل: أربعون، والأشبه أنَّ هذا العدد یختلف باختلاف حال الذین أخبروه واختلاف الواقعة، فلا یتعین عدد، والضابطة أن یبلغ الی حدٍّ یفید الیقین۔......فهذه الستة هی مبادئ البرهان ومقاطع الدلیل ومنتهی الأیقان۔

۳۲۔ فصل: البرهان قسمان

۱۔ لِمّیٌّ، ۲۔ وإنّیٌّ..................۱۔ أمّا اللِّمِّی فهو الذی یکون الأوسط فیه علة لثبوت الأکبر للأصغر فی الواقع، کما أنه واسطة فی الحکم، یسمّٰی به، لافادته اللِّمِّ والعلّة۔

۲۔ وامّا الانِّی فهو الذی یکون الأوسط فیه علة للحکم فی

الذهن فقط، ولم یکن علة فی الواقع، بل قد یکون معلولاً له۔

مثال اللمّی قولك: (زید محموم لأنه متعفن الأخلاط، وکل متعفن الأخلاط محموم: فزید محموم) فکما انَّ فی هذا القیاس الأوسط علةٌ لثبوت الحمی فی زید فی ذهنك، کذلك هو علةٌ لوجود الحُمی فی الواقع۔.............مثال الانّی قولك: (زید متعفن الأخلاط، لأنه محموم، وکل محموم متعفن الأخلاط) فوجود الحمی علة لثبوت کونه متعفّنًا فی ذهنك، ولیس علة فی نفس الأمر، بل عسی أن یکون الأمر فی الواقع بالعکس۔

۳۳۔ فصل

من المغالطاتِ: المصادرةُ علی المطلوب، نحو: زید انسان، لأنه بشر، وکل بشر انسان، ومنها: المغالطةُ العامةُ الورودِ التی یمکن أن تُثبت بها ایَّ مطلوب اردتَ، صادقًا کان أو کاذبًا، فتقول: (المدعی ثابت: لأنه لو لم یکن المدّعی ثابتًا کان نقیضه ثابتًا، وکلّما کان نقیضُه ثابتًا کان شیء من الأشیاء ثابتًا) ینتج: (لو لم یکن المدعی ثابتًا کان شیءٌ من الأشیاء ثابتًا) وینعکس بعکس النقیض (لو لم یکن شیءٌ من الأشیاء ثابتًا کان المدَّعی ثابتًا، مع أنه شیء من الأشیاء) هذا خلفٌ۔......

وتحیّر العقلاءُ فی حلّه، فمن قائل یقول: انّا لا نسلم أنّ تلك الشرطیة تنعکس بهذا العکس الی هذه الشرطیة، کیف؟ والشیئان فی الأصل والعکس مختلفان بالعموم والخصوص! بل عکس هذه الشرطیة قولنا: (کلّما لم یکن ذلك الشیءُ ثابتًا کان المدعی ثابتًا) وهو حقّ......یقول الملخِّص: وهذا الحلُّ هو الحق المتعیِّن۔

تلخيص الشَّريفية

لَخَّصَهَا الجامع عفى عنه

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

المناظرة: توجُّه المتخاصمين فى النسبة بين الشيئين إظهارًا للصواب............والمجادلة: هى المنازعة، لا لاظهار الصواب، بل لالزام الخصم

والمكابرة: هذه، الاَّ أنه لا لالزام الخصم أيضًا۔

والنقل: هو الاتيان بقول الغير، على ما هو عليه بحسب المعنى، مُظهِرًا أنه قول الغير............تصحيح النقل: هو بيان صدق نسبة ما نسب الى المنقول عنه۔

والمدَّعى: مَن نصب نفسه لاثبات الحكم بالدليل أو التنبيه۔

والسائل: مَن نصب نفسه لنفيه، وقد يطلق على ما هو أعم۔

والدعوى: ما يشتمل على الحكم المقصود اثباته، ويسمى ذلك مسألة ومبحثا ونتيجةً وقاعدةً وقانونًا۔

والمطلوب: أعم تصورى أو تصديقى، ويسمى (مطلبًا) أيضًا، وقد يقال: المطلب، لما يُطلب به التصورات والتصديقات۔

ثم التعريف امّا (حقيقى) يقصد به تحصيل صورة غير حاصلة،

فان علم وجودها (فبحسب الحقيقة) والا (فبحسب الاسم) وامّا (لفظى) يقصد به تفسير مدلول اللفظ۔

والدليل: هو المركب من قضيتين للتأدى الى مجهول نظرى، وان ذكر ذلك لازالة خفاء البديهى يسمى (تنبيهًا) وقد يقال لملزوم العلم: (دليل) ولملزوم الظنّ: (أمارة)

التقريب: سوق الدليل على وجه يستلزم المطلوب۔

التعليل: تبيين علة الشيء۔

والعلة: ما يحتاج اليه الشيء فى ماهيته أو فى وجوده، وجميعه يسمى علةً تامّةً......الملازمة: هو كون الحكم مقتضيًا لآخرَ، والأول يسمى ملزومًا، والثانى لازمًا......المنع: طلب الدليل على مقدمةٍ معيّنةٍ، ويسمى مناقضةً ونقضًا تفصيليًّا أيضًا۔

المقدمة: ما يتوقّف عليه صحةُ الدليل۔

السند: ما يذكر لتقوية المنع، ويسمى مستندًا أيضًا۔

النقض: ابطال الدليل بعد تمامه متمسّكًا بشاهدٍ يدل على عدم استحقاقه للاستدلال به، وهو استلزامه فسادًا مّا، وفصل بدعوى التخلف أو لزوم محال، ويسمى (نقضًا اجماليًّا)۔

فالشاهد: ما يدل على فساد الدليل۔

والمعارضة: اقامة الدليل على خلاف ما أقام الدليل عليه الخصم......والتوجيه: أن يوجّه المناظرُ كلامَه الى كلام الخصم۔

والغصب: أخذ منزلة الغير۔

ثم للبحث ثلاثة أجزاء: ۱۔ (مباد) هى تعيين المدعى۔ ۲۔ (و

أوساط) هى الدلائل، ۳۔ (ومقاطع) هى المقدمات التى ينتهى البحث اليها من الضروريات والظنيات المسلّمة عند الخصم۔

يلتزم الخصم البيان بعد الاستفسار، و يؤاخذ بتصحيح النقل ان نقل شيئًا، وبالتنبيهِ أو الدليلِ ان ادَّعى بديهيًّا خفيًّا أو نظريًّا مجهولاً۔ فاذا أقام الدليلَ تمنع مقدمة معيَّنة منه مع السند أو مجردًا عنه، فيجاب بابطال السند بعد اثبات التساوى أو اثبات المقدمة الممنوعة، وينقض بأحد الوجهين ويعارض، فيجاب بالمنع أو النقض أو المعارضة۔...... التعريف الحقيقى لاشتماله على دعاوى ضمنية يمنع وينقض ببيان الاختلال فى طرده وعكسه، ويعارض بغيره، ولا يلزم من بطلان الدليل بطلان المدلول۔

ويندرج الحل فى المنع لنوع مناسبةٍ وان خالفه بوجهٍ، اذ يقصد به تعيينُ موضع الغلط لسوء الفهم، لا لطلب الدليل۔

ولا يصح الانتقال من دليل الى دليل آخر لعجزه، ويجوز لعجز غيره عن فهم الدليل الأول۔

لا يسمع النقض من غير شاهدٍ، بخلاف المناقضة۔

وقد يسمى القدح فى طرد التعريف وعكسه نقضًا۔...... ودفع الشاهد قد يكون بمنع جريان الدليل، أو بمنع التخلُّف، أو باظهار أنَّ التخلُّف لمانع، أو بمنع استلزامه للمحال، أو بمنع الاستحالة۔

وصية

لايحسن الاستعجال فى البحث، وفى عدمه فوائد للجانبين، ومن الواجب التكلم فى كل كلام بما هو وظيفته، فلا يتكلم فى اليقينى بوظائف الظنى ولا بالعكس۔

تسہیل المعانی

قال الجامع عفی عنه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وبعد، فهذا تسهيل شطر المعانى والبيان من (النقاية) من شرحه للماتن: (اتمام الدراية) الا البعض فمن الرسائل الأخر، أو مما رتّبه النظر، وهو الأقل الأندر۔

علم المعانى

علمٌ يعرف به أحوال اللفظ العربى التى بها۔ أى بتلك الأحوال۔ يُطابِق اللفظُ مقتضى الحال، وهو الاعتبار المناسب للمقام۔ وينحصر فى ثمانية أبواب:

الباب الأوّل: الاسناد الخبرى

منه حقيقة عقلية: وهى اسناد الفعل أو معناه۔ من المصدر و اسم الفاعل واسم المفعول ونحوها۔ لما هو له عند المتكلم۔

ومجاز عقلى: وهو اسناد ما ذكر الى ملابس له غير ما هو له۔ من مصدر و زمان و مكان و سبب۔ بتأوّل، نحو:

(يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ) أى يأمر بذبحهم۔

فطرفاه۔ أی المسند اليه والمسند. امّا حقيقتان لغويتان ك (أنبت الربيع البقل) أو مجازان ك (أحيى الأرضَ شبابُ الزمانِ) أو مختلفان نحو: (أنبت البقل شباب الزمان) و (أحيى الأرض الربيع)۔

وشرطه: قرينة صارفة عن ارادة ظاهره......ثم قد يراد بالكلام افادة المخاطب الحكمَ أو كونَه أی المتكلم۔ عالمًا به۔

فخالی الذهن من الحكم لا يؤكد له، والمتردِّد يقوی بمؤكده والمُنكرِ يؤكد بأكثر بحسب الانكار، قال الله تعالیٰ: (فَقَالُوْا إِنَّآ إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ) (يٰسين:۱۴) وقالوا ثانيًا: (رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ) (يٰسين:۱۶) فالأول ابتدائی، والثانی طلبی، والثالث انكاری۔

وقد يجعل المُنكرِ كغيره، فلا يؤكد لرادع معه، لو تأمّله ارتدع عن انكاره، كقولك لمنكر الاسلام: الاسلام حقّ وعكسه۔ أی يجعل غير المنكر كالمنكر۔ فيؤكد له، لظهور أمارة الانكار عليه قال الله تعالیٰ: (ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ) (المؤمنون:۱۵)

الباب الثانی: المسند اليه

حذفه:

۱۔ لظهوره بدلالة القرينة عليه كقوله: قال لی: كيف أنت؟ قلت: عليل......۲۔ أو اختبار تنبُّه السامع، أو قدره، أی قدر التنبه، هل تنبّه بالقرائن الخفية أم لا؟

۳۔ أو صون لسانك عن ذكره، تحقيرًا له۔

۴۔ أو صونه عن لسانك، تعظيمًا له۔

۵۔أو تیسر الانکار عند الحاجة نحو: فاسقٌ زانٍ، أی زید۔

۶۔او تعیُّنه نحو: (فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ) (البروج:۱۶)

وذكره:

۱۔للأصل، ولا مقتضى للعدول عنه۔

۲۔أو ضعف القرینة فیحتاط۔

۳۔أو النداء علی غباوة السامع بأنه لا یفهم الا بالتصریح۔

۴۔أو زیادة الایضاح، كقوله تعالٰی: (أُوْلٰئِكَ عَلٰی هُدًی مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) (البقرة:۵)

۵۔أو رفعة لكون اسمه یدل علیها، نحو: أمیر المؤمنین حاضرٌ۔

۶۔أو اهانة، نحو: السارق اللئیم حاضرٌ۔

۷۔أو تبرُّك نحو: رسول الله صلی الله علیه وسلم قائل هذا القول۔

۸۔أو تلذُّذ، نحو: الحبیب حاضرٌ۔

وتعریفه:

۱۔باضمار، لمقام التكلم ونحوه، أی الخطاب والغَیبة۔

۲۔وعَلَمیَّة، أی بایراده عَلَمًا:

۱۔لاحضاره فی ذهن السامع ابتداءً باسمه الخاص به، بحیث لا یطلق علی غیره، نحو: (قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ) (الاخلاص:۱)

۲۔أو رفعة أو اهانة، كالألقاب الصالحة لذلك۔

۳۔أو كنایة عن معنی یصلح له العَلَم، نحو: أبو لهب فعل كذا، كنایة عن كونه جهنمیًّا۔ ۴۔أو تلذُّذ نحو:

الیلای منكنّ أم لیلٰی من البشر

۵۔ أو تبرُّك نحو: الله الهادی و محمد الشفیع۔

۳۔ وموصولیة، أی تعریفه بایراده اسمَ موصول:

۱۔ لفقد عَلَم السامع غیر الصِّلة من أحواله الخاصة به، نحو: الذی کان معنا أمس رجل عالم۔

۲۔ أو هجنة، أی قبح التصریح بالاسم، لکونه مما یستقبح، وله صفة کمال فیذکر بها ...... ۳۔ أو تفخیم أی تعظیم وتهویل، نحو: (فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ) (طه:۷۸)

۴۔ أو تقریر للغرض المسوق له الکلام، نحو: (وَرَاوَدَتْهُ الَّتِی هُوَ فِی بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ) (یوسف:۲۳) فانَّ الغرض نزاهة یوسف۔

۵۔ أو اسم اشارة:

۱۔ لکمال تمییزه نحو: هذا أبو الصقر فردًا فی محاسنه۔

۲۔ أو التعریض بغباوة السامع کقوله:

اولٰئِك آبائی فجئنی بمثلهم

۳۔ أو بیان حاله قربًا أو بعدًا نحو: ذا و ذلك۔

۴۔ أو تعظیم بالقرب أو البعد، نحو: (اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِی) (الاسراء:۹) و (ذٰلِكَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ)۔ (البقرة:۱)

۵۔ أو تحقیر بالقرب أو البعد، نحو: (وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ) (العنکبوت:۶۴) و (فَذٰلِكَ الَّذِی یَدُعُّ الْیَتِیْمَ) (الماعون:۲)

۵۔ وبادخال اللام:

۱۔ للاشارة الی عهدٍ، نحو: (اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ) (التوبه۴۰)

۲۔ أو حقیقةٍ، نحو: الرجل خیر من المرأة۔

۳۔ أو استغراقٍ: حقيقةً، نحو: (إنَّ الانسانَ لَفِیْ خُسْرٍ)۔ (العصر:۲)
۴۔ أو عرفًا، نحو: جمع الأمير الصاغة۔
۶۔ أو اضافة:
۱۔ لأنها أخصر طريق والمقام يقتضى الاختصار، كقول جعفر وهو محبوس: هواى مع الركب اليمانين مُصعِد
فانَّه أخصر من (الذى أهواه) ونحوه۔
۲۔ أو تعظيم للمضاف أو للمضاف اليه أو غيرهما، كعبد الخليفة حاضرٌ، وكعبدى حضر، وكعبد السلطان عندى۔
۳۔ أو تحقير كذلك نحو: ولد الحجّام حاضرٌ ونحوه۔

وتنكيره:

۱۔ لافراد، نحو: (وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ) (یٰسین:۲۰)
۲۔ أو نوعية، نحو: (وَعَلٰى اَبْصٰرِهِمْ غِشٰوَةٌ)۔ (البقرة:۷)
۳۔ أو تعظيم، نحو: له حاجِبٌ عن كل أمرٍ يَشِينُه
۴۔ أو تحقير، نحو: وليس له من طالب العرف حاجب۔
۵۔ أو تقليل، نحو: (وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ أَكْبَرُ)۔ (التوبة:۷۲)
۶۔ أو تكثير، نحو: إنَّ له لابلاً، وان له لغنمًا۔

ووصفه:

۱۔ لكشف معناه، نحو: الجسم الطويل العريض العميق يحتاج الى فراغ يشغله......۲۔ أو تخصيص، نحو: زيد التاجر عندنا۔
۳۔ أو مدح، كجاء زيدٌ العالم۔......۴۔ أو ذمٍّ، كجاء عمرٌو الجاهل۔
۵۔ أو تأكيد، نحو: (لَا تَتَّخِذُوا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ)۔ (النحل:۵۱)

وتأكيده:

١۔ لتقوية، نحو: جاء زيدٌ زيدٌ۔

٢۔ أو دفع توهُّمِ تجوُّزٍ، كجاء السلطانُ نفسُه۔

٣۔ أو عدم الشمول، نحو: (فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ)۔ (الحجر:٣٠)

وبيانه أى اتباعه بعطف بيان:

١۔ للايضاح باسم مختص به، نحو: أقسم بالله أبو حفص عمر۔

وابداله أى ابدال منه:

١۔ لزيادة التقرير، نحو: جاء زيد أخوك ونحوه۔

وعطفه:

١۔ للتفصيل للمسند اليه باختصار، نحو: جاء زيدٌ وعمرٌو۔

٢۔ أو ردَّ السامع عن الخطأ الى الصواب، نحو: جاء زيدٌ لا عمرٌو۔

٣۔ أو صرف الحكم عن محكوم عليه الى آخر، نحو: جاء زيدٌ بل عمرٌو۔

٤۔ أو شكٍّ من المتكلم۔

٥۔ أو تشكيك للسامع، نحو: جاء زيد أو عمرو۔

وفصله أى الاتيان بعده بضمير الفصل:

١۔ لتخصيص المسند اليه بالمسند، نحو: (اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ)۔ (الذاريات:٥٨)

وتقديمه على المسند:

(وتقديمه: وقد يقدم للتخصيص نحو: أنا سعيت فى حاجتك، وللتقوى نحو: هو يعطى الجزيل)

١۔ للأصل، ولا مقتضى للعدول۔

۲۔ أو تمکین الخبر فی الذهن، بأن کان فی المبتدأ تشویق الیه، نحو:

والذی حارت البریة فیه حیوان مستحدث من جماد

۳۔ أو تعجیل مسرّة، نحو: سعد فی دارك۔

۴۔ أو تعجیل مساءة، نحو: السفاح فی دارك۔

وتأخیره:

۱۔ لاقتضاء المقام له، بأن اقتضی تقدیم المسند، وسیأتی۔

وقد یخالف ما تقدّم فیوضع المضمر موضع الظاهر وعکسه، لنکتة نحو: (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝) (الاخلاص:۲)

ومنه الالتفات والتغلیب۔

الباب الثالث: المسند

ذکره وترکه: لما مرَّ من النُّکت۔

وکونه مفردًا: لکونه غیرَ سببی مع عدم افادة التقوّی۔

والمراد بالسببی جملة علّقت علی مبتدأ بعائدٍ لا یکون مسندًا الیه فی تلك الجملة، نحو: زید أبوه منطلق۔ والتقوی نحو: زید قام، لما فیه من تکرر الاسناد الی زید، ثم الی ضمیره۔

وکونه فعلا: للتقیید بأحد الأزمنة وافادة التجدد، نحو:

أفکلما وردت عکاظ قبیلة بعثوا الیّ عرّیفهم یتوسم

وکونه اسمًا: لعدمهما۔ أی التقیید والتجدد، بأن یقصد الدوام والثبوت، کقوله:

لا یألف الدرهم المضروب صُرّتنا۔ لکن یمرّ علیها وهو منطلق

وتقیید الفعل بمعمول: کمفعول مطلق، أو به، أو له، أو معه، أو

حال، أو تمييز، أو استثناء، لتربية الفائدة۔

وترك التقييد: لمانع منه كانتهاز الفرصة، أو ارادة أن لا يطّلع الحاضرون على مفعول الفعل أو زمانه مثلاً......وتقييده بالشرط: لافادة معناه من الربط والتعليق والزمان والمكان۔

وتنكيره: لعدم حصرٍ أو عهدٍ يدل عليه التعريف نحو: زيد كاتب، أو تفخيم نحو: (هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ)

وتعريفه: لافادة حكم مجهول للسامع على معلوم له بآخر معلوم له، نحو: الراكب هو المنطلق.......ووصفه واضافته: لتمام الفائدة بهما، نحو: زيد رجلٌ عالمٌ، وزيدٌ غلامُ رجلٍ۔

وتقديمه على المسند اليه:

☆ لتخصيص له به، نحو: (لَا فِيْهَا غَوْلٌ)

☆ وتفاؤلٍ، نحو: سعدت بغرّة وجهك الأيام۔

☆ وتشويقٍ الى المسند اليه، نحو:

ثلاثة تشرق الدنيا ببهجتها شمس الضحٰى وأبو اسحاق والقمر

☆ وتنبيهٍ على خبريته ابتداءً، نحو:

له همم لا منتهى لكبارها

اذ لو قال: (همم له) لَظُنَّ أنه نعتٌ لا خبرٌ۔

وتأخيره: لاقتضاء المقام تقديمَ المسند اليه، وقد تقدّم۔

الباب الرابع: متعلقات الفعل

الغرض فى ذكر المفعول: افادة تلبُّس الفعل به. فان حُذِف المفعول وتُرِك الفعل كاللازم، بان كان الغرضُ الاخبارَ بالوقوع من الفاعل فقط لم يقدّر، كقوله تعالىٰ: (قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ) (الزمر:۹) والا فيقدّر اللائق بالمقام.

والحذف:

☆ اما لبيان بعد ابهام، كما فى افعال المشيئة اذا وقعت شرطًا، نحو: (فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ) (النحل:۹)

☆ أو دفع توهم مالا يراد، كقوله:

وَسَورةِ اَيَّامٍ حَزَزْنَ الى العظم

اذ لو قال: (حززن اللحم) لَوهم قبل ذكر (الى العظم) أن الحزّ لم ينته اليه. ☆ او ارادة ذكره ثانيًا لكمال العناية، كقوله:

قد طلبنا فلم نجد لك فى السودد والمجد والمكارم مثلاً

أى (طلبنا لك) مثلاً. ☆ أو تعميم باختصار، نحو: (وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ) (يونس:۲۵) اى جميع عباده. ☆ او فاصلة، نحو: (ما وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى) (الضحٰى:۳) ☆ أو هجنة أى استقباح ذكره، نحو: (ما رأيت منه ولا رأى منّى) أى العورة.

وتقديمه على العامل:

لردّ خطأ، كقولك: (زيدًا رأيتُ) لمن اعتقد أنك رأيت غيره.

و تخصیص، نحو: (إيَّاكَ نَعْبُدُ)۔

وتقديم بعض المعمولات على بعض للأصل، ولا معدل عنه كأول مفعولى (ظنّ) و (أعطى) على الثانى، ونحوه ككونه أهم، نحو: قتل الخارجيَّ فلانٌ۔

الباب الخامس: القصر

وهو قسمان: حقيقى واضافى۔

وكلاهما قصرُ موصوفٍ على صفةٍ بأن لا يتجاوز الموصوفُ تلك الصفةَ، نحو: ما زيد الا كاتب۔ هذا القسم من الحقيقى يكاد أن لا يوجد۔

وعكسه: أى قصر صفة على موصوف، نحو: ما فى الدار الا زيد۔

فالأول: أى الحقيقى من قصر الموصوف أو الصفة افراد لمُعتقِد الشركة، فقولنا: ما زيد الا كاتب، يخاطب به من يعتقد اتصافه بالشعر والكتابة۔

والثانى: أى الاضافى منهما قسمان:

۱۔ قلب: يلقى لمُعتقِد العكس، فقولنا: (ما زيد الا قائم) مثلاً يخاطب به من اعتقد اتصافَه بالقعود دون القيام۔

۲۔ وتعيين: ان استويا عند المخاطب، أى اعتقد اتصافه بالقيام أو القعود من غير علم بالتعيين۔

وطرق القصر:

☆ العطف ب(لا)، نحو: زيد شاعر لا كاتب۔

☆ و (بل) نحو: ما زيد كاتب بل شاعر۔

☆ والنفى والاستثناء، نحو: لا اله الا الله۔

☆ و(انما) نحو: (إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللهُ) (طٰهٰ:۹۸)

☆ والتقديم نحو: تميمي أنا، أى لا قيسيٌّ۔

الباب السادس: الانشاء

وهو أنواع:

۱۔ تمنٍّ: ب(ليت) نحو: ليت الشباب عائد۔

☆ و(هل) نحو: (فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ)۔

☆ و(لو) نحو: (لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً) (الشعراء:۱۰۲)

وقل ب(لعل) فيعطى له حكم (ليت) نحو: لعلى أَحُجُّ فأَفوزَ، ولا يشترط امكانُ التمنى۔

۲۔واستفهام: وهو ب (هل) للتصديق أى الحكم بالنسبة۔ و (ما) و(من)و(أى)و(كم) و(كيف)و(أين)و(أنى)و(متى)و(أيّان)و كلُّها لتصور .....والهمزة لهما، نحو: أزيد قائم؟ و أدبسٌ فى الاناء أم خلّ؟

وَتَرِدُ أداةُ الاستفهام لغيره:

☆ كاستبطاء، نحو: كم دعوتُك فلا تجيب۔

☆ وتعجب، نحو: (مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ)۔

☆ ووعيد، نحو: ألم أؤدب فلاناً لمن يسىء الأدب؟

☆ وتقرير، نحو: (أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ) (الزمر:۳۶)

☆ وانكار، توبيخًا نحو: (أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ) او تكذيبًا نحو: (أَفَأَصْفٰكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِنَاثاً) (الاسراء:۴۰)

☆ وتهكّم، نحو: (أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ) (هود:۸۷)

☆ وتحقير، نحو: (مَن هذا؟) استحقارًا له مع انك تعرفه۔

☆ وتهويل، نحو: (من فرعون) على قرأة فتح الميم۔

۳۔ وأمر و نهى: والمختار وفاقًا لأهل المعانى وبعض الأصوليين اشتراط الاستعلاء فيهما۔

ويستعملون الأمر:

☆ للالتماس ۰ والدعاء ۰ والتهديد، نحو: (اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ)۔

☆ والتعجيز، نحو: (فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ) (بقرہ:۲۳)

☆ والتسخير، نحو: (كُونُوا قِرَدَةً)۔

☆ والاهانة، نحو: (قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا) (الاسراء:۵۰)

☆ والتسوية، نحو: (اَصْبِرُوا اَوْلَا تَصْبِرُوا) (الطور:۱۶)

۴۔ والتمنى: نحو۔۔۔۔۔۔۔الا ايها الليل الطويل، ألا انجلى

۵۔ ونداء: وقد يَرِدُ لغيره:

☆ كاغراء، كقولك لمن أقبل يتظلم: يا مظلوم

☆ واختصاص، نحو: (أنا أفعل كذا أيها الرجل) أى متخصِّصًا من بين الرجال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۶۔ ويقع الخبر موقع الانشاء:

☆ تفاؤلاً، نحو: وَفَّقك الله للتقوىٰ۔۔۔۔☆ او اظهارًا للحرص فى وقوعه، نحو: (وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ) (البقرة:۲۳۳)

الباب السابع

الوصل: وهو عطف بعض الجمل على بعض۔

والفصل: وهو تركه۔۔۔۔۔۔۔الجملتان اللتان تقع احداهما عقيبَ الأخرى لا تخلوان عن عشرة أحوال:

الأولى: يكون للأولى محلٌّ من الاعراب، وقصد تشريك الثانية

لها فی حکم ذاك الاعراب من کونها خبرَ مبتدأ أو حالاً ونحو ذلك؛ فالوصل، لیدل العطف علی التشریك، نحو: زید یکتب ویشعر۔

الثانیة: یکون للأولی محلٌّ من الاعراب، ولم یقصد تشریك الثانیة لها فیه: فالفصل، لئلا یلزم من العطف التشریك، نحو: (وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ) (البقرة:۱۴) لم یعطف (اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ) علی (اِنَّا مَعَکُمْ)، لأنه لیس من مقولهم۔

الثالثة: لا یکون للأولی محل من الاعراب، وقصد ربط الثانیة بالأولی علی معنی عاطف سوی الواو، فالوصل بذلك العاطف، للدلالة علی ذلك المعنی، نحو: دخل زیدٌ فخرج عمروٌ، اذا قصد التعقیب، وامّا الواو فیعلم العطف بها وترکه من الصّور الأخر۔

الرابعة: لا یکون للأولی محل من الاعراب، ولم یقصد ربط الثانیة بالأولی علی معنی عاطف سوی الواؤ، وکان للأولی حکمٌ لم یقصد، اعطاؤه للثانیة: فالفصل، لئلا یلزم من الوصل التشریك، نحو: (وَإِذَا خَلَوْا) الآیة، لم یعطف (اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ) علی (قَالُوْا) لئلا یشارکه فی الاختصاص بالظرف۔

الخامسة: لا یکون للأولی محل من الاعراب، ولم یقصد ربط الثانیة بالأولی علی معنی عاطف سوی الواؤ، ولم یکن للأولی حکمٌ لم یقصد اعطاؤه للثانیة، سواء لم یکن لها حکمٌ زائدٌ علی مفهوم الجملة أو کان ولکن قصد اعطاؤه للثانیة أیضًا، ویکون بین الجملتین کمال الانقطاع، لاختلافهما خبرًا وانشاءً، بلا

ایہام ای بدون أن یکون فی الفصل ایہامُ خلاف المقصود: فالفصل، لأن الوصل یقتضی مغایرةً من وجه و مناسبةً من وجه، نحو: مات فلانٌ رحمه الله تعالیٰ۔

السادسة: لایکون للأولی محل من الاعراب، مع القیود المذکورة فی الخامسة الی قوله: (للثانیة) أیضًا، ویکون بین الجملتین کمال الاتصال، لکون الثانیة مؤکدة للأولی معنی أو بدلاً منها أو بیانًا لها: فالفصل، لأن الوصل یقتضی مغایرةً من وجه و مناسبةً من وجه، نحو: (لَا رَيْبَ فِيْهِ) بعد (ذٰلِكَ الْكِتٰبُ) إِذَا کان کل واحد منهما جملة۔

السابعة: لا یکون للأولی محل من الاعراب۔ مع القیود المغیّاة بالغایة المذکورة آنفًا۔ ویکون بین الجملتین شبهُ کمال الانقطاع، لکون عطف الثانیة علی الأولی مُوهمًا لعطفها علی غیرها مما لیس بمقصود (ومن ثم شبه بکمال الانقطاع باعتبار اشتماله علی مانع من العطف، الا أنه لما کان خارجیًا یمکن دفعُه بنصب قرینةٍ لم یجعل من کمال الانقطاع، لأن الجملتین غیر مختلفتین اختلافًا یوجب کمالَ الانقطاع): فالفصل، لکون العطف موهمًا، ویسمی هذا الفصل قطعًا، نحو:

وتظنّ سلمی أننی أبغی بها بدلاً أراها فی الضلال تهیم

فلو عطف لتوهم انه عطف علی ((ابغی))، فیکون من مظنونات سلمی۔

الثامنة: لایکون للاولی محل من الاعراب۔ مع القیود المذکورة فیما سبق۔ ویکون بین الجملتین شبهُ کمال الاتصال، لکون

الثانية جواباً لسئوالٍ اقتضته الاولى: فالفصل كما يفصل الجواب عن السئوال، لمابينهما من الاتصال. ويسمى هذا الفصل استئنافاً، نحو: {وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ} [يوسف:۵۳]

التاسعة: لايكون للاولى محل من الاعراب. مع القيود المعلومة ممامر. ويكون بين الجملتين كمال الانقطاع مع الايهام فى ترك العطف: فالوصل، لدفع الايهام، نحو قولهم: لا، وايدك الله فالجملة النافية خبرية والدعائية انشائية. فبينهما كمال الانقطاع، لكن ترك العطف يوهم تعلق النفى بالدعاء۔

العاشرة: لايكون للاولى محل من الاعراب. مع القيود المعهودة. ويكون بين الجملتين التوسط بين كمال الانقطاع وكمال الاتصال: لكونهما متفقتين خبراً وانشاءً، مع تحققِ الجامع بينهما من التضادّ او التضايف ونحوهما فلم يكن بينهما كمال الانقطاع، وعدم كون الثانية مؤكدة للاوّلى مثلاً فلم يكن بينهما كمال الاتصال: فالوصل: للمناسبة من وجه والمغايرة من وجه، ومقتضاه العطف، نحو قوله تعالى: {إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ}۔ (الانفطار:۱۳،۱۴)

فهذه عشرة احوال فى اربعة منها الوصلُ: وهى الاولى والثالثة والتاسعة والعاشرة. وفى ستةٍ منها الفصلُ: وهى الثانية والرابعة الى تمام الثامنة. هذا!

ومن مُحسِّنات الوصل بعد وجود المصحِّح: تناسبُ الجملتين فى الاسمية والفعلية وتناسب الفعليتين فى المضى والمضارعة،

الا لمانع من اختلاف القصد بالمعطوف و المعطوف عليه من التجدد والثبوت ونحوهما مثلاً ولكون هذا الباب مهمًا بالشان اوضحتُ فيه البيان۔

الباب الثامن من الايجاز والاطناب والمساواة

التعبير عن المعنى بلفظٍ:

١۔ ناقص عنه وافٍ به (ايجاز)، ٢۔ أو بزائدٍ لفائدةٍ (اطناب)

٣۔ أو بمساوٍ (مساواةٌ)

١۔ والايجاز قسمان.......١۔ قصر لا حذف فيه، كقوله تعالى: (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حيوة) (البقرة:١٧٩) ٢۔ وما فيه حذف

والحذف:

*واما المضاف، نحو: (وَسْئَلِ الْقَرْيَة)

*أو موصوف، نحو: أنا ابن جلا۔

*أو صفة، نحو: (يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا) "الكهف:٧٩" أى صالحة۔

*أو شرط، نحو: (فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ) "الشورى:٩" أى ان أرادوا ولياً۔

*أو جواب للشرط، نحو: (واذا قيل لهم اتقوا) "يٰسين:٣٥" أى أعرضوا۔

ويكون الحذف:

*اما لاختصار، كالأمثلة المذكورة۔

*أو دلالة على أنه لايحاط به۔........ *أو يذهب السامع كل ممكن، كقوله تعالى: (وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ) "الانعام: ٢٧"

*أو لجملة اما مسببة عن سبب مذكور، نحو: (ليحق الحق) أى فعل ما فعل، أو سبب لمذكور، نحو: (اضرب بعصاك الحجر فانفجرت)

"البقرة: ٦٠" أى فضربه، أو غير المسبب والسبب، نحو: (فنعم المهدون) أى هم نحن، على قول من يجعل المخصوص خبر مبتدأ محذوف۔

*أو أكثر من جملة، نحو: (فارسلون يوسف)

ثم قد يقام شيء مقام المحذوف، نحو: (وان يكذبوك فقد كذبت رسل) "الفاطر: ٤"، وقد لا يقام؛ اكتفاء بالقرينة كالأمثلة السابقة۔

ويدل على الحذف بالعقل، وعلى تعيين المحذوف بالمقصود الأظهر نحو: (حرمت عليكم الميتة) "المائدة: ٣" فان المقصود الأظهر هو الأكل، أو العادة، نحو: (فذلكن الذى لُمْتُنَّنِي فيه) "يوسف: ٣٢" أى فى مراودته لا فى حبه؛ لأنه لا يلام عليه عادة، أو الشروع فى الفعل، نحو: (بسم الله)، أو الاقتران، كقولهم: بالرفاء والبنين:

٢۔ والاطناب.......... *ان كان ببيان بعد ابهام ف (ايضاح)، نحو: (رب اشرح لى صدرى) "طه: ٢٥"

* أو بمعطوفين مفردين بعد مثنى بمعناهما ف (توشيح)، كحديث: يكبر ابن آدم، ويكبر معه اثنان: الحرص وطول الأمل۔

* أو يختم بما يفيد نكتة تم بدونها ف(ايغال)، نحو قوله تعالى: (اتبعوا المرسلين ٥ اتبعوا من لايسئلكم اجرا وهم مهتدون ٥ "يس: ٢١" فان الرسول مهتدٍ لا محالة، لكن فيه نكتة زيادة الحث على الاتباع۔

*أو بجملة بمعنى جملة سابقة توكيدا لها ف (تذييل)، نحو: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥ "الاسراء: ١٨"

*أو بدافع موهم خلاف المقصود ف (تكميل) و (احتراس)

كقوله:

فسقى ديارك غير مفسدها
صوب الربيع وديمة تهمى

*أو بفضله لنكتة سوى الدفع المذكور ف(تتميم)، نحو:

(و اٰتى المال على حبه) "البقرة: ١٧٧"

أى مع حبه، فهو أبلغ فى البذل۔

*أو بجملة فأكثر بين كلام ف(اعتراض)، كقوله تعالى:

(ويجعلون لله البنٰت سبحنه، ولهم ما يشتهون ۝) "النحل: ٥٧"

ويكون بالتكرير، نحو:

(كلا سيعلمون ۝ ثم كلا سيعلمون ۝) "النباء: ٥"

وذكر خاصٍ بعد عام، نحو:

(من كان عدوا لله وملٰئكته ورسله، وجبريل وميكٰل)

"البقرة: ٩٨"

علم البيان

علم يعرف به ايرادُ المعنى الواحد المدلول عليه بكلام مطابق لمقتضى الحال بطرق من التراكيب مختلفة فى وضوح الدلالة عليه۔

دلالة اللفظ على تمام ما وضع له "وضعية" وعلى جزئه ولازمه "عقليتان" والعقلى الشامل لهما ان قامت قرينة على عدم ارادة ما وضع له فهو "مجاز"، والا ف "كناية" وقديبنى المجاز على التشبيه ان كان استعارة۔ فانحصر المقصود من علم البيان فى:

۱۔ التشبيه ۲۔ والمجاز ۳۔ والكناية

(۱۔ التشبيه)

التشبيه: الدلالة على مشاركة أمر لأمر فى معنى، كزيد أسد۔

وطرفاه أى المشبه والمشبه به:

- اما حسيّان كالخد بالورد
- أو عقليان كالعلم بالحياة والجهل بالموت۔
- أو مختلفان كالمنيّة بالسبع، والعطر بخلق كريم۔

ووجه التشبيه: ما يشتركان فيه تحقيقًا أو تخييلًا، بأن لا يوجد ذلك المعنى فى الطرفين أو أحدهما الا على سبيل التخييل، كقوله:

وكأن النجوم بين دجاه سنن لاح بينهن ابتداع

وأداته: الكاف ومثل وكأنّ.

ثم التشبيه:

· امّا مفرد بمفرد كتشبيه الخد بالورد، أو بمركب كقوله:

وكانَ محمر الشفيق اذا تصوب أو تصعّد أعلام ياقوت نشرن على رماح من زبرجد...... ·أو مركب بمركب أو بمفرد

·فان تعدد طرفاه أى المشبه وبه ف "ملفوف" ان أتى أولًا بالمشبهات، ثم بالمشبه بها، كقوله:

كَأَنَّ قلوب الطير رطبا ويابسا
لدى و كرها العناب والحشف البالى

و "مفروق" ان أتى بمشبه ومشبه، ثم بآخر وآخر، كقوله:

النشر مسك والوجوه دنانير

او تعدد المشبه ف (تسوية) كقوله:

صدغ الحبيب وحالى كلاهما كالليالى

أو المشبه به ف "جمع" كقوله:

كأنما يبسم عن لؤلؤ منضد أو برد أو أقاح

·ثم التشبيه "تمثيل" ان انتزع وجهه من متعدد كقوله:

كان مثار النقع فوق رؤوسنا
وأسيافنا ليل تهادى كواكبه

والا ف "غير التمثيل"

·ثم هو "ظاهر" ان فهمه كل أحد نحو: زيد أسد، و "خفى" ان لم يدركه الا الخواص......... "قريب" ان انتقل من المشبه الى

المشبه به بلا تدقيق، لظهور وجهه، كتشبيه الشمس بالمرآة المجلوّة فی الاستدارة والاستنارة، والا "بعيد".

·ثمّ هو "مؤكد" ان حذفت أداته، نحو (وهی تمر مر السحاب)، (النمل: ٨٨) والا "مرسل" كزيد كالأسد.

·ثم هو "مقبول" ان وفی بافادة الغرض، وان قصر عنها ف "مردود"

·وأعلاه فی القوة ما حذف وجهه وأداته فقط، أی بدون حذف المشبه، نحو: زيد أسد، أو مع حذف المشبه، نحو: أسد، فی مقام الاخبار عن زيد. ثم يليه ما حذف فيه أحدهما أی وجهه وأداته، مع حذف المشبه أولا، نحو أنه كالأسد، ونحو:

كالأسد فی الشجاعة، وزيد أسد فی الشجاعة. ولا قوة لما سوى ذلك، نحو: زيد كالأسد فی الشجاعة.

٢۔ المجاز قسمان

١۔ مفرد: وهو الكلمة المستعملة فی غير ما وُضعت له فی اصطلاح به التخاطب مع قرينة عدم ارادة ما وضعت له

·ولا بدّ من علاقةٍ، فان كانت غير المشابهة فمرسل، والا فاستعارة۔........ ·فان تحقق معناها المستعملة فيه حسًّا أو عقلاً فتحقيقية فالحسّية كقول زهير:

لدى أسد شاكی السلاح

والعقلية كقوله تعالى: (اهدنا الصراط المستقيم) (الفاتحه ٦) فالرجل الشجاع متحقق حسًّا، والاسلام متحقق عقلا۔

·أو اجتمع طرفاه أی المستعار له ومنه فی شیءٍ ممكن ف

(وفاقية)، كقوله تعالى: (او من كان ميتا فاحييناه)أى ضالا فهديناه، والاحياء والهداية يمكن اجتماعهما، أو فى ممتنع ف (عنادية)، كاستعارة اسم المعدوم للموجود لعدم نفعه، واجتماع الوجود والعدم فى شىء ممتنع..............٠أو ان ظهر جامعها ف(عامية) نحو: رأيت أسدا يرمى، والا ف(خاصية).

٠أوكان اللفظ المستعار اسم جنس ف (أصلية) كاستعارة الأسد للشجاع، والا بأن كان فعلًا أو وصفًا أو حرفًا ف(تبعية) نحو: نطقت الحال، وقوله تعالى: (فالتقطه ال فرعون ليكون لهم عدوا)۔(قصص:٨)

٠أولم تقترن بصفة ولا تفريع مما يلايم المستعار له أومنه ف(مطلقة)، نحو: عندى أسد أو بملائم المستعار له ف(مجردة)، كقوله: غمر الرِّداء، أى كثير العطاء، فالغمر يناسب العطاء، أوبملائم المستعار منه ف(مرشحة)، كقوله تعالى:(اولئك الذين اشتروا الضللة بالهدى فما ربحت تِّجَٰرَتُهُمْ)(البقره۔١٦) والربح والتجارة مما يلايم الاشتراء:

٠أو أضمر التشبيه فى النفس فلم يصرح بشى ء من أركانه سوى المشبه ف (استعارة بالكناية)، ويدل عليه إثبات أمر مختص بالمشبه به للمشبه، وهذا الاثبات هو التخييلية، كقوله:

واذا المنية انشبت أظفارها

أثبت للمنية امرًا مختصا بالسَّبُع۔

٢۔والقسم الثانى من قسمى المجاز مركب: وهو اللفظ المستعمل

فیما شبّه بمعناه الأصلی تشبیه تمثیل، بأن کان وجهه منتزعا من متعدد مبالغة، کقوله للمتردد: تُقدِّم رِجلًا وتُؤخِّر أخری۔

۳۔ الکنایة

لفظ أرید به لازم معناه مع جواز ارادة ذلك المعنی مع لازمه ك (طویل النجاد) المراد به طویل القامة، ویجوز أن یراد به حقیقة طول النجاد۔ وبه تفارق المجاز، فانه لایجوز فیه ارادة المعنی الحقیقی للقرینة المانعة۔

• ویطلب بالکنایة اما صفة، فان کان الانتقال من الکنایة الی المطلوب بواسطة ف(بعیدة)، کقولهم: کثیر الرماد، کنایة عن المضیاف۔ وان کان الانتقال بلا واسطة ف(قریبة) کطویل النجاد۔

أو یطلب بها نسبة أی اثبات أمر أونفیه، کقوله:

ان السماحة والمروة والندی

فی قبة ضربت علی ابن الحشرج

أولا صفة ولا نسبة بل یطلب الموصوف، کقولنا کنایة عن الانسان: حی مستوی القامة عریض الأظفار۔

• وتتفاوت الی:

• تعریض: وهو ما سیق لأجل موصوف غیر مذکورة، کقولك فی عرض من یوذی المسلمین:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده:

• وتلویح: وهو ما کثرت فیه الوسائط، کما فی کثیر الرماد۔

ورمز: وهو ماقلت وسائطه مع خفاء فی الملزوم، نحو: عریض

القفاء، كناية عن الأبله.

• وايماء واشارة: وهما ما قلت وسائطه بلا خفاء۔

• والكناية أبلغ من التصريح، والمجاز من الحقيقة، والا ستعارة من التشبيه، لأن الانتقال من الملزوم الى اللام كدعوى الشيء ببيّنة۔

علم البديع

علم يعرف به وجوه تحسين الكلام بعدرعاية المطابقة ووضوح الدلالة۔ وأنواعه تربو على المائتين، ومر فى فنى المعانى والبيان منها كثيرًا ۔..........١۔ المطابقة: الجمع بين ضدين فى الجملة، نحو: (يحى ويميت) فان ذكر معنيان فأكثر ثم مقابلهما مرتّبًا ف(مقابلة) كقوله تعالىٰ:(فليضحكوا قليلا وليبكوا كثيرا) (التوبة: ٨٢) أو ذكر متناسبان فأكثر ف(مراعاة النظير) كقوله تعالى: (الشمس والقمر بحسبان) (الرحمن:٥) أوختم الكلام بمناسب المعنى ف(تشابه الأطراف)

كقوله تعالى: (لاتدركه الابصار، وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير) (الانعام ١٠٣)، فان (اللطيف) يناسب كونه غير مدرك، و(الخبير) يناسب كونه مدركا۔

أو ذكر قبل العجز من الفقرة أو البيت مايدل عليه اذا عرف الروى السابق ف(ارصاد) و(تسهيم) كقوله تعالى: (وما ظلمهم الله ولكن كانوا انفسهم يظلمون) (النحل:٣٣) فلو لم يعرف ان الروى هو النون لربما توهم أن العجز ههنا (ظلموا) أوذكر الشيء بلفظ غيره ف (مشاكلة) كقوله تعالى:(تعلم ما فى نفسى ولا

أعلم ما فی نفسك)۔(المائدة۱۱۶)

۲۔ المزاوجة: أن یزاوج بین معنیین فی شرط وجزاء بأن یورد فی کل معنی مرتبا علیه آخر، کقوله: اذا ما نهی الناهی فلج بی الهوی

أصاخت الی الواشی فلج بها الهجر

۳۔ العکس: تقدیم جزء ثم تاخیره، کقوله تعالی: (لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن)(الممتحنه:۱۰)

۴۔ الرجوع: العود علی سابق بالنقص لنکتة، کقول زهیر:

قف بالدیار التی لم یعفها القدم

بلی وغیرها الا رواح والدیم

۵۔ التوریة: اطلاق لفظ له معنیان: قریب وبعید، وارادة البعید کقول أبی بکر الصدیق رضی الله عنه: (رجل یهدینی السبیل)فان أرید أحدهما ثم بضمیره الأخری ف (استخدام) کقوله تعالی: (ولقد خلقنا الانسان من سُلٰلَةٍ من طین ۝ ثم جعلنه نطفة)(المؤمنون:۱۲،۱۳)

۶۔ اللف والنشر: ذکر متعدد ثم ما لکل بلا تعیین، کقوله تعالی: (ومن رحمته جعل لکم الیل والنهار لتسکنوا فیه ولتبتغوا من فضله)، (القصص:۷۳) فان مرتبا ف(مرتب) والا ف(مشوش)

۷۔ الجمع: أی یجمع بین متعدد فی حکم، کقوله تعالی: (المال والبنون زینة الحیوة الدنیا) (الکهف:۴۶) فان فرقت بین جهتی الادخال ف(جمع وتفریق)، کقوله:

فوجهك کالنار فی ضوئها وقلبی کالنار فی حرها

۸۔التقسیم: ذکر متعدد ثم اضافة مالکل الیه معینا، کقوله:

تشقی به الروم والصلبان والبیع

جمع شقاء الروم، ثم قسم فقال:

للسبی مانکحوا والقتل ما ولدوا

۹۔التجرید: أن ینتزع من ذی صفة آخر مثله فیها مبالغة فی کمالها فیه، کقوله: لی من فلان صدیق حمیم۔

۱۰۔المبالغة: أن یدعی لوصف بلوغه فی الشدة أو الضعف حدا مستحیلا أو مستبعدا، فان أمکن عقلا وعادة ف(تبلیغ)، أو امکن عقلا لا عادة ف (اغراق) أو لا عقلا ولا عادة ف(غلو) والمقبول منه ما قرب الی الصحة کقوله تعالی: (یکاد زیتها یضیٓء ولو لم تمسسه نار) (النور ۳۵) أو تضمن تخییلا حسنا أو هزلا۔

۱۱۔ المذهب الکلامی: ایراد حجة للمطلوب علی طریقة أهل الکلام، کقوله تعالی: (لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا) (الانبیاء ۲۲)

۱۲۔حسن التعلیل: أن یدعی لوصف علة مناسبة له باعتبارٍ لطیفٍ غیر حقیقی، کقوله:

لم یحک نائله السحاب وانما   حمت به فصبیبها الرحضاء

۱۳۔التفریع: أی یثبت لمتعلق أمر حکم بعد اثباته لاخر من متعلقاته علی وجه یشعر بالتفریع، کقوله:

أحلامکم لسقام الجهل شافیة   کما دماؤکم تشفی من الکلب

۱۴۔تأکید المدح بما یشبه الذم وعکسه: باستثناء واستدراک وصف مما قبله، کقوله فی المدح:

ولا عیب فیهم غیر أن سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب

وقولك فی الذم: فلان فاسق لکنه جاهل۔

۱۵۔الاستتباع: المدح بشیء علی وجه یستتبع المدح بآخر، کقوله:

نهبت من الأعمار مالو حویته لهنئت الدنیا بأنك خالد

۱۶۔الادماج: تضمین ما سیق لشیء آخر، نحو قوله:

أقلب فیه أجفانی کأنی أعد بها علی الدهر الذنوبا

۱۷۔التوجیه: ایرادہ محتملا لوجهین مختلفین کقوله لأعور:

خاط لی عمرو قباء لیت عینیه سواء

۱۸۔الاطراد:أن یوتی باسم الممدوح وآبائه علی الترتیب بلا تکلف، کقوله:

ان یقتلوك فقد ثللت عروشهم
بعتیبة بن الحارث بن شهاب

۱۹۔ومنها القول بالموجب: هو تسلیم المقدمات، والخلاف فی النتیجة، کقوله تعالی: (یقولون لئن رجعنآ الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمؤمنین)۔

۲۰۔وتجاهل العارف: بان سایق المعلوم مساق المجهول، کقوله:

بالله یاظبیات القاع قلن لنا
ألیلای منکن أم لیلی من البشر

۲۱۔والهزل المراد به الجد: کقوله:

اذا ما تمیمی أتاك مفاخرا
فقل عد عن ذا کیف أکلك للضب

ومامر من الأنواع معنوی واللفظی منه:

۲۲۔الاجناس بین اللفظین: وهو تشابهما لفظا فان اتفقا حروفا وعددا وهیئة، وکانا من نوع کاسمین ف(مماثل)، کقوله تعالیٰ: (ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعة(روم ۵۵)) أو نوعین کاسم وفعل ف(مستوفی) کقوله:

مامات من کرم الزمان فانه
یحیی لدی یحیی بن عبدالله

أو أحدهما مرکب من کلمتین ف(ترکیب) فان اتفقا خطًّا ف (متشابه) کقوله: اذا ملك لم یکن ذاهبة

فدعه فدولته ذاهبة وان اختلفا خطًّا ف(مفروق) کقوله:

کلکم قد أخذ الجام ولا جام لنا
ماالذی ضر مدیر الجام لو جاملنا

وان اختلفا هیئة ف (محرف) أو نقطا ف (مصحف) مثالهما: جبة البرد جنة البرد۔ وان اختلفا عددا ف(ناقص) فان کان الزائد بحرف فی الأول ف (مطرف) کقوله تعالیٰ: (والتفت الساق بالساق(۲۹) الی ربك یومئذ المساق (القیامة ۳۰)۔ أو بحرف فی الوسط ف(مکتنف) نحو: جدی جهدی أو بحرف فی الآخر ف(مذیل)، نحو: دمعی هام هامل۔

وان اختلفا حرفا، فان تقاربا مخرجا ف(مضارع)، نحو: بینی وبین کنی لیل دامس وطریق طامس، والا (لاحق)، نحو: ویل لکل همزة لمزة (همزة:۱) وان اختلفا ترتیبا ف(مقلوب)، نحو:

اللهم استر عوراتنا وآمن روعاتنا. فان كان المقلوب أن اول البيت وآخره ف (مجنح) كقوله:

لاح أنوار الندى من كفه في كل حال

وان تشابه اللفظان فى بعض الحروف ف(مطلق) كقوله تعالى: (قال انى لعملكم من القالين (الشعراء:۱۶۸) أو فى الاصل ف (اشتقاق) نحو: (فأقم وجهك للدين القيم (روم ۴۳) أو توالى متجانسان ف (ازدواج)، نحو: (وجئتك من سبأ بنبأ يقين) (النمل ۲۳)

۲۳۔ردالعجز على الصدر: الختم بمرادفالبدء أو مجانسه، كقوله تعالى: (و تخشى الناس والله أحق ان تخشٰه)، (الاحزاب ۳۷)

۲۴۔السجع: تواطؤ الفاصلتين على حرف واحد، فان اختلفا وزنا ف(مطرف) نحو: ما لكم لا ترجون لله وقارا، (۱۳) وقد خلقكم أطوارا۔او استوى جميع القرائن وزنا وتقفيةً ف (ترصيع) نحو (نوح ۱۴)

قول الحريرى: (فهو يطبع الأسجاع بجواهر لفظه، ويقرع الأسماع بزواجر وعظه) والا ف (متواز)، كقوله تعالى: (فيها سرر مرفوعة،(۱۳) واكواب موضوعة (الغاشيه: ۱۴)

۲۵۔التشريع: بناء البيت على قافيتين يصح المعنى بالوقوف على كل منهما، كقول الحريرى: (يا خاطب الدنيا، انها شرك الردى وقرارة الأكدار، دارمتى ما أضحكت فى يومها أبكت غدا، بُعدًا لها من دار!)

۲۶۔لزوم مالا يلزم: التزام حرف قبل الروى فى النظم، والفاضلة فى النثر، كقوله تعالى: (فاما اليتيم فلا تقهر

(۹) واما السائل فلا تنهر(الضحی۱۰)، فالراء بمنزلة الروی ومجیی الهاء قبلها لم یکن لازما۔

۲۷۔القلب: نحو: (کل فی فلك)

۲۸۔التضمین: ذکر شیء من کلام الغیر فی کلامه، فان کان بیتا ف(استعانة) أو مصراعا فما دونه ف(ایداع) و (رفو) أو من القرآن والحدیث ف (اقتباس) أو اشارة الی قصة أو شعر ف(تلمیح) أو نظم نثر ف(عقد) أو عکسه ف(حل)۔

والأصل فی حسن أنواع البدائع اللفظیة تبعیة اللفظ للمعنی لاعکس، وینبغی للمتکلم التانق أی المبالغة فی الحسن فی ثلاثة مواضع: ۱۔فی الابتداء بأن یأتی بما یناسب المقام۔

۲۔والتخلص الی المقصود مع رعایة الملایمة بالمفتتح۔

۳۔والانتهاء بأن یأتی بما یؤذن بانتهاء الکلام

تلخيص المنار

لخصه الجامع عفى عنه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى هدانا الى الصراط المستقيم، والصلاة على من اختص بالخلق العظيم، وعلى آله الذين قاموا بنصرة الدين القويم۔

اعلم أن أصول الشرع ثلاثة

١۔ الكتاب ٢۔ والسنة ٣۔ واجماع الأمة، والأصل الرابع القياس۔

١۔ الكتاب

أما الكتاب: فالقرآن المنزل على رسوله صلى الله عليه وسلم، المكتوب فى المصاحف، المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة، وهو اسم للنظم والمعنى جميعًا، وانما تعرف أحكام الشرع بمعرفة أقسامها، وذلك أربعة:

الاول: فى وجوه النظم صيغة ولغة، وهى أربعة:

١۔ الخاص ٢۔ والعام ٣۔ والمشترك ٤۔ والمؤوّل

والثانى: فى وجوه البيان بذلك النظم، وهى أربعة أيضا:

١۔ الظاهر ٢۔ والنص ٣۔ والمفسر ٤۔ والمحكم

وهذه الأربعة أربعة تقابلها، وهى:

۱۔الخفی ۲۔والمشکل ۳۔والمجمل ۴۔والمتشابه۔

والثالث: فی وجوه استعمال ذلك النظم، وهی أربعة أیضاً:

۱۔الحقیقة ۲۔والمجاز ۳۔والصریح ۴۔والکنایة

والرابع: فی معرفة وجوه الوقوف علی المراد، وهی أربعة أیضاً۔

۱۔الاستدلال بعبارة النص ۲۔وبإشارته

۳۔وبدلالته ۴۔وباقتضائه

۱۔أما الخاص: فکل لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد، وهو اما أن یکون خصوص الجنس أو خصوص النوع أو خصوص العین، کانسان ورجل وزید۔ وحکمه: أن یتناول المخصوص قطعا، ولا یحتمل البیان، لکونه بیّنًا۔

ومنه الأمر: وهو قول القائل۔ لغیره علی سبیل الاستعلاء۔: افعل۔ ویختص مراده بصیغة لازمة، حتی لا یکون الفعل موجبا، وموجبه الوجوب لا الندب والاباحة والتوقف، سواء کان بعد الحظر أو قبله، ولا یقتضی التکرار ولا یحتمله، سواء کان معلقا بشرط أو مخصوصا بوصف أولم یکن، لکنه یقع علی أقل جنسه، ویحتمل کله، و کذا اسم الفاعل یدل علی المصدر لغة ولا یحتمل العدد۔

وحکم الأمر نوعان:

۱۔أداء: وهو تسلیم عین الوا جب بالأمر۔

۲۔وقضاء: وهو تسلیم مثل الواجب به:....۳۔والقضاء یجب بما یجب به الأداء عند المحققین خلافًا للبعض۔

والأداء أنواع: ١۔ كامل ٢۔ وقاصر ٣۔ وما هو شبيه بالقضاء، كالصلاة بجماعة، والصلاة منفردا، وفعل اللاحق بعد فراغ الامام۔

والقضاء أنواع أيضا: ١۔ بمثل معقولٍ ٢۔ وبمثل غير معقولٍ ٣۔ وما هو فى معنى الأداء، كالصوم للصوم، والفدية له، وقضاء تكبيرات العيد فى الركوع۔

ولا بد للمأمور به من صفة الحسن ضرورة أن الامر حكيم۔

١۔ وهو اما أن يكون لعينه، وهو اما أن لا يقبل السقوط أو يقبله أو يكون ملحقا بهذا القسم، لكنه مشابه لما حسن لمعنى فى غيره، كالتصديق والصلاة والزكاة۔ ٢۔ أو لغيره:

والقدرة نوعان:

مطلق: وهو أدنى مايتمكن به المأمور من أداء مالزمه، وهو شرط فى أداء كل أمر، والشرط توهمه لا حقيقته، حتى اذا بلغ الصبى أو أسلم الكافر أو طهرت الحائض فى آخر الوقت، لزمته الصلاة، لتوهم الامتداد فى آخر الوقت بوقف الشمس۔

٢۔ وكامل: وهو القدرة الميسرة للأداء، ودوام هذه القدرة شرط لدوام الواجب، حتى تبطل الزكاة والعشر والخراج بهلاك المال، بخلاف الاولى حتى لا يسقط الحج وصدقة الفطر بهلاك المال۔

والأمر نوعان:

١۔ مطلق عن الوقت: كالزكاة وصدقة الفطر، وهو على التراخى خلافا للكرخى، لئلا يعود على موضوعه بالنقض:

٢۔ ومقيد به: وهو اما أن يكون الوقت ظرفا للمؤدى وشرطا

لأداء وسببا للوجوب، كوقت الصلاة، وهو اما أن يضاف الى الجزء الأول، أو الى ما يلى ابتداء الشروع، أو الى الجزء الناقص عند ضيق الوقت، أو الى جملة الوقت، فلهذا لا يتادى عصر أمسه فى الوقت الناقص بخلاف عصر يومه، ومن حكمه: اشتراط نية التعيين، ولا يسقط لضيق الوقت، ولا يتعين بالتعيين الا بالأداء، كالحانث فى اليمين۔

أو يكون معيارًا له وسببًا لوجوبه، كشهر رمضان، فيصير غيره منفيا، ولا تشترط نية التعيين، فيصاب بمطلق الاسم ومع الخطأفى الوصف، الا فى مسافر ينوى واجبا آخر عند أبى حنيفة رحمه الله، بخلاف المريض۔ وفى النفل عنه روايتان۔

أو يكون معيارًا له لا سببًا، كقضاء رمضان والنذر المطلق، وتشترط فيه نية التعيين، ولا يحتمل الفوات بخلاف الأوّلين، و كذا يشترط فيه التبييت بخلاف القسمين الأوّلين۔

أويكون مشكلًا يشبه المعيار والظرف كالحج، ويتادى باطلاق النيّة، لا بنية النفل۔.....والكفار مخاطبون بالأمر بالايمان، وبا لمشروع من العقوبات والمعاملات۔

ومنه النهى: وهو قوله لغيره، على سبيل الاستعلاء: لاتفعل، وانه يقتضى صفة القبح للمنهى عنه،

ضرورة حكمة الناهى۔

۱۔وهو اما أن يكون قبيحا لعينه، وذلك نوعان: وضعا وشرعا۔

۲۔أولغيره، وذلك نوعان: وصفا و مجاورا، كالكفر وبيع الحر،

وصوم يوم النحر والبيع وقت النداء۔ والنهی عن الأفعال الحسّية يقع على القسم الأول، وعن الأمور الشرعية يقع على الذی اتصل به وصفا، وقال الشافعی رحمة الله عليه فی البابين: ينصرف الى القسم الأول قولا بكمال القبح، ولذا قال: لايكون سفر المعصية سببا للرخصة،

۳۔ وأما العام: فما يتناول أفرادًا متفقة الحدود على سبيل الشمول، وانّه يوجب الحكم فی ما يتناوله قطعًا، حتی يجوز نسخ الخاص به، فان لحقه خصوص معلوم أو مجهول لا يبقی قطعيًّا، لكنه لا يسقط الاحتجاج به.........والعموم اما أن يكون بالصيغة والمعنی أوبالمعنی لاغير، كرجال وقوم۔

•و (من) و (ما) يحتملان العموم والخصوص، أصلهما العموم۔

• و(كل) للاحاطة على سبيل الافراد، وهی تصحب الأسماء فتعمها، فان دخلت على المنكر أوجبت عموم أفراده، وان دخلت على المعرّف أوجبت عموم أجزائه، حتی فرقوا بين قولهم: (كل رمان مأكول) و (كل الرمان) بالصدق والكذب۔

•وكلمة (الجميع) توجب عموم الاجتماع۔

•والنكرة فی موضع النفی تعم، وفی الاثبات تخص، لكنها مطلقة، وان وصفت بصفة عامة تعم، وكذا اذا دخلت لام التعريف فيما لايحتمل التعريف بمعنی العهد أوجبت العموم۔

•والنكرة اذا أعيدت معرفةً كانت الثانيةُ عين الأولی، واذا أعيدت نكرة كانت الثانية غيرالأولی، والمعرفة اذا أعيدت

معرفة كانت الثانية عين الأولى، واذا أعيدت نكرة كانت الثانية غير الأولى.......وما ينتهى اليه الخصوص نوعان، الأول: الواحد فيما هو فرد بصيغته ك (من) أو ملحق به كالمرأة والنساء۔ والثانى: الثلاثة فيما كان جمعا صيغةً أو معنى، لأن أدنى الجمع الثلاثة باجماع أهل اللغة۔

۴۔وأما المشترك: فما يتناول أفرادا مختلفة الحدود على سبيل البدل، كالقرء للحيض والطهر........وحكمه: التوقف فيه بشرط التأمل: ليترجح بعض وجوهه للعمل به، ولا عموم له۔

۵۔وأما المؤوّل: فما يترجّح من المشترك بعض وجوهه بغالب الرأي۔ وحكمه: العمل به على احتمال الغلط۔

۱۔وأما الظاهر: فاسم لكلام ظهر المرادُ به للسامع بصيغته وحكمه: وجوب العمل بالذى ظهر منه على سبيل القطع واليقين۔

۲۔وأما النص: فما ازداد وضو حا على الظاهر لمعنى من المتكلم، لا فى نفس الصيغة وحكمه: وجوب العمل بما وضح على احتمال تأويل هو فى حيز المجاز۔

۳۔وأما المفسر: فما ازداد وضوحا على النص على وجه لا يبقى معه احتمال التأويل والتخصيص۔

وحكمه: وجوب العمل به على احتمال النسخ۔

۱۔وأما المحكم: فما أحكم المرادبه عن احتمال النسخ والتبديل، وحكمه: وجوب العمل به من غير احتمال، كقوله تعالى: (واحل الله البيع وحرم الربوا) (البقرة ۲۷۵)، وقوله تعالى: (فسجد

الملئکة کلهم اجمعون (۳۰)، الا ابلیس (الحجر ۳۰)، وقوله تعالیٰ: (ان الله بکل شیء علیم) (الانفال ۵،)

ویظهر التفاوت عند التعارض، لیصیر الأدنی متروکا بالأعلی، حتی قلنا: انه اذا تزوج امرأةً الی شهرٍ أنه متعة۔

۱۔وأما الخفی: فما خفی مراده بعارض غیر الصیغة، لا ینال الا بالطلب،وحکمه:النظر فیه، لیعلم أن اختفاء ہ، لمزیة أو نقصان، فیظهر المرادُبه، کآیة السرقة فی حق الطرار والنبَّاش.....۲۔وأما المشکل: فهو الداخل فی أشکاله، وحکمه: اعتقاد الحقّیة فیما هو المراد، ثم الاقبال علی الطلب والتأمُّل فیه الی أن یتبیّن المراد۔

۳۔وأما المجمل:فما ازدحمت فیه ا لمعانی واشتبه المراد به اشتباها لایدرک بنفس العبارة، بل بالرجوع الی الاستفسار، ثم الطلب، ثم التأمل، وحکمه: اعتقاد الحقیة فیما هو المراد، والتوقف فیه الی أن یتبیَّن ببیان المجمل، کالصلاة والزکاة۔

۴۔وأما المتشابه: فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد منه، وحکمه: اعتقاد الحقیة قبل الاصابة، کالمقطعات فی أوائل السور مثل: (الم)، (حم)

۱۔ أما الحقیقة: فاسم لکل لفظ أرید به ما وضع له، وحکمها وجود ما وضع له خاصًا کان أو عامًا،

۲۔وأما المجاز: فاسم لما أرید به غیر ما وضع له، لمناسبة بینهما، وحکمه:وجود ما استعیر له خاصا کان أوعاما، ومتی أمکن العمل به سقط المجاز، ویستحیل اجتماعهما مرادین بلفظ واحد۔

وانما يقع على الملك والاجارة والدخول حافيا أومتنعلا فيما اذا حلف لايضع قدمه فى دار فلان باعتبار عموم المجاز، وهو الدخول ونسبة السكنى۔

وطريق الاستعارة الاتصال بين الشيئين صورةً أو معنًى، وفى الشرعيات الاتصال من حيث السببية والتعليل نظيره الصورة، والاتصال فى معنى المشروع كيف شرع نظير المعنى۔

والأول على نوعين: أحدهما: اتصال الحكم بالعلة، كاتصال الملك بالشراء، وأنه يوجب الاستعارة من الطرفين، والثانى: اتصال المسبب بالسبب، كاتصال زوال ملك المتعة بزوال ملك الرقبة، فيصح استعارة السبب للحكم دون عكسه۔

•واذا كانت الحقيقة متعذرة أومهجورة صير الى المجاز۔

•والمهجور شرعا كالمهجور عادة۔

•واذا كانت الحقيقة مستعملة والمجاز متعارفا، فهى أولى عند أبي حنيفة رحمة الله عليه خلافًا لهما، وهذا بناء على أصل آخر، وهو أن الخلفية فى التكلم، وعندهما فى الحكم۔

•والحقيقة تترك بدلالة العادة وبدلالة اللفظ فى نفسه وبدلالة سياق النظم، وبدلالة معنًى يرجع الى المتكلم، وبدلالة محل الكلام، كقوله عليه السلام، انما الأعمال بالنيات۔

٣۔وأما الصريح: فما ظهر المرادبه ظهورا بينا حقيقة كان أومجازا، كقوله: أنت حر وأنت طالق۔ وحكمه: تعلق الحكم بعين الكلام، وقيامه مقام معناه حتى استغنى عن العزيمة۔

۴۔وأما الكناية: فما استتر المراد به، ولا يفهم الا بقرينة حقيقة كان أومجازا، مثل ألفاظ الضمير، وحكمه:أن لايجب العمل بها الا بالنية۔......والأصل فى الكلام الصريح ففى الكناية ضرب قصور،ويظهر هذا التفاوت فيما يدرأ بالشبهات۔

۱۔وأما الاستدلال بعبارة النص: فهو العمل بظاهر ما سيق الكلام له۔..........۲۔وأما الاستدلال باشارة النص: فهو العمل بما ثبت بنظمه لغة،لكنه غير مقصود، ولا سيق له النص، وليس بظاهر من كل وجه۔وهما سواء فى ايجاب الحكم الا أن الأول أحق عند التعارض،وللاشارة عموم كما للعبارة۔

۳۔وما الثابت بدلالة النص: فما ثبت بمعنى النص لغة لا اجتهادا، كالنهى عن التأفيف، يوقف به على حرمة الضرب بدون الاجتهاد۔ والثابت به كالثابت بالاشارة، الا عند التعارض، وهذا صح اثبات الحدود والكفارات بدلالة النصوص دون القياس،والثابت به لا يحتمل التخصيص،لأنه لاعموم له۔

۴۔وأما الثابت باقتضاء النص: فما لا يعمل النص الا بشرط تقدمه، والثابت منه كالثابت بدلالة النص، الا عند المعارضة، ولا عموم له عندنا۔

التنصيص على الشيء باسمه العَلَم: يدل على المخصوص عند البعض، وعندنا لا يدل عليه، سواء كان مقرونا بالعدد أولم يكن، والحكم اذا أضيف الى مسمًّى بوصفٍ خاص أو علّق بشرط، كان دليلا على نفيه عند عدم الوصف أوالشرط عند الشافعى رحمة الله عليه۔

والمطلق محمول على المقيد: و ان كانا فى حادثتين عند الشافعي رحمة الله عليه، مثل كفارة القتل وسائر الكفارات، عندنا لا يحمل المطلق على المقيد وان كانا فى حادثة واحدة، لا مكان العمل بهما، الا أن يكونا فى حكم واحد، مثل صوم كفارة اليمين، لأن الحكم - وهو الصوم - لا يقبل وصفين متضادين، فاذا ثبت تقييده بطل اطلاقه، وفى صدقة الفطر ورد النصان فى السبب، ولا مزاحمة فى الاسباب، فوجب الجمع بينهما، وقيل: ان القران فى النظم بحرف الواو يوجب القران فى الحكم۔

والعام: اذا خرج مخرج الجزاء أو مخرج الجواب، ولم يزد عليه، ولم يستقل بنفسه: يختص بسببه، وان زاد على قدر الجواب فعندنا لا يختص بالسبب، ويصير مبتدأ، حتى لا يلغو الزيادة، خلافا للبعض،

•وقيل: الكلام المذكور للمدح أو الذم لا عموم له وان كان اللفظ عاما، وعندنا هذا فاسد۔

•وقيل: الجمع المضاف الى الجماعة حكمه حكم حقيقة الجماعه فى حق كل واحد، وعندنا يقتضى مقابلة الاحاد بالآحاد۔

•وقيل: الأمر بالشيء يقتضى النهى عن ضده، والنهى عن الشيء يكون أمرا بضده، وعندنا الأمر بالشيء يقتضى كراهة ضده، والنهى عن الشيء يقتضى أن يكون ضده فى معنى سنة واجبة۔

❀❀❀

فصل

المشروعات على نوعين

۱۔عزيمة: وهى اسم لما هو أصل منها غير متعلق بالعوارض۔

وهى أربعة انواع:

فالأول: فريضة، وهى مالا يحتمل زيادة ولا نقصانا، ثبتت بدليل لا شبهة فيه، كالايمان والاركان الأربعة، وحكمه: اللزوم علما وتصديقا بالقلب وعملا بالبدن، حتى يكفر جاحده، ويفسق تاركه بلا عذر..........والثانى: واجب، وهو ماثبت بدليل فيه شبهة، كصدقة الفطر والأضحية، وحكمه: اللزوم عملا لا علما على اليقين، حتى لا يكفر جاحده، لعدم العلم، ويفسق تاركه اذا استخف بأخبار الآحاد، واما متاولًا فلا

والثالث: سنة، وهى الطريقة المسلوكة فى الدين، وحكمها: أن يطالب المرء باقامتها من غير افتراض ولا وجوب، الاأن السنة تقع على طريقة النبى صلى الله عليه وسلم وغيره۔ وقال الشافعى رحمة الله عليه: مطلقها طريقة النبى صلى الله عليه وسلم، وهى نوعان:

الأول: سنة الهدى، وتاركها يستوجب اساء ة، كالجماعة

والأذان والاقامة......

والثانی: الزوائد، وتارکها لا یستوجب اساءة، کسیر النبی صلی الله علیه وسلم فی لباسه وقعوده وقیامه.

والرابع: النفل، وهو مایثاب المرءُ علی فعله ولا یُعاقب علی ترکه، والزائد علی الرکعتین للمسافر نفل لهذا المعنی.

۲۔ ورخصة: وهی أربعة أنواع: نوعان من الحقیقة، أحدهما أحق من الآخر، ونوعان من المجاز، أحدهما أتم من الآخر.

أما أحق نوعی الحقیقة فما استبیح مع قیام المحرم وقیام حکمه، کالمکره علی اجراء کلمة الکفر، وافطاره فی رمضان، واتلافه مال الغیر، وترک الخائف علی نفسه الأمر بالمعروف، وجنایته علی الاحرام، وتناول المضطر مال الغیر، وحکمه: أن الأخذ بالعزیمة أولی، حتی لو صبر وقتل فی صورة الاکراه کان شهیدا۔

والثانی: ما استبیح مع قیام السبب، لکن الحکم تراخی عنه کالمسافر، وحکمه: أن الأخذ بالعزیمة أولی لکمال سببه ولتردد فی الرخصة، فالعزیمة تؤدی معنی الرخصة من وجه، الا أن یضعفه الصوم۔

•وأما أتم نوعی المجاز فما وضع عنا من الاصر والأغلال، فسمی ذلک رخصة مجازا، لأن الأصل لم یبق مشروعا لنا۔

•النوع الرابع: ما سقط عن العباد مع کونه مشروعا فی الجملة، کقصر الصلاة فی السفر، وسقوط حرمة الخمر والمیتة فی حق المضطر والمکره، وسقوط غسل الرجل فی مدة المسح۔

❀❀❀

باب أقسام السنة

الأقسام التي سبق ذكرها ثابتة فی السنة، وهذا الباب لبيان ما يختص به السنن، وذلك أربعة أقسام: .....الأول: فی كيفية الاتصال بنا من رسول الله صلى الله وعليه وسلم۔

۱۔وهو اما أن يكون كاملا كالمتواتر، وهو الخبر الذى رواه قوم لا يحصى عددهم، ولا يتوهم تواطؤهم على الكذب، ويدوم هذا الحد، فيكون آخره كأوله وأوله كآخره وأوسطه كطرفيه، كنقل القرآن والصلوات الخمس وانه يوجب علم اليقين كالعيان علما ضروريا۔

۲۔أويكون اتصالا فيه شبهة صورة كالمشهور، وهو ما كان من الآحاد فی الأصل ثم انتشر حتى ينقله قوم لا يتوهم تواطؤهم على الكذب، وهو القرن الثانى ومن بعدهم، وانه يوجب علم طمأنينة۔

۳۔ أويكون اتصالا فيه شبهة صورة ومعنى كخبر الواحد، وهو كل خبر يرويه الواحد، والاثنان فصاعدا، ولا عبرة للعدد فيه بعد أن يكون دون المشهور والتواتر، وانه يوجب العمل دون العلم اليقين۔

۱۔والراوى ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد۔ كالخلفاء الراشدين والعبادلة۔ كان حديثه حجة، يترك به القياس، خلافا لمالك۔.............۲۔وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه۔ كأنس وأبي هريرة۔ ان وافق حديثه القياس عمل به،

۳۔وان خالفه لم يترك الا بالضرورة، كحديث المصراة۔

۴۔وان كان مجهولا بأن لم يعرف الا بحديث أو حديثين:

١۔فان روی عنه السلف أو اختلفوا فيه أو سكتوا عن الطعن، صار كالمعروف۔........٢۔وان لم يظهر من السلف الا الرد۔ كان مستنكرا۔ فلا يقبل،........٣۔وان لم يظهر فی السلف فلم يقابل برد ولا قبول، يجوز العمل به ولا يجب۔

·وانما جعل الخبر حجة بشرائط فی الراوی، وهی أربعة:

١۔العقل ٢۔والضبط ٣۔والعدالة ٤۔والاسلام۔

والثانی الانقطاع: وهو نوعان: ١۔ظاهر ٢۔وباطن

١۔أما الظاهر: فالمرسل من الأخبار، وهو ان كان من الصحابی فمقبول بالاجماع، ومن القرن الثانی، والثالث كذلك عندنا، وارسال من دون هولاء كذلك عند الكرخی خلافا لا بن أبان، والذی أرسل من وجه وأسند من وجه مقبول عند العامة۔

٢۔ وأما الباطن: فان كان النقصان فی الناقل فهو على ما ذكرنا، وان كان بالعرض بأن خالف الكتاب أو السنة المعروفة والحادثة المشهورة، أو أعرض عنه الأئمة من الصدر الأول، كان مردودا منقطعا ايضا۔

·والمروی عنه اذا أنكر الرواية أو عمل بخلافه بعد الرواية مما هو خلاف بيقين، سقط العمل به، وان كان قبل الرواية أولم يعرف تاريخه، لم يكن جرحا۔

·وتعيين الراوی بعض محتملاته لا يمنع العمل به،

·والامتناع عن العمل به مثل العمل بخلافه۔

·وعمل الصحابی بخلافه يوجب الطعن اذا كان الحديث ظاهرا

لایحتمل الخفاء علیهم۔

والطعن المبهم من ائمة الحدیث لایجرح الراوی، الا اذا وقع مفسرا بما هو جرح متفق علیه الکل ممن اشتهر بالنصیحة دون التعصب، حتی لا یقبل الطعن بالتدلیس والتلبیس والارسال ورکض الدابة والمزاح وحداثة السن وعدم الاعتیاد بالروایة واستکثار مسائل الفقه۔

فصل: وقد یقع التعارض لجهلنا بالناسخ والمنسوخ، فلا بدمن بیانه.......فرکن المعارضة تقابل الحجتین علی السواء، لا مزیة لأحدهما فی حکمین متضادین، وشرطها اتحاد المحل والوقت مع تضاد الحکم۔ وحکمها بین الآیتین المصیر الی السنة، وبین السنتین المصیرُ الی أقوال الصحابة رضی الله عنهم والقیاس، وعند العجز یجب تقریر الأصول،

والمخلص من المعارضة اما أن یکون من قبل الحجة، بأن لم یعتدلا، أو من قبل الحکم، بأن یکون أحدهما حکم الدنیا والآخر حکم العقبی، کآیتی الیمین فی سورة البقرة والمائدة، أو من قبل الحال، بأن یحمل أحدهما علی حالة والآخر علی حالة، کما فی قوله تعالی: (حتی یطهرن) بالتخفیف والتشدید أو من قبل اختلاف الزمان صریحا، کقوله تعالی:(وأولات الا حمال أجلهن أن یضعن حملهن)، نزلت بعد الآیة التی فی سورة البقرة (والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجًا یتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشر ا) أودلالة، کالحاظر والمبیح۔

·والمثبت أولى من النافى عندالكرخى، وعند ابن أبان يتعارضان، والأصل فيه أن النفى ان كان من جنس ما يعرف بدليله، أوكان مما يشتبه حاله لكن عرف أن الراوى اعتمد دليل المعرفة: كان مثل الاثبات، والا فلا ....·والترجيح لا يقع بفضل عددالرواة وبالذكور والأنوثة والحرية.

·واذا كانت فى أحد الخبرين زيادة، فان كان الراوى واحدا يؤخذ بالمثبت للزيادة، كما فى الخبر المروى فى التحالف، واذا اختلف الراوى فيجعل كالخبرين ويعمل بهما، كما هو مذهبنا فى أن المطلق لايحمل على المقيد فى حكمين.

فصل: وهذه الحجج بأقسامها تحتمل البيان.

۱۔وهو اما أن يكون بيان تقرير، وهو تأكيد الكلام بمايقطع احتمال المجاز أو الخصوص.

۲۔أو بيان تفسير كبيان المجمل والمشترك، وانما يصح موصولا ومفصولا، وعند بعض المتكلمين لا يصح بيان المجمل والمشترك الا موصولا۔

۳۔أو بيان تغيير كالتعليق بالشرط والاستثناء، وانما يصح ذلك موصولا فقط، واختلف فى خصوص العموم، فعندنا لايقع متراخيا، وعند الشافعى رحمة الله عليه يجوز ذلك۔

۴۔أو بيان ضرورة، وهو نوع بيان يقع بمالم يوضع له، وهو اما أن يكون فى حكم المنطوق كقوله تعالى: (وورثه أبواه فلامه الثلث) (النساء:۱۱) أو ثبت بدلالة حال المتكلم كسكوت

صاحب الشرع عند أمر يعاينه عن التغيير، أو ثبت ضرورة دفع الغرور كسكوت المولى حين رأى عبده يبيع ويشترى، أو ثبت ضرورة كثرة الكلام كقوله. له على مائة درهم، بخلاف قوله: له على مائة وثوب......٥۔أو بيان تبديل وهو النسخ، وهو بيان لمدة الحكم المطلق الذى كان معلوما عندالله، الا أنه أطلقه، فصار ظاهره، البقاء فى حق البشر، فكان تبديلا فى حقنا، بيانا محضا فى حق صاحب الشرع۔ ومحله حكم يحتمل الوجود والعدم، ولم يلتحق به ما ينافى النسخ من توقيت و تأبيد ثبت نصا أو دلالة۔

•والمنسوخ أنواع:۱۔التلاوة والحكم جميعا، ۲۔ والحكم دون التلاوة۔ ۳۔ والتلاوة دون الحكم، ۴۔ونسخ وصف فى الحكم، وذلك مثل الزيادة على النص، فانها نسخ عندنا، وعند الشافى رحمة الله عليه تخصيص............•وشرائع من قبلنا تلزمنا، اذا قص الله ورسوله من غير انكار على أنها شريعة لرسولنا۔

•تقليد الصحابى واجب، يترك به القياس، وقال الكرخى: لا يجب تقليده الا فيما يدرك بالقياس، وقال الشافعى رحمة الله عليه: لا يقلد احد منهم، وقد اتفق عمل أصحابنا بالتلقيدة فيما لا يعقل بالقياس، كما فى أقل الحيض، وشرا، ما باع بأقل مما باع، واختلف عملهم فى غيره،

۳....باب الاجماع

ركن الاجماع نوعان:

۱۔عزيمة: وهو التكلم منهم بما يوجب الاتفاق، أو شروعهم في الفعل ان كان من بابه۔......۲۔ورخصة: وهو أن يتكلم أو يفعل البعض دون البعض، وفيه خلاف الشافعي رحمة الله عليه۔

•وأهل الاجماع من كان مجتهدا صالحا الا فيما يستغني فيه عن الاجتهاد، وليس فيه هوى ولا فسق،.....•والشرط اجتماع الكل، وخلاف الواحد مانع كخلاف الأكثر۔.....•وحكمه في الأصل أن يثبت المراد به شرعا على سبيل اليقين۔

•والأمة اذا اختلفوا على أقوال كان اجماعا منهم على أن ما عداها باطل، وقيل: هذا في الصحابة رضي الله عنهم خاصة۔

۴....باب القياس

القياس في اللغة: التقدير، وفي الشرع: تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة، وانه حجة نقلا وعقلا۔.....ثم للقياس تفسير لغة وشريعة كما ذكرنا، وشرط وركن وحكم ودفع۔

فشرطه: •أن لايكون الأصل مخصوصا بحكمه بنص آخر، كشهادة خزيمة وحده۔........•وأن لايكون معدولا به عن

القياس، كبقاء الصوم مع الأكل والشرب ناسيا۔

•وأن يتعدى الحكم الشرعى الثابت بالنص بعينه الى فرع هو نظيره، ولا نص فيه فلا يستقيم التعليل لاثبات اسم الزنا للواطة لأنه ليس بحكم شرعى، ولا لصحة ظهار الذمى، لكونه تغييرا للحرمة المتناهية بالكفارة فى الأصل. وهو المسلم۔ الى اطلاقها فى الفرع عن الغاية۔ ولا لتعدية الحكم من الناسى فى الفطر الى المكره والخاطى، لأن عذر هما دون عذره، ولا يشترط الايمان فى رقبة كفارة اليمين والظهار، لأنه تعدية الى مافيه نص بتغييره۔

•والشرط الرابع: أن يبقى حكم النص بعد التعليل على ما كان قبله۔.........ورکنه: ما جعل علما على حکم النص مما اشتمل عليه النص، وجعل الفرع نظيرا له، لوجوده فيه، وهو جائز أن يكون وصفا لازما وعارضا واسما وجليا و خفيا وحكما وفردا وعددا، ويجوز فى النص وغيره اذا كان ثابتا به۔

•ودلالة كون الوصف علة صلاحه وعدالته بظهور أثره فى جنس الحكم المعلل به، ونعنى بصلاح الوصف ملائمته، وهى أن يكون على موافقة العلل المنقولة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن السلف، كتعليلنا بالصغر فى ولاية المناكح لما يتصل به من العجز، فانه مؤثر مثل تأثير الطواف، لما يتصل به من الضرورة دون الاطراد وجودا وعدما أو وجودا فقط، لأن الوجود قد يكون اتفاقيا ....•ومثله الاحتجاج باستصحاب الحال، لأن المثبت ليس بمبق، وذلك فى كل حكم عرف وجوبه

بدليله ثم وقع الشك في زواله. فكان استصحاب حال البقاء على ذلك الوجود موجبا عند الشافعي رحمة الله عليه، وعندنا لايكون حجة موجبة، ولكنها حجة دافعة۔

·والاستحسان يكون بالأثر والاجماع والضرورة۔

·والقياس الخفي كالسلم والاستصناع، وتطهير الأواني وطهارة سؤر سباع الطير...............·ولما صارت العلة عندنا علة بأثرها قدمنا على القياس الاستحسان الذي هو القياس الخفي اذا قوى أثره، وقدمنا القياس لصحة أثره الباطن على الاستحسان الذي ظهر أثره وخفي فساده۔

وشرط الاجتهاد: أن يحوى علم الكتاب بمعانيه ووجوهه التي قلنا، وعلم السنة بطرقها، وأن يعرف وجوه القياس بطرقها۔

وحكمه: الاصابة بغالب الرأى، حتى قلنا: ان المجتهد يخطى ويصيب، والحق في موضع الخلاف واحد۔

ثم العلل نوعان:

۱۔ طردية ۲۔ ومؤثرة۔ وعلى كل قسم ضروب من الدفع۔

فصل: ثم جملة ما ثبت بالحجج التي سبق ذكرها شيئان

۱۔ الأحكام ۲۔ وما يتعلق به الأحكام۔

أما الأحكام فأربعة:

۱۔ حقوق الله تعالى خالصة۔ ۲۔ حقوق العباد خالصة۔

۳۔ وما اجتمعا فيه وحق الله غالب، كحد القذف۔

۴۔ وما اجتمعا فيه وحق العبد غالب، كالقصاص۔

وحقوق الله تعالى ثمانية انواع:

١۔ عبادات خالصة، كالايمان وفروعه، وهى ثلاثة أنواع: أصول، ولواحق، وزوائد.........٢۔ وعقوبات كاملة، كالحدود۔ ٣۔ وعقوبات قاصرة، مثل حرمان الميراث،

٤۔ وحقوق دائرة بينهما، كالكفارات، ٥۔ وعبادة فيها معنى المؤنة، كصدقة الفطر، ٦۔ ومؤنة فيها معنى العبادة، كالعشر، ٧۔ ومؤنة فيها معنى العقوبة، كالخراج۔

٨۔ وحق قائم بنفسه كخمس الغنائم والمعادن، وحقوق العباد كبدل المتلف والمغصوبات وغيرهما۔

وأما القسم الثانى فأربعة:

١۔ الأول: السبب.......٢۔ والثانى: العلة، وقد تقام السبب الداعى والدليل مقام المدعو والمدلول۔

٣۔ والثالث: الشرط، وهو ما يتعلق به الوجود دون الوجوب۔

٤۔ والرابع: العلامة، وهى ما يعرف به الوجود من غير أن يتعلق به وجوب ولا وجود، كالاحصان۔

فصل فى بيان الأهلية

والعقل معتبر لاثبات الأهلية والاهلية نوعان:

١۔ أهلية وجوب ٢۔ وأهلية أداء، وهى نوعان:

قاصرة: تبتنى على القدرة القاصرة من العقل القاصر والبدن القاصر، كالصبى العاقل والمعتوه البالغ، وتبتنى عليها صحة الأداء۔

وكاملة: تبتنى على القدرة الكاملة من العقل الكامل والبدن الكامل، وتبتنى عليها وجوب الأداء وتوجه الخطاب.

والأمور المعترضة على الأهلية نوعان:

۱۔سماوی: وهو الصغر والجنون والعته بعد البلوغ، وهو كالصبا مع العقل فى كل الأحكام، والنسيان: وهو جهل ضرورى بما كان يعلمه، لا بآفة، والنوم: وهو عجز عن استعمال القدرة والاغماءُ والرق: وهو عجز حكمى شرع جزاء على الكفر، والمرض والحيض والنفاس والموت،

۲۔ ومكتسب: وهذا أنواع: الجهل والسكر والهزل والسفه والسفر والخطأ والاكراه۔

تم تلخيص المنار

المدار لحل المنار

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الجامع عفى عنه:

حمدا وسلاما وبعد، فهذه مسائل من الفقه جمعتها، لتكون كالتمهيد لفهم التفريعات على الأصول، وتسهيلا لما استصعب على أذهان المبتدئين من اثبات المنقول بالمعقول، وسميتها ب(المدار لحل المنار) وهى ميسرة أيضا (نور الأنوار) وكذا لمقامات توجد فى (تلخيص المنار) لا يتعسر تعيينها للمعلم والمتعلم بما صرحنا قولا قولا من (المنار)

أحكام الخاص

قوله: فلا يجوز الخ: مسألة: تعديل الأركان من الركوع والسجود واجب لافرض عند أبي حنيفة رحمة الله عليه۔

قوله: وبطل شرط الولاء الخ: مسألة: الولاء والترتيب والتسمية والنية ليست بفرض فى الوضوء،

قوله: والطهارة الخ: مسألة: الطهارة ليست بفرض فى الطواف، بل هى واجبة.........قوله: والتأويل الخ: مسألة: المطلقة تعتد بالحيض ان كانت حائضة، لا بالطهر۔

قوله: والمحللية الخ: مسألة: من طلق امرأته ثلاثا، ونكحت زوجا، ثم طلقها الزوج الثاني، ونكحها الزوج الأول: يملك مرة أخرى ثلاث تطليقات بالاتفاق، وان طلق ما دون الثلاث، ونكحت زوجا آخر، ثم طلقها، ونكحها الأول: فعند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمة الله عليهما يملك أيضا ثلاث تطليقات، ويكون الزوج الثاني هادما لما مضى من الطلقة والطلقتين۔

قوله: وبطلان العصمة: مسألة: من سرق شيئا وقطعت يده، فان كان المسروق موجودا: يرد الى المالك بالاتفاق، وان هلك: لايجب الضمان عند أبي حنيفة رحمة الله عليه۔

قوله: ولذلك الخ: مسألة: يصح ايقاع الطلاق بعد الخلع۔

قوله: وجب الخ: مسألة: المرأة التي فوضها وليها بلا مهر أو على أن لامهر لها: عندنا يجب لها كمال مهر المثل عند العقد في الذمة، ويجب أداؤه عند الموت أو الوطء۔

قوله، كان المهر: مسألة: أقل المهر عشرة دراهم، فان سمى أقل من ذلك: يجب العشرة۔

أحكام الأمر

قوله: اذا قال لها: طلقي الخ: مسألة: قال رجل لامرأته: (طلقي نفسك)، فان لم ينو شيئا: يقع على الواحد، وان نوى ثلاثا: فثلاث، وان نوى ثنتين: فواحد۔

قوله: لايراد بآية السرقة الخ: مسألة: من سرق أولا: تقطع يده اليمنى، ومن سرق ثانيا: تقطع رجله اليسرى، وبعد ذلك خلد في

السجن حتى يتوب.........قوله: حتى يجوز الخ: مسألة: يجوز الأداء بنية القضاء والقضاء بنية الأداء.......قوله: وفيما اذا نذر الخ: مسألة: لو نذر أحد أن يعتكف شهر رمضان، فصام ولم يعتكف لمرض منع من الاعتكاف: لا يقضي اعتكافه في رمضان آخر، بل يقضيه في ضمن صوم مقصود، وهو صوم النفل۔

أنواع الأداء

قوله: فعل اللاحق الخ: مسألة: من اقتدى مع الامام من أول التحريمة، ثم سبقه الحدث فتوضأ وأتم بقية الصلاة بعد فراغ الامام: فهو اللاحق في اصطلاح الفقهاء۔

فان كان هذا اللاحق مسافرا اقتدى بمسافر، ثم أحدث فذهب للوضوء، ونوى اقامة في موضعها، ثم جاء حتى فرغ الامام وشرع في اتمام الصلاة: لايتم أربعا، بل يصلي ركعتين۔

قوله: ومنها رد المغصوب: مسألة: غصب عبد رجل، ثم رده غير مشتغل بالجناية أو بالدين: برئت ذمته۔

قوله: ورده مشغولا الخ: مسألة: غصب عبد رجل فارغا، ثم لحقه الدين أو الجناية في يد الغاصب، ثم رده الى المالك، فلو دفعه المالك الى ولي الجناية أو بيع في الدين: رجع المالك على الغاصب بالقيمة۔

قوله: وأمهار الخ: مسألة: أمهر رجل عبد الغير في نكاح امرأته، ثم سلمه اليها بعد الشراء، برئت ذمته، وتجبر المرأة على القبول، وما دام لم يسلمه اليها: ينفذ اعتاق الزوج اياه، دون اعتاقها۔

انواع القضاء

قوله: كالصوم: مسألة: من فاته صوم: صام لقضائه ان قدر، وان لم يقدر ولم يرج القدرة: فدى لكل صوم نصف صاع من بر أو صاعا من شعير ونحوه.........قوله: وقضاء تكبيرات الخ: مسألة: من أدرك الامام في صلاة العيد في الركوع، وفاتت عنه التكبيرات الواجبة: يكبر في الركوع من غير رفع يد.

قوله: ووجوب الفدية الخ: مسألة: من مات وعليه صلوات، وأوصى بالفدية: يجب على الوارث ان ترك مالا أن يفدى عن كل صلاة ما يفدى لكل صوم.........قوله: كالتصدق: مسألة: من وجب عليه التضحية ولم يضح: تصدق بعين الشاة ان كانت حية، وبالقيمة ان لم تكن، ولا يقضيها من العام القابل.

قوله: بالمثل الخ: مسألة: من غصب مثليا واستهلكه: ضمنه بالمثل، وان انصرم المثل فبالقيمة.........قوله: أو بالقيمة: مسألة: من غصب قيميا واستهلكه: ضمنه بالقيمة.

قوله: وضمان النفس الخ: مسألة: من قتل رجلا خطأ أو قطع أطرافه خطأ: تجب الدية كلها أو بعضها.

قوله: وأداء القيمة الخ: مسألة: من تزوج امرأة على عبد بغير عينه: يخير بين أن يشترى عبدا وسطا ويسلمه اليها، وبين أن يؤدى اليها قيمة عبد وسط وتجبر على القبول في القيمة أيضا.

قوله: وعلى هذا الخ: مسألة: من قطع يد رجل عمدا، ثم قتله قبل أن يبرأ: يجوز لوليه أن يفعل به مثل ما فعل، ويجوز أن

يقتصر على القتل.........قوله: ولا يضمن الخ: مسألة: من غصب من آخر مثليا،ثم انقطع المثل وانصرم من أيدى الناس: قال أبو حنيفة رحمة الله عليه: يضمن قيمته يوم الخصومة،

قوله: وقلنا جميعا الخ: مسألة: رجل غصب فرسا لأحد وركبه عدة مراحل، أو حبسه فى بيته ولم يركب ولم يرسل: فقال علماؤنا جميعا: انه لا تضمن هذه المنافع بشىء،لكن يعزر سياسة۔

قوله: والقصاص لايضمن: مسألة: من وجب عليه قصاص لغيره، فقتل القاتل أجنبى غير ورثة المقتول: لا يضمن هذا الأجنبى لأجل ورثة المقتول شيئا من الدية والقصاص عندنا۔

قوله: وملك النكاح: مسألة: شهد الرجلان بأنه طلق امرأته بعد الدخول، فحكم القاضى عليه بأداء المهر والتفريق، ثم رجع الشاهد: لا يضمنان عندنا للزوج شيئا، وان شهدا بالطلاق قبل الدخول، ثم رجعا: يضمنان نصف المهر للزوج۔

أحكام الأمر المقيد

قوله: فلهذا لا يتأدى الخ: مسألة: لا يتادى عصر الأمس فى الوقت الناقص، ويتأدى عصر اليوم فقط، ....مسالة: لو نوى الصحيح المقيم فى رمضان صوما آخر: يقع عن رمضان۔

قوله، الا فى المسافر الخ: مسألة: لو نوى المسافر فى رمضان واجبا آخر: يقع عنه عند أبى حنيفة رحمة الله عليه

قوله: بخلاف المريض الخ: مسألة:لو نوى المريض فى رمضان نفلا أو واجبا آخر: يقع عن رمضان، لكن فى النفل روايتان۔

قوله: كقضاء رمضان الخ: مسألة: يشترط فى قضاء رمضان والنذر المطلق نية التعيين والتبييت۔

قوله: يتأدى باطلاق الخ: مسألة: يصح الحج الفرض بمطلق النية، لابنية النفل۔

النهى عن الأفعال الشرعية

قوله: لاتثبت الخ: مسألة: من زنى بامرأة تحرم عليه أمها وبنتها بحرمة المصاهرة عندنا، خلافا للشافعى رحمة الله عليه۔

قوله: ولا يفيد الخ: مسألة: من غصب من رجل شيئا، ثم هلك وضمن ملكه من يوم غصبه۔

قوله: سفر المعصية الخ: مسألة: من سافر للمعصية كقطع الطريق والبغى تثبت له الرخصة فى القصر والصوم۔

قوله: ولا يملك الخ: مسألة:لو استولى الكفار على مال المسلمين وأحرزوه بدار الحرب: يملكونه۔

احكام العام

قوله: واذا أوصى الخ: مسألة: من أوصى لأحد بشىء، ثم أوصى مفصولا لاخر بعين ذلك الشىء من غير أن يصرح بالرجوع عن الوصية للأول: يكون ذلك الشيءُ مشتركا بينهما۔

قوله: ولا تأكلوا الخ: مسألة: متروك التسمية ناسيا: يحل، لا متروك التسمية عامدا۔........قوله: ومن دخله الخ: مسألة: من قتل ثم دخل البيت: لا يقتص منه مالم يخرج، ومن دخل ثم قتل: يقتص وان لم يخرج

قوله: كما اذا باع عبدين بألف الخ: مسألة: لوباع عبدين بألف على أنه بالخيار فی أحدهما. فهذه على أربعة أوجه. أحدها: أن يعين محل الخيار ويسمى ثمنه على حدة. ويصح البيع فی هذه الصورة على الوجه الذى قصداه. والثانی: أن لا يعين ولا يسمى، والثالث: أن يعين ولا يسمى، والرابع: أن يسمى ولا يعين، و فی هذه الصور الثلاث يفسد البيع.................قوله: فصار كالبيع المضاف الخ: مسألة: باع العبد والحر بثمن واحد، بأن يقول: (بعتهما بالألف): لايصح البيع فی العبد أيضا۔

قوله: كما اذا باع عبدين وهلك الخ: مسألة: باع عبدين بثمن واحد، بأن قال: (بعتهما بألف)، ومات أحدُ العبدين قبل التسليم: يبقى البيع فی الآخر بحصته من الألف۔

ألفاظ العموم

قوله: فاذا قال: من شاء الخ: مسألة: قال رجل، (من شاء من عبيدى العتق فهو حر) فشاؤوا جميعا:

عتقوا جميعا، وان قال رجل لرجل: (من شئت من عبيدى عتقه فاعتقه): فله أن يعتقهم الا واحدا۔

قوله: فان قال لامته الخ: مسألة: قال رجل لأمته، (ان كان ما فی بطنك غلاما فأنت حرة) فولدت غلاما وجارية: لم تعتق۔

قوله: جميع من دخل الخ: مسألة: قال الامام: (جميع من دخل هذا الحصن اولا فله من النفل كذا)، فدخل عشرة معا: فلهم نفل واحد بينهم جميعا، وان دخلوا فرادى: يستحق النفل الأول خاصة.

قوله: وفى كلمة (كل) يجب الخ: مسألة: ولو قال: (كل من دخل الحصن أولا فله كذا) فدخل عشرة معا: يجب لكل واحد منهم نفل تام، ولو دخلوا فرادى: كان النفل اللأوّل خاصة.

قوله: وفى كلمة (من) يبطل: مسألة: ولو قال: (من دخل الحصن أولا فله كذا)، دخل عشرة معا: لايستحقه أحد منهم، ولو دخلوا فرادى: يستحق الاول خاصة۔

قوله: والله لا أكلم الخ: مسألة: قال: لا أكلم أحدا الا رجلا كوفيا): لا يحنث بتكلم من كان من رجال الكوفة،

قوله: والله لا أقربكما الخ: مسألة: قال لامرأتيه: (والله، لا أقربكما الا يوما أقربكما فيه) لايكون موليا أبدا۔

قوله: اذا قال:أى عبيدى الخ: مسألة:قال: (أىّ عبيدى ضربك فهو حر) فضربوه: يعتقون، ولو قال: (أىّ عبيدى ضربته فهو حر) فضربهم، فلو ترتيبا: عتق الأول، وان دفعة: يخير المولى فى التعيين۔قوله: فيحنث الخ: مسألة: حلف لا يتزوج النساء: يحنث بتزوج امرأة واحدة۔

استحالة الجمع بين الحقيقة والمجاز

قوله: حتى قلنا: ان الوصية الخ: مسألة: أوصى رجل لمواليه، ولم يكن له معتق (بالكسر) وله معتق ومعتق المعتق (بالفتح) يستحق المعتق، لا معتق المعتق، فان كان له معتق واحد: يستحق النصف، وان كان له اثنان فصاعدا: يستحق الكل بشرط أن لا يتجاوز الثلث۔

قوله: ولا يراد الخ: مسألة:: أوصى رجل لأبناء زيد، وله أبناء وأبناءُ أبناء: لا يستحق أبناءُ الأبناء الا أبناء۔

قوله: وفي الاستئمان الخ: مسألة: استأمن الحربي من الامام على الأبناء أو الموالي، فأمنه عليهم: يدخل في الأمن أبناء الأبناء كالأبناء، وموالي الموالي كالموالي۔

قوله: بخلاف الاستئمان الخ: مسألة: استأمن على الأباء والامهات: لا يدخل الأجداد والجدات۔.........قوله: فيما اذا حلف الخ: مسألة: حلف لا يضع رجله في دار فلان: يحنث بالدخول حافيا ومتنعلا، كانت الدار ملكا له أو اجارة أو عارية۔

قوله: انما يحنث اذا قدم الخ: مسألة: قال: (عبده حر يوم يقدم فلان) يعتق العبد اذا قدم فلان ليلا أو نهارا۔

قوله: فيما اذا قال الخ: مسألة: قال: (لله على صوم رجب) ونوى به النذر واليمين، أو نوى اليمين فقط: يكون نذرا ويمينا، ويلزم بفواته القضاء للنذر والكفارة لليمين۔

قوله: حتى اذا قال: ان اشتريت الخ: مسألة: قال: (ان اشتريت عبدا فهو حر) فاشترى نصف عبد وباعه، ثم اشترى النصف الآخر: يعتق هذا النصف.........وان قال: (ان ملكت عبدا فهو حر) فملك نصفه وباعه، ثم ملك النصف الآخر: لا يعتق۔

ترك الحقيقة أو المجاز

قوله: كما اذا حلف لا يأكل الخ: مسألة: حلف لا يأكل من هذه النخلة: يقع على ثمرها، ولو أكل من عين النخلة: لم يحنث:

قوله: أولا يضع قدمه: مسألة: حلف لا يضع قدمه في دار فلان: يقع على الدخول مطلقا، سواء كان حافيا أو متنعلا، وسواء كانت الدار المسكونة لفلان ملكاله أو او عارية اوجارة۔

قوله: حتى ينصرف الخ: مسألة: وكل رجلا بالخصومة: يقع على مطلق الجواب، اقرارا كان أوانكارا۔

قوله: واذا حلف لا يأكل الخ: مسألة: حلف لا يأكل من هذه الحنطة: فعند أبي حنيفة رحمة الله عليه يحنث اذا أكل من عين الحنطة بالغلي والقلي، وعندهما يحنث أكل من عينها أو من خبزها۔

قوله: أو لا يشرب الخ: مسألة: حلف لا يشرب من هذا الفرات: فعنده رحمة الله عليه يحنث بالكرع فقط۔ وعندهما رحمة الله عليهما بالاناء والغرف أو بهما، وبالكرع جميعا۔

حروف المعانی

قوله: لغير الموطوء ة ان دخلت الخ: مسألة: قال أحد لامرأته الغير الموطوء ة: ان دخلت فأنت طالق وطالق وطالق: فعند أبي حنيفة رحمة الله عليه تقع واحدة۔ وعندهما رحمة الله عليهما ثلاث اذا دخلت الدار۔

قوله: واذا قال لغير الموطوء ة الخ: مسألة: قال لغير الموطوء ة: (أنت طالق وطالق وطالق): تقع الواحدة عند علماءنا الثلاثة۔

قوله: واذا زوج أمتين الخ: مسألة: زوج فضولى أمتين لشخص من رجل آخر بغير اذن الزوج وبغير المولى، فقال المولى: (هذه حرة وهذه) بكلام متصل: يبطل نكاح الثانية۔

قوله: واذا زوج رجلا الخ: مسألة: زوج أحد رجلا أختين معا فی عقدين، فبلغ الزوج خبر النكاح، فقال: (أجزت نكاح هذه وهذه) موصولا: بطل النكاحان۔

حرف (أو)

قوله: هذا حرأو هذا الخ: مسألة: قال للعبدين: (هذا حر أو هذا) يجبره القاضی علی البيان، وان مات أحدهما قبل البيان وقال: (انه كان مراد الی): لم يقبل.........قوله: فی الوكالة الخ: مسألة: قال: (وكلت هذا أو هذا) فأيّهما تصرف: صح۔

قوله: بخلاف البيع الخ: مسألة: قال: (بعت هذا أو هذا) أو قال: (بعت هذا بألف درهم أو بألفين): لا يصح۔ وكذا فی الاجارة۔

قوله: وَفِی المهر الخ: مسألة: قال: (تزوجتك علی هذا أو هذا) فأيّهما أعطاها: صح عندهما رحمة الله عليهما ان كان كل منهما دائرا بين النفع والضرر۔ وعنده رحمة الله عليه يجب مهر المثل۔

قوله: والله لا أكلم فلانا أوفلانا الخ: مسألة: حلف لا أكلم زيدا أو عمرا: لايجوز له التكلم مع زيد ولا عمرو۔ ولو كلمهما فلو معا: لايحنث الا مرة، ولا يكون بمنزلة اليمينين، ولو علی التعاقب: حنث مرتين۔

حرف (حتی)

قوله: كان لم أضربك الخ: مسألة: حلف ان لا أضربك حتی تصيح فعبدی حر، فان لم يضرب أصلا، أوترك الضرب قبل الصياح: يحنث۔

قوله: وان لم آتك الخ: مسألة: حلف ان لم آتك حتى أتغدى عندك فعبدى حر، فان لم يات، أو أتاه ولم يتغد، أوأتاه وتغدى متراخيا عن الاتيان: يحنث

حروف الجر

قوله: حتى لو قال: اشتريت الخ: مسألة: يجوز فى السلم الاستبدال فى الثمن قبل القبض، ولا يجوز فى المسلم فيه۔

حرف (فى)

قوله: فيما اذا نوى آخر النهار الخ: مسألة: قال: (أنت طالق غدا) تقع أول النهار قضاء وان نوى آخر النهار ولو قال: (فى غد) تقع فى أى جزء نوى قضاءً، وهذا عند أبى حنيفة رحمة الله عليه وقالا رحمة الله عليهما: لايصدق فيهما، بل يقع أول النهار۔

حرف (مع)

قوله: للمقارنة الخ: مسألة: قال: (أنت طالق مع واحدة، أو معها واحدة) تقع ثنتان سواء كانت موطوءة أوغير موطوءة۔

كلمة (قبل)

قوله: للتقديم الخ: مسألة: قال لغير الموطوءة: (أنت طالق قبلها واحدة): تقعان ولو قال: (قبل واحدة) تقع واحدة۔

كلمة (بعد)

قوله: للتأخير الخ: مسألة: قال لغير الموطوءة: (أنت طالق بعدها واحدة) تقع واحدة۔ ولو قال: (بعد واحدة) تقعان۔

(اذا) و (متی)

قوله: بخلاف (اذا) و (متی): مسألة: قال: (أنت طالق اذا شئت، أو متی شئت) لاتتوقف علی المجلس، بل تقع متی شاءت.

الثابت باقتضاء النص

قوله: مثاله الأمر بالتحریر الخ: مسألة: لو قال لآخر: (أعتق عبدك عني بألف)، فقال: أعتقت: یعتق عن الآمر، ویتأدی کفارته، ویکون الولاء له، ویجب الألف علیه،

الوجوه الفاسدة

قوله: حتی لم یجز نکاح الأمة الخ: مسألة: یجوز عندنا نکاح الأمة عند طول الحرة۔ ویجوز عندنا نکاح الأمة الکتابیة۔

قوله: حتی أبطل الخ: مسألة: اذا قال لأجنبیة: (ان نکحتك فأنت طالق) ثم نکحها: تطلق عندنا و کذا اذا قال لمملوك الغیر: (ان ملکتك فأنت حر) ثم ملکها: یعتق۔

قوله: وجوز التکفیر الخ: مسألة: اذا حلف: والله، لا أفعل کذا، ولم یحنث و کفر بالمال: لا یصح عندنا۔.........قوله: مثل کفارة القتل الخ: مسألة: لایجوز فی کفارة القتل بالاعتاق الا الرقبة المؤمنة۔ ویجوز غیر المؤمنة فی باقی الکفارات۔

قوله، مثل صوم کفارة الیمین الخ: مسألة: لو صام فی کفارة الیمین: یجب التتابع فیها۔

قوله: وفی صدقة الفطر الخ: مسألة: یجب صدقة الفطر عندنا

عن العبد المسلم وغير المسلم۔

قوله: فأما قيد الاسامة: مسألة: لايجب الزكاة عندنا فى غير السائمة، وكذا فى العوامل والحوامل۔

الأحكام المشروعة

قوله: قلنا: ان ما أداه الخ: مسألة: لو شرع فى صلاة النافلة: يجب اتمامها عندنا، ولو أفسد: يجب قضاؤها۔

قوله: كالمكره على اجراء الخ: مسألة: من أُكره على اجراء كلمة الكفر بما يخاف على نفسه أو على عضوه: رخص له اجراؤها على اللسان بشرط اطمئنان القلب واذا أُكره الصائم بما فيه الجاء على افطاره فى رمضان: يباح له الافطار۔ واذا أُكره على اتلاف مال الغير: رخص له ذلك۔ واذا أُكره على الجناية على احرامه: يباح له ما أُكره عليه:.........

قوله: كالمسافر الخ: مسألة: يجوز فى السفر افطار صوم رمضان، ثم يجب القضاء۔

قوله: سقوط حرمة الخمر الخ: مسألة: لو أُكره على شرب الخمر وأكل الميتة، أُو اضطر اليهما فى المخمصة: يجب التناول۔

قوله: سقوط غسل الرجل الخ: مسألة: لو لبس الخف ولم ينزعه: لايشرع غسله فى المدة۔

أقسام السنة

قوله: كحديث المصراة الخ: مسألة: اشترى شاة مصراة، ثم ظهر الغرر: فعند أبى حنيفة رحمة الله عليه ليس هذا بعيب فلا يردها۔

مبحث التعارض

قوله: كايتى اليمين الخ: مسألة: يأثم فى الغموس ولا يجب الكفارة. وفى المنعقدة يجب الكفارة.........قوله: كما فى قوله تعالى: (حتى يطهرن): مسألة: اذا انقطع الحيض لأقل من عشرة أيام: لا يحل الوطء الا أن تغتسل أو يمضى عليها وقت صلاة كاملة. واذا انقطع لعشرة أيام: يحل بمجرد الانقطاع.

قوله: وأولات الأحمال الخ: مسألة: عدة الحامل المتوفى عنها زوجها أربعة أشهر وعشر.

مبحث أقسام البيان

قوله: كسكوت المولى الخ: مسألة: رأى المولى عبده يبيع ويشترى، وسكت: يصير العبد مأذونا له فى التجارة.

قوله: له على مائة الخ: مسألة: أقر (له على مائة و درهم): يكون الكل دراهم: ولو قال له: على مائة وثوب يجب من المائة ما بينه القائل.

قوله: حتى أثبت: مسألة: حد البكر عندنا جلد مائة فقط، وليس التغريب بجزء للحد.

أفعال النبى صلى الله عليه وسلم

قوله: كما فى اعلام الخ: مسألة: يشترط اعلام قدر رأس المال عندنا.........قوله: والأجير المشترك: مسألة: واذا ضاع الثوب فى يد الأجير المشترك: لا يضمن.

القياس

قوله: كبقاء الصوم: مسألة: من أكل أو شرب فى الصوم ناسيا، لا يفسد صومه۔ ولو أكل الخاطىء والمكره: يفسد۔

قوله: فلا يستقيم الخ: مسألة: يحد فى الزنا، ويعزر فى اللواطة۔

قوله: ولا لصحة ظهار الخ: مسألة: لا يصح الظهار من الذمى

قوله: وانما خصصنا الخ: مسألة: يجوز التفاضل فى بيع الطعام بالطعام اذا كان أقل من نصف صاع۔........قوله، سقط فى حق الفقير الخ: مسألة: يجوز أداء القيمة فى الزكاة۔

قوله: كتعليلنا الخ: مسألة: البكر الصغيرة يثبت الولاية عليها اتفاقا، والثيب البالغة لا يولى عليها اتفاقا۔ والثيب الصغيرة يولى عليها عندنا، دون الشافعى رحمة الله عليه۔ والبكر البالغة يولى عليها عند الشافعى رحمة الله عليه۔ دوننا

قوله: كقولى الشافعى رحمه الله الخ مسألة ينعقد النكاح بشهادة النساء مع الرجال لا عند الشافعى رحمه الله قوله كقولهم فى اللكتابه الخ: مسألة: كاتب عبده ولم يؤجل: صح عندنا، خلافا للشافعى رحمة الله عليه

الاستحسان

قوله: والاستصناع: مسألة: يجوز الاستصناع عندنا۔

قوله: ألا ترى الخ: مسألة: اختلف البائع والمشترى فى الثمن قبل قبض المبيع: يتحالفان، ويفسخ البيع۔ ولو مات البائع والمشترى، واختلف وارثاهما فى الثمن قبل القبض: تحالفا،

ويفسخ كذلك. ولو اختلف المؤجر والمستأجر في مقدار الأجرة قبل قبض المستاجر الدار: تحالفا، وتفسخ الاجارة۔

واذا اختلف البائع والمشتري في الثمن بعد القبض: تحالفا وترادا، ولو اختلف وارثاهما بعد القبض:

فالقول لوارث المشتري۔ وكذا اذا اختلف المؤجر والمستأجر بعد استيفاء المعقود عليه: فالقول للمستأجر۔

مبحث الاجتهاد

قوله: كبيع الحر: مسألة: اذا باع الحر: لا ينعقد البيع شرعا۔

قوله: كبيع عبد الغير: مسألة: لو باع عبد الغير: ينعقد البيع، لكنه لا يتم مالم يوجد رضاءُ المالك۔

قوله: كخيار الشرط: مسألة: لو باع بشرط الخيار: يصح البيع، لكن لا يثبت الملك.........قوله: كخيار الرؤية: مسألة: من اشترى مالم يره: فله الخيار اذا رأى في فسخ البيع۔

قوله: كخيار العيب: مسألة: من اشترى شيئا، ثم وجد فيه عيبا كان عند البائع: فللمشتري خيار الفسخ برضاء أو قضاء۔

قوله: عندنا لا يصح: مسألة: يصح أداء صوم رمضان وان لم ينو بالتعين أنه من رمضان۔

قوله: كتعليلهم لايجاب الفرقة الخ: مسألة: اذا أسلم أحد الزوجين الكافرين عرض الاسلام على الآخر: فان أسلم فبها، والا يقع الفرقة بينهما بمجرد الاسلام ان كانت غير مدخول بها، وبعد مضي ثلاث حيض ان كانت مدخولا بها۔

قوله: فانه ينتقض بغسل الخ: مسألة: لا يشترط النية فى الوضوء والغسل وغسل الثوب والبدن۔ ويشترط فى التيمم۔

قوله: كما تقول فى الخارج الخ: مسألة: الخارج من غير السبيلين ينقض الوضوء اذا سال۔

قوله: يورد عليه الخ: مسألة: صاحب الجرح السائل الدائم: يبقى وضوؤه ما دام الوقت۔ فاذا خرج: انتقض الوضوء۔

قوله: المسلمون انما يجلد الخ: مسألة: اذا زنى البكر: يجلد مائة۔ واذا زنى الثيب: يرجم بشرط الاسلام۔ والكفار ليس عليهم الا الجلد۔.........قوله: كذا صاحب الجراحات: مسألة: لو جرح رجلا رجل جراحة واحدة، وجرحه آخر جراحات، ومات المجروح بها: كانت الدية بين الجارحين سواء۔

قوله: وكذا الشفيعان الخ:مسألة: دار مشتركة بين ثلاثة نفر۔ لأحدهم سدسها، وللآخر نصفها،

وللثالث ثلثها۔ فباع صاحب النصف مثلا نصيبه، وطلب الآخران الشفعة:يكون المبيع بينهما نصفين بالشفعة، وعند الشافعى رحمة الله عليه أثلاثا.........قوله: فقد تعدى الخ: مسألة: اذا رد الوديعة الى المالك والمغصوب اليه، أو رد المبيع الفاسد الى البائع بأى جهة كانت: يخرج عن العهدة، ولا يشترط التعيين۔

قوله: فينقطع حق المالك الخ: مسألة: اذا غصب رجل شاة رجل، ثم ذبحها وطبخها وشواها: ينقطع عندنا حق المالك عن الشاة، ويضمن قيمتها للمالك۔

الأحكام

قوله: مثل حرمان ميراث: مسألة: لو قتل رجل مورثه يحرم عن ميراثه.........قوله. تبتنى عليه الخ: مسألة: امامة المتيمم للمتوضين يجوز عند الشيخين، لاعند محمد رحمه الله

قوله: وتظهر هذه: مسألة: لايجب الكفارة فى الغموس.

قوله: والحلف على مس السماء الخ: مسألة: من حلف ليمسن السماء: يحنث فى الحال وتجب الكفارة.

قوله: كدلالة انسان الخ: مسألة: من دل آخر على مال انسان أونفسه ليسرقه أو يقتله: لا يضمن الدال شيئا، لكن يأثم.

قوله: كسوق الدابة الخ: مسألة: ما أتلفه الدابة بوطئها: يضمن السائق والقائد.................قوله: حتى يبطل التنجيز الخ: مسألة: اذا قال لامرأته: (ان دخلت الدار فأنت طالق ثلاثا) ثم طلقها ثلاثا منجزة، فتزوجت بزوج آخر ودخل بها، ثم طلقها، ثم عادت الى الأول بالنكاح، ووجد دخول الدار: لم تطلق عندنا، وتطلق عند زفر رحمة الله عليه

قوله: كشراء القريب: مسألة: من ملك ذا رحم محرم منه: فقد عتق عليه.........قوله: مرض الموت: مسألة: يحجر المريض لمرض الموت عن التبرع بما زاد على الثلث.............قوله: والتزكيه: مسألة: لو رجع المزكون بعد الرجم يضمنون الدية عنده رحمة الله عليه، ولا يضمنون عندهما رحمة الله عليهما.

قوله: كما فى الاستبراء: مسألة: من ملك جارية: يجب عليه

الاستبراء وان كانت بكرا أو مشتراة من يد محرمها۔

قوله: والطهر: مسألة: الطلاق مشروع فى الطهر الخالى عن الجماع.........قوله: كحفر البئر الخ: مسألة: من حفر بئرا فى غير ملكه، فسقط فيها انسان: يَضْمن الحافر الدية۔

وان حفر فى ملكه، أو ألقى انسان نفسه عمدا: فلا ضمان۔

قوله: كما اذا حل: مسألة:

حل أحد قيد عبد فأبق: لا يضمن الحال قيمته۔

قوله: كقوله لامرأته الخ: مسألة: قال لامرأته: (وان دخلت الدار فهذه الدار فأنت طالق)، فان وجد الثانى فى الملك دون الأول، بأن أبانها الزوج فدخلت الدار الأولى، ثم تزوجها فدخلت الدار الثانية: تطلق عندنا، ولا تطلق عند زفر رحمة الله عليه۔

قوله: لا يضمن الخ: مسألة: اذا رجع شهود الاحصان بعد الرجم: لا يضمنون دية المرجوم سواء رجعوا وحدهم أو مع شهود الزنا أيضا۔

الأهلية

قوله: حد الامتداد الخ: مسألة: لو جن قبل الزوال، ثم أفاق فى اليوم الثانى بعد الزوال: لا قضاء عليه عندهما رحمة الله عليهما، و عليه القضاء عند محمد رحمة الله عليه مالم يمتد الى وقت العصر...............قوله: وفى الصوم الخ: مسألة: أفاق المجنون فى جزء من الشهر ليلا أو نهارا: يجب عليه القضاء۔

قوله: ولم يتعلق بقراءته: مسألة: اذا قرأ النائم فى صلاته:

لم تصح قراءته، ولا يعتد بقيامه وركوعه وسجوده، ولو تكلم في الصلاة: ولم تفسد صلاته. واذا قهقه في الصلاة: لا يكون حدثا ناقضا للوضوء.........قوله: جهل الشفيع: مسألة: اذا لم يعلم الشفيع بالبيع، فسكت عن الطلب: لا يبطل الشفعة۔

قوله: جهل الأمة: مسألة: اذا أعتقت الأمة المنكوحة: يثبت لها الخيار بين أن تبقى تحت تصرف الزوج أو لا تبقى وان لم تعلم بخبر الاعتاق أو بأن الشرع أعطاها الخيار: كان جهلها عذرا، فاذا علمت يكون لها الخيار.........قوله: جهل البكر: مسألة: اذا زوج الصغير أو الصغيرة غير الاب والجد: يصح النكاح، ويثبت لهما الخيار بعد البلوغ فان جهلا بخبر النكاح: يكون عذرا۔ وان علما بالنكاح ولم يعلما بالخيار: لا يكون عذرا۔

قوله: وجهل الوكيل الخ: مسألة: الوكيل والمأذون اذا لم يعلما بالوكالة والاذن أو بالعزل والحجر فتصرفا قبل بلوغ الخبر اليهما: فهذا الجهل يكون عذرا، فلم ينفذ تصرفهما على الموكل والمولى في الصورة الأولى، وينفذ تصرفهما عليهما في الصورة الثانية۔

تم المدار

قال الجامع عفي عنه:

الشطر الأوّل من دراية العصمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله تعالى على ما أولانا من النعم، وأعطانا من الحكم، والصلاة على من منحه من جوامع الكلم و جعل أمته خير الأمم، وعلى آله وأصحابه أهل الفضل والكرم، المخرجين الى النور من الظلم، أما بعد، فهذه (دراية العصمة على هداية الحكمة) بينت فيها نكتا على مسائل فلسفية تخالف القواعد الشرعية، مما كذبه صريح النقل، من غير زيادة تعرض بما يأباه محض العقل، لأن اعتقاد هذا لا يتجاوز الجهالة، وذلك يفضى الى الضلالة، بأوجز عبارة وألطف اشارة، لتكون وقاية للمبتدئ عن اغواء كل غبى وغوى، والله تعالى ولى الهداية، وهو العاصم من الجهل والغواية، فتعال واسمع المقال۔

فصل فى ابطال الجزء الذى لا يتجزى

فصل فى اثبات الهيولى

أقول: لو لم يكن الغرض من هذين الفصلين اثبات قدم العالم باثبات الهيولى وجعل ابطال الأجزاء توطية له، لما كان لنا غرض بالتعرض لهما، لأنه لم ينطق الشرع بأن الجسم

مركب من الأجزاء الفردة أومن الهيولى والصورة، وانما منطوقه حدوث العالم، سواء تركبت الأجسام منها أو منهما. فلوثبت بالدليل العقلى ابطالهما وثباتهما مع حدوثهما فلا ضرر علينا، وانما الذى يضرنا هو قدم شىء منهما. فلاحاجة ههنا الى الكلام فى مسألة التركيب:

نعم، علينا الكلام اذا ادعى قدم شىء منها، فَنَتَكَلَّمُ فيه هنالك ان شاء الله تعالى، وانما نتبرع الآن بأن نقول: ان الدليلين فى الفصل الأول جاريان بأدنى تغير فى بعض الألفاظ فى النقطة، مع أن الحكماء، حاكمون بوجودها، بأن النقطة مفروضة بين الخطين، والحكماء، وان أجابوا عنه بزعمهم لكنه لايشفى العليل ولا يروى الغليل وبأن نقول: لا يلزم من هذا الدليل المذكور فى الفصل الثانى وجوب كون شىء من الأجسام القابلة للانفكاك فى نفسه متصلا فى نفسه، بل غاية ما يلزم منه أنه يجب انتهاؤها الى أجسام لا مفصل فيها بالفعل، ويجوز أن تكون هذه الأجسام المتصلة التى تنتهى اليها الأجسام القابلة للانفكاك غير قابلة للانفكاك، كيف لا، وقد قال ديمقراطيس: ان مبادئ الأجسام أجسام صغار صلبة لاتقبل الانفكاك، وان كانت قابلة للقسمة الوهمية۔ فلا بد لاثبات المرام من نفى هذا الكلام، ودونه خرط القتاد، وكذلك لابد من ابطال مذهب الاشراقيين من ان الجوہر الوحدانى المستقبل فى حد ذاته قائم بذاته غير حال فى شىء آخر، فهو عندهم جسم بسيط، لا تركيب

وريء بحسب الخارج أصلا. وقابل لطريان الاتصال والانفصال مع بقائه في حالتين في حد ذاته.

فصل: اثبات الصورة النوعية

قوله: لأن اختصاص بعض الأجسام ببعض الأحياز اما أن يكون الخ: أقول: هذا موقوف على ابطال كون مصدر الآثار أمرا خارجا عن الجسم، اذ مع هذا الاحتمال لا يصح هذا الحصر، ولا دليل على بطلان هذا الاحتمال.

وقول الشارح: ليس لأمر خارج عن الجسم بالضرورة الخ: ممنوع. لم يقم عليه دليل، بل العقل مصحح، والشرع مصرح لكون التخصيص بهذه الآثار من الفاعل المختار القادر القهار، وأيضا قول الحكماء، يكون الآثار لازمة للنوع بِحَيْثُ يستحيل التخلف، باطل مفترى لم يقم عليه برهان، وكذبه الشرع بأوضح بيان.

هداية مبينة لكيفية التلازم بين الهيولى والصورة

قوله: فاذن وجود كل منهما من سبب منفصل: أقول: لما أرادا بهذا السبب المنفصل العقل العاشر خالف الشرع بهذه الحيثية، فأقول: ستعلم الكلام عليه في الالهيات ان شاء الله تعالى:

فصل: المكان

قوله: لأنه لو كان خلاء الخ: أقول: المقصود من هذا الكلام أمران، استحالة الخلاء واستحالة كونه مكانا، وفي كليهما كلام كما ستعرف........قوله: مايقبل الزيادة والنقصان استحال

أن يكون لا شيئا محضا: قلت: قبول الزيادة والنقصان انما هو على فرض وجوده، فلا يلزم منه الا الوجود الفرضى، واما كونه موجودا حقيقة فغير لازم، ودعوى الضرورة فى هذا التفاوت مع قطع النظر عن الفرض من بداهة الوهم۔

ثم ان أراد الترديد بين اللاشیء فی الخارج والموجود فيه، فيلزم أن ما ذكره لا يدل على أنه ليس لا شيئا فى الخارج بل يدل على أنه ليس لا شيئا محضا فى نفس الأمر ....وان أراد الترديد بين اللاشیء فی نفس الأمر والموجود فيها، فيتسع دائرة المناقشة فى الشق الثانى، لأنه موقوف على تماثل الأبعاد المادية والمجردة، مع كون أحدهما عرضا والآخر جوهرا، وعلى عدم الواسطة بين الحاجة والغنى الذاتيين، وكلاهما ممنوع۔

فصل: الحيز الطبعى

قوله: لأنا لو فرضنا عدم تأثير القواسر أى الأمور الخ ارجة الخ: أقول: لما ثبت فى الملة الحنيفية احتياج كل ممكن الى الله تعالى الذى هو خارج عنه، كان هذا الفرض محال، فالحيز عندنا ليس مقتضى للطبع، بل بتخصيص الله تعالى كل حيز بكل جسم۔

ولك أن تقول بعبارة أخرى: ان تأثير الفاعل ان كان من الأمور الخارجة التى يفرض خلوه عنها فلا نسلم أنه عند تخليته مع طبعه يكون موجودا، فضلا من أن يكون حاصلا فى مكان أو مقتضيا له، و ان لم يكن منها جاز أن يكون حصوله فى مكان معين من فاعله، فان الأين من لوازم وجود الجسم، ولا يمكن

كعدم التأثير في وجود شيء بدون تحقق التأثير فيما هو لازم وجوده ونعقل لما أوجد الجسم أوجده في مكان معين لا محالة

فصل: الشكل الطبعي

قوله: لأنا لو فرضنا ارتفاع القواسر الخ: أقول: الكلام فيه كالكلام في الحيز الطبعي۔

فصل: الحركة والسكون وأقسام الحركة

قوله: والحركة الذاتية اما الطبعية الخ: أقول: كونها طبعية موقوفة على كونها غير مستفادة من خارج، وهو ممنوع كما مر آنفا. نعم، لو قيل على خلاف مذهب القوم: ان تأثير الطبع ليس بمعنى أنه من العلل الحقيقة، بل يجعل الله تعالى اياه سببا عاديا للآثار، يمكن التخلف عنها اذا شاء الله تعالى، فلا نزاع، بل يكاد أن يشهد المشاهدة بذلك ظاهرا۔

قلت: وهذا هو المبنى للمفاسد لفلاسفة زماننا الذين يقولون: ان الطبيعة هو المؤثره حقيقة، وبنوا عليه انكار الصانع أوانكار ارادته واختياره، وانكار حدوث العالم، وانكار المعجزات والكرامات وغيره، وقد علمت انهدام هذا الأصل بالعقل والنقل، فكذا ما بني عليه۔

فصل: الزمان

قوله: فههنا امكان متقدر غيرثابت، وهو المعنى من الزمان: أقول: ان الزمان كالحركة له معنيان، أحدهما: أمر

موجود فى الخارج غير منقسم، فهو مطابق للحركة بمعنى التوسط، ويسمى بالآن السيال أيضا. والثانى، أمر منقسم موهوم لا وجود له فى الخارج، فانه كما أن الحركة بمعنى التوسط تفعل الحركة بمعنى القطع، كذلك ذلك الأمر الذى هو مطابق لها، وغير منقسم مثلها يفعل بسيلانه أمرا مُمْتَدًّا وهميا مطابقا للحركة بمعنى القطع۔

اذا علمت هذا فنقول: ان أريد بهذا الامكان أى الزمان۔ الآن السيال، فقوله: (متقدر)۔ أى قابل للزيادة والنقصان۔ ممنوع كما هو ظاهر، وان أراد الآخر فقبوله لهما مسلم، لكن كون هذا القبول موجودا واقعيا مع قطع النظر عن اعتبار المعتبر وفرض الفارض ممنوع، بل هو وهمى، ولما لم يثبت كونه واقعيا لم يثبت ماهو مرتب عليه من كونه مقدار الحركة الواقعية أى حركة كانت، فلم يثبت اَنِيَّتُهٗ ولا ماهيته۔

قوله: ثبات أزلية الزمان وأديته، لأنه لو كان له بداية الخ، ولو كان له نهاية الخ: أقول: لا نسلم أن كل قبلية لا توجد مع البعدية، فهى زمانية بمعنى أنها بواسطة الزمان، بل هى قبلية واقعية مغايرة لجميع أقسام القبلية، وليس الانحصار فيها عقليا، بل هو استقرائى، وان اصطلح على أنا نسمى هذه القبلية زمانية، سواء كانت بواسطة الزمان أولا بواسطتها، فلا ننازعهم فى الاصطلاح، لكن لم يثبت المطلوب، وكذا القول فى وجوب أبديته۔

فصل: استدارة الفلك

قوله: فكل واحدة منهما موجودة ذات وضع: الى قوله: لأنها لَوْ لم يكن كذلك لما أمكنت الاشارة اليها. ولما أمكن اتجاه المتحرك اليها: أقول أوّلًا ان عدم تبدل جهة الفوق والتحت انما هو أمر عرفى محض، لا أمر عقلى، فلا يصح ابتناء الأحكام العقلية عليه، وثانيا: انه لايلزم من امكان الاشارة الحسية كون المشار اليه موجودا غير متوهم، كما أنهم ذهبوا الى جواز الاشارة الحسية الى النقطة، مع أنها متوهمة فى وسط الخط المتوهم فى وسط السطح المتوهم فى وسط الجسم، وكذا لا يستلزم امكان الاتجاه كونه موجودا، اذ يمكن اتجاه المتحرك الى المعدوم بالوصول اليه عند القائل، بأن المكان هو السطح، فاذا انهدمت المقدمات انهدم المطلوب ثم مع قطع النظر عن هذه الايرادات، لا يدل على كروية جميع الأفلاك، بل على كروية جسم محدد محيط لسائر الأجسام، وكذا الأحوال المثبتة فى الفصول الآتية، فلا تغفل۔

بساطة الفلك

قوله: لأنه لا يقبل الحركة المستقيمة الخ: أقول: لم يثبت بعد كونه محددا للجهات كما مر، كذا مابنى عليه۔

قوله: لأن الشكل الطبعى للبسيط هو الكرة: أقول: كون شكل من الأشكال طبعيا باطل أولا كما مر ثم مبناه من أن الطبيعة من الجسم البسيط واحدة، والفا على الواحد فى القابل

الواحد لا يفعل الا فعلا واحدا، وكذا تخصيص ما سوى الكرة بكونه محلا لأفعال مختلفة. فان المضلع من الأشكال يكون جانب منه خطا، والآخر سطحا، والآخر نقطة مخدوش، فان فى الكرة أيضا أفعال مختلفة، لأن فيها سطحا وجسما تعليميا۔

قوله: لا سبيل الى الثانى والثالث: أقول: فيه أن الثابت فيما سبق بزعمهم استحالة أن يكون الفلك قابلا للحركة المستقيمة والمفيد ههنا استحالة أن يكون أجزاؤه قابلة لها. وقد يقال: اذا كانت أجزاؤه، قابلة للحركة المستقيمة كانت جهات حركاتها متقدمة عليها، وهو متقدمة عليه، لتقدم الجزء على الكل، فيلزم أن تكون الجهات متقدمة عليه، فلم يكن محددا لها، هذا خلف.................وفيه بحث: أما أولا: فلأن جزء الفلك اذا تحرك على دائرة مركزها مركز العالم، فهو لم يتحرك الى احدى جهتى الفوق والتحت، فلم يلزم تحددهما قبل المحدد وانها يحددهما دون سائر الجهات وأما ثانيا: فلأن اللازم تقدم جهات حركاتها على حركاتها لا عليها۔

اثبات الدعوى الأول

من الفصل المثبت لكون الفلك قابلا للحركة المستديرة

قوله: وهو كون الفلك قابلا للحركة المستديرة، لا يختص بما يقتضى الخ: أقول: ان أريد بها الطبيعة فلا نسلم حصر المخصص فيها. فان الفاعل الحقيقى هو الله تعالى، وان أريد ما هو أعم فلا نسلم صحة الحكم بعدم التخصيص، لا مكان أن

الفاعل الحقيقي قد خصص أجزاءها بوضع خاص امتنع زواله بدون ازالته، ويمكن بعدها ازالته الى الحركة المستقيمة. ولم يثبت استحالتها عليه.

فى ضمن اثبات الدعوى الثانى

قوله: وهو كونه ذا مبدء ميل مستدير، يتحرك به على الاستدارة، فيمتنع أن يتحرك على الاستدارة، وقد ثبت أنه قابل للحركة المستديرة: أقول: فى لزوم اجتماع المتنافيين بحث، اذا لو أريد به أن الحركة المستديرة ممكن ذاتى له، فهذا لا ينافى امتناع حركته على الاستدارة بواسطة عدم علتها، وهى الميل المستدير، وان أريد أن للفلك استعدادا تاما للحركة المستديرة، ولا يحصل ذلك الاستعداد الا عند وجود جميع الشرائط وعدم جميع الموانع، فذلك غير معلوم مما مر.

وايضا ما ذكره ههنا جار فى كل من البسائط العنصرية، فيلزم أن يكون فى جميعها مبدء ميل مستدير، مع أنه فيها مبدء ميل مستدير، والالما كان حركتها المستقيمة طبيعا عندهم.

فى ضمن اثبات هذا الدعوى أيضا

قوله: ويكون ذلك الزمان أقصر من زمان حركة ذى ميل طبعى الخ: أقول: أولا انما نشأ هذا المحذور من فرض كون الجسم الثانى ذا ميل طبعى، ونحن لا نقول بوجود الطبيعة، ولا كونها مصدرا للآثار كما مر، ثم لا نسلم ثانيا الاستحالة فى كون الجسم القابل للميل والذى لا ميل فيه متساويين فى السرعة

والبطؤ، الا اذا كان الميل القليل عائقا، ولم لا يجوز أن يكون بالغامن مراتب الضعف الى حيث لا يبقى له أثر معاوقة.

فى الدعوى الثالث

قوله: والا لكانت الطبيعة الفلكية الواحدة تقتضى الأثرين الخ: أقول: هذا مبنى على أن الواحد لا يصدر عنه الا الواحد وستعلم بطلانه.

فصل: ان الفلك لا يقبل الكون والفساد

قوله: وأما الصغرى فقد مر تقريرها: أقول: قد مر هدمها.

قوله: حيز آخر طبعى: أقول: ما بينه سابقا لا يدل على أن يكون الحيز الطبعى للصورة الحادثة غير الحيز الطبعى للصورة الفاسدة، بل كون الحيزين متغائرين موقوف على أن الحيز الواحد لا يقتضيه طبيعتان مختلفتان بالنوع، وهو ممنوع، لأن الأمور المخالفة بالنوع جاز أن تشترك فى لازم واحد، كالزوجية مثلا، وقد قال نحوه بعضهم فى الماء والأرض: انهما يطلبان المركز.

قوله: لأن الصورة الكائنة الخ: أقول: ان أريد بالحيز المكان فلا يشمل الدليل للمحدد، اذ لا حيز له بهذا المعنى عندهم، والا لزم أن يكون وراءه جسم، وان أريد بالحيز أعم منه لم يصح قوله: تقتضى ميلا مستقيما، لأن ترك وضع المحدد، وتحصيل وضع آخر له، يجوز أن يكون بالحركة الوضعية المستديرة بلا تبدل الأين، فالانتقال من الوضع الغير الطبعى الى الطبعى انما

يقتضى حينئذ ميلا مستديرا لا مستقيما.

قوله: لاثبات أنه لا يقبل الخرق والالتيام، والفلك لا يقبل الحركة المستقيمة: أقول: قد مر فساد هذا المبنى فتذكر.

فصل: اثبات كون الفلك متحركا على الاستدارة دائما

قوله: لأن الحركة الحافظة للزمان الخ: أقول: لم يثبت كون الزمان مقدارا للحركة، ثم الحركة تعم الكمية والكيفية، فالترديد غير حاصر، ولو سلم كون الزمان مقدارا للحركة لا فى الكيف ولا فى الكم، فيمكن كونه أينية على دائرة، مركزها مركز العالم، فلم يلزم وجود بعد غير متناه، ولا كونها مستديرة على مرادهم.

قوله: لزم وجود بعد غير متناه: أقول: لا نسلم استحالته، لا سيما اذا كان البعد خلاء موهوما.

قوله: وجب أن يكون بين الآنين زمان: أقول: هذا مبنى على استحالة الجزء الذى لا يتجزى، ولم يثبت.........قوله: وهذه الحركة غير منقطعة الخ: أقول: لم يثبت عدم انقطاع الزمان.

قوله: فاذن يكون الفلك الخ: أقول: لم يثبت كون جميع الأفلاك كذلك.........قوله: وهو المطلوب: أقول: فيه بحث، لاحتمال أن يكون لبعض الكواكب حركة مستديرة.

اثبات كون حركة الفلك ارادية

قوله: لا جائز أن تكون قسرية الخ: أقول: لا ندعى كونها قسرية بالمعنى المصطلح، ليلزم المحذور، بل بمعنى أن المحرك لها هو الأمر الخارج عنها من غير أن يكون فيها طبيعة محركة.

فصل: اثبات أن القوة المحركة للفلك يجب أن تكون مجردة الخ:

قوله: لأن المحركة للفلك يقوى على أفعال غير متناهية: أقول: هذا مبنى على دوام حركة الفلك ولا تناهيها، وقد مر بطلانه. ثم ان البرهان لو تم أفاد أن القوة الجسمانية لا تقوى على التحريكات الغير المتناهية مطلقا، لا ابتداء اولا بواسطة وقد ادعوا أنها تقوى عليها بواسطة الانفعالات الغير المتناهية من التصورات الجزئية والأشواق الجزئية، والارادات الجزئية الطارية عليها من غيرها، وهو نفس المجردة، كما سياتى فى الفصل الآتى. فهل هذا الا تناقض.

فصل: اثبات أن المتحرك القريب للفلك قوة جسمانية الخ:

قوله: وكل ماله تصور جزئى فهو جسمانى: الى قوله أولا ختلافهما فى المحل من المدرك: أقول، الحصر ممنوع، لجواز أن يكون لاختلاف الأعراض المشخصة لهما، ولا يمكن فرض تساويهما فيها، لامتناعه بألضرورة. والا بطل كونهما اثنين هذا خلف. فلم يثبت كون كل ماله تصور جزئى جسمانيا. فيمكن تصور المجردات صورا جزئية.

فصل: كائنات الجو

قوله: لبيان سببية المطر والسحاب والمتقاطر هو المطر

الخ: أقول: لا ينكر كونه سببا فى الجملة، لكن لم يثبت الانحصار فيه. بل يحتمل أن يرسل الله تعالى أحيانا المطر من خزائنه فى السحاب بواسطة الملائكة، ثم نزولها منه۔

قوله، وأما الرعد والبرق الخ: أقول: يمكن أن تارة كذلك، وتارة بطرق أخرى، كما ورد فى الروايات۔.........

قوله: وأم الشهب الخ: أقول: يمكن أن يكون تارة كذلك، وتارة بانفصال الأشعة عن الكواكب، لاحراق المسترقين للسمع، كما ورد فى الروايات۔

قوله: وأما الزلزلة الخ: أقول: يمكن أن تكون كذلك تارة، وتكون بمد الملائكة عروق الأرض أخرى۔

فصل: النبات

قوله: وله قوة الخ: أقول: ان أريد بكونها مصدرا للآثار كونها واسطة فى الجملة فلا ينكر، وان أريد كونها فاعلة فلم يثبت، بل الفاعل الحقيقى هو الله تعالى، والمجازى هى الملائكة۔

فصل: الحيوان

قوله: وأما التى فى الباطن الخ: أقول: ان أريد بكونها واسطة فى الادراك فلا ينكر، وان أريد كونها مدركة فلم يثبت، بل يمكن أن يكون المدرك امرا واحدا كالقلب، وتكون هى آلات له، ولو اختلج كون الأمر الواحد مصدرا للكثير، فانتظر بطلان قولهم: الواحد لا يصدر عنه الا الواحد۔

فصل: الانسان فی اثبات حدوث النفوس مع حدوث الأبدان

قوله: لا جائز أن يكون بالماهية الخ: أقول: استدلوا على اشتراكها فی الماهية بشمول حد واحد لها، وفيه نظر، لأنا لا نسلم أن ما عرفوا النفس به حدلها وان سلم فلم لا يجوز أن يكون حدا للقدر المشترك بين النفوس، وتكون هی متخالفة بالحقيقة۔

قوله: لا جائز أن يكون بالعوارض المفارقة الخ: أقول: لا نسلم أن العوارض المفارقة للشی، لا تفيض من المبدء الفياض عليه الا لقابل ذلك الشیء واختلاف استعداداته۔

قوله: لان الماهية الخ: أقول: لا يلزم من عدم استحقاق العوارض بسبب الماهية أن يكون بسبب القابل۔ نعم، يشترط أن يكون ذلك الشی ء نفسه قابلا للعوارض، وكونه قابلا لا يتوقف على اقترانه بالمادة أو البدن، بل يمكن أن يكون جميع النفوس فی أصل فطرتها قابلة لجميع تلك العوارض، لكن الفاعل المختار خصص بعضها ببعض، وهكذا البعض الآخر ببعض۔

فصل: القديم والحادث

قوله: القديم بالزمان الخ: أقول: لا ننازعهم فی الاصطلاح، انما الكلام فی وجود شیء يكون بهذه المثابة وعدمه، فنحن ننفيه، ولا شیء عندهم يثبتونه به۔

فی اثبات المقدمة الأولى

قوله: لأن امكان وجوده سابق الخ: أقول: لا يذهب عليك أن المراد بالامكان اما الامكان الذاتى أوالامكان الا ستعدادى، والكل باطل۔........أما الأول: فلأن الامكان الذاتى للشىء صفة لازمة لذلك الشىء، فيستحيل أن يكون سابقا على وجوده۔

وأما الثانى: فلأن انتقاء سابقى الامكان الاستعدادى على وجود الحادث، لا يستلزم أن لا يكون ممكنا بالذات قبل وجوده، والحق أن الامكان أمر اعتبارى، معناه لا يجب وجوده ولا عدمه، فلا يلزم من عدمه فى الخارج الحكم بالامتناع۔

فی اثبات المقدمة الثانية

قوله: اذ لا فرق الخ: أقول: ما ذكره جار فى الامتناع والعدم، بأن يقال: لو كانا عدميين لم يكن الممتنع ممتنعا، ولا المعدوم معدوما، اذ لا فرق بين قولنا، (امتناعه لا) و (لا امتناع له) و (عدمه لا) و (لاعدم له)۔ والحل أن يقال: قولنا: (امكانه لا) معناه أنه متصف بصفة عدمية هى الامكان، وقولنا: (لا امكان له) معناه سلب تلك الصفة العدمية عنه۔

وكما أنه فرق بين اتصاف الشىء بصفة ثبوتية و بين سلب الاتصاف بها، كذلك أيضا فرق بين الاتصاف بصفة عدمية و بين سلب الاتصاف بها، فقولنا: (امكانه لا) غير مستلزم لقولنا: (لا امكان له)، بمعنى أنه لا يتصف بالامكان، فان العدم والامتناع عدميان مع أن المعدوم والممتنع متصفان بهما۔

فی اثبات المقدمة الثالثة

قوله: فلا يكون قائما بنفسه الخ: أقول: ههنا بحث، لأنا لا نسلم أن المتعلق بالحادث منحصر فی المادة بالمعنی المذكور. وهو ما يكون موضوعا للحادث ان كان عرضا، أو هيولاه ان كان صورة، أو متعلقه ان كان نفسا. لم لا يجوز أن يكون امكان الحادث قائما بشیء له تعلق بالحادث وراء تعلق الحلول كما فی الموضوع والهيولی، والتدبير والتصرف كما فی النفس۔

فصل: القوة والفعل

قوله: والثانی أيضا باطل الخ: أقول: ههنا بحث، لأنه ان أراد بالأمور الاتفاقية مطلق الأمور الخارجية فهذه المقدمة ممنوعة فان أراد بها مالايكون دائمة ولا أكثرية فالحصر ممنوع، وسند المنع أن الله تعالی خلق الآثار فی الأجسام دائميا أو أكثريا أو اقليا كيف شاء۔

فصل: العلة والمعلول

قوله: ثم العلة الفاعلية متی كانت بسيطة الخ: أقول: انما لنا معهم نزاع فی وجود الموضوع، وصدقه علی الباری تعالی، لأنه ليس بسيطا بمعنی أنه ليس له صفة، ولم يكن فعله مشروطا بأمر من المشيئة وغيرها۔ ولا يضرنا ثبوت المحمول هذا الموضوع الفرضی لو ثبت ولم يثبت بعد۔

أما أولا فلأنه لو تم ما ذكره لزم أن لا يصدر عن الواحد الحقيقی شیء، اذ لو صدر عنه شیء لكانت مصدريته لذلك الشیء

مغاير اله. لكونه نسبة بينه وبين غيره، فهو اما داخل فيه فيلزم تركيبه، أو خارج عنه معلول له. لما مر من أنه لو كان مستندا و معلولا لغيره لم يكن هو وحده مصدرا لذلك الشيء، والمقدر خلافه. وننقل الكلام الى مصدريتها، أو نقول لكان الصادر هناك شيئين:........أحدهما: ذلك الشيء الصادر عن الواحد.

والثاني: مصدريته لذلك الشيء لا شيئا واحدا، وهو مناف لما ادعيتم من اتحاد المعلول عند اتحاد العلة: وأما ثانيا فلأن المصدرية أمر اعتبارى، فتستغنى عن المصدر، وما نقل الشارح بقوله: قد يقال، فرده بنفسه بقوله: فيه بحث.

حكاية أنيقة

استدل الشيخ الرئيس على هذا المطلب، بأنه لو كان الواحد الحقيقى مصدرا لأمرين، ك (آ) و (ب) مثلا، كان مصدرا ل (آ)، وليس مصدرا ل (آ)، لأن (ب) ليس (آ)، فيلزم اجتماع النقيضين.

وحكى أن هذا الاستدلال كتبه الشيخ الى بهمنيار، لما طلب منه البرهان على هذا المطلب، فلما وصل ذلك الى بهمنيار قال فى جوابه: لا نسلم أنه اذا صدر عنه (ب) صدق أنه لم يصدر عنه (آ) بل اللازم حينئذ أنه صدر عنه ما ليس (آ). وان سلم فلا تناقض بين قولنا: صدرعنه (آ) ولم يصدر عنه (آ) لأنهما مطلقتان، وان قيدت احداهما بالدوام كانت كاذبة، فاطلع على ذلك الشيخ الرئيس وسكت متحيرا.

قال الامام الرازى فى (المباحث المشرقية): والعجب ممن

يفنى عمره فى تعليم الآلة العاصمة عن الغلط وتعلمها، ثم اذا جاء الى هذا المطلب أعرض عن استعمالها، حتى وقع فى غلط يضحك منه الصبيان انتهى قلت: ثم هو لا يختص بالواحد الحقيقى، بل يلزم منه أن لا يكون شيء ما مصدرا للشيئين بعين هذا الدليل.

قوله: ان المعلول يجب وجوده الخ: أقول: لا نزاع فى صحة هذا الحكم، نعم، انما النزاع فى أن ذات الواجب تعالى لنفسها هل هى علة تامة لشيء أم لا، فنحن لا نقول به للزوم قدم الحادث، بل العلة التامة عندنا ذات الواجب تعالى مع مشيئته، ولا يلزم منه محذور عقلى ولا نقلى.

فصل فى اثبات أن الواجب لذاته عالم بالجزئيات المتغيرة على وجه كلى

قوله: والا لكان يدركها تارة أنها موجودة غير معدومة الخ: أقول: لو لم يؤول كان كفرا صريحا، وأوله بعضهم، لكن يرده الدليل الذى يقيمونه على هذا المطلب، وبالجملة غلطوا فى قولهم: (وواحدة من الصورتين لا تبقى مع الثانية)، بناء على تنافيهما، لأن التنافى انما هو فى الوجود الخارجى، لا فى مرتبة معلوميتهما، فيمكن أن تكون صورة الشيء موجودة باعتبار ظرف ومعدومة باعتبار ظرف آخر. وعلى هذا لا تناقض ولا تنافى بين علمه بجميع خصوصيات الجزئيات فى الأزل وبين كونها متغيرة، ولا يلزم تغيره تعالى أصلا، لا فى ذاته ولا فى علمه. ثم دعواهم هذا مناقض لما قالوا: ان العلم التام بخصوصية العلة

التامة يستلزم العلم بخصوصيات معلولاتها الصادرة عنها بواسطة أو بغير واسطة، فافهم.

فصل: ارادته تعالى

قوله: وهذا هو الارادة: أقول: الارادة بهذا المعنى يوجب كونه تعالى غير مختار، فهو باطل مخالف للحق ومبنى على كونه تعالى علة موجبة، ولم يثبت بدليل، بل هو مختار يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد، وكذا نفيه لقصده تعالى ان اريد بمعنى الشوق فلا نزاع، وان اريد بمعنى الاختيار فباطل.

فصل فى اثبات العقول الصادرة من المبدء الأول

قوله: انما هو الواحد لأنه بسيط الخ: أقول: قد مر بطلان الصغرى والكبرى.........قوله: اذا النفس هى التى الخ: أقول: لا نسلم أن النفس لا تؤثر الا بآلة جسمانية، بل قد تؤثر بدونها، وبعض الخوارق من هذا القبيل على ما صرحوا به، ولما كان محتاجا الى المادة فى بعض أفعاله لايكون عقلا، فلا يقال: ان ما سميتموه نفسا نسميه عقلا.

فصل: اثبات كثرة العقول

قوله: فظهر أن المؤثر الخ: أقول: هذا مع قطع النظر عما فى دليله مبنى على مسألة امتناع صدور الكثير عن الواحد وقد مر بطلانها.

فصل: أزلية العقول

قوله: أما كونها أزليه الخ: أقول: هذا مبنى على نفى صفة

المشیئة عن الله تعالى، وعلى أنه واحد بسيط بمعنى أنه ليس له صفة ،ولم يقم عليه برهان، وقام على خلافه براهين قطعية شرعية۔

فصل: كيفية توسط العقول

قوله: قدمر أن واجب الوجود واحد الخ: أقول: لم يثبت كونه تعالى واحدا بالمعنى المقصود لهم، فكذا ما بنى عليه۔

الهداية المبينة للذة النفس وتألمها

قوله: فتكون اللذة حاصلة بعد الموت: وقوله: فتعرض لها الألم العقلي: أقول: لا ننازعهم فى اثبات اللذة والألم العقليين لكن ننازعهم فى نفيهم اللذة والألم الحسيين الجسمانيين، وان تمسك بدليل امتناع تعلق النفس ببدن آخر، كما ذكر فى الهداية الأولى من الخاتمة۔

فأقول: هو موقوف على حدوث النفس مع حدوث الأبدان، وانحصار شرط فيضان النفس عن مبدئها فى حدوث استعداد البدن، وهو ممنوع، ولما بطل انحصار اللذة والألم فى العقلى بطل ما ذكر فى الهدايات الأخرى، لكونها مبنية عليه۔

ختم الكتاب

قوله: ومن أراد الاستقصاء: مع قول الشارح: وظنى الخ: أقول كما قال: علمى ويقينى أن حق الطلب فى طلب الحق مطالعة الكتب الكلامية، ومتابعة الشريعة المصطفوية، اذ هذا الطور فوق الأطوار ممتاز الأبرار ومختار الأخيار۔

الشطر الثانی من دراية العصمة

بسم الله الرحمن الرحیم

أما بعد الحمد والصلاة، فهذه تنقیدات مفیدة علی مسائل الفلسفة الشائعة فی زماننا، الشهیرة بالفلسفة الجدیدة، اختصرتها من الرسالة الحمیدة، وجعلتها شطرا من (دراية العصمة) لتکون حاویة لکلا النوعین من الحکمة، ثم أعقبها ان شاء الله تعالی ببعض المسائل المبتنی علیها علم هیئة الأجسام مما ردته الحکمة الحقة الحقیقة المحمدیة علی صاحبها ألف ألف تحیة وسلام، فالرسالة اذن جامعة لحقائق مهمات المسائل، قامعة لأساس بنیان الباطل، اللهم أرنا الحق حقا فی کل باب، وارزقنا اتباعه، والباطل باطلا، وارزقنا اجتنابه۔

فصل

قالوا: ان أصل هذا العالم من سماویات وأرضیات أمران:

۱۔المادة ۲۔وقوتها (حرکتها)

وهما قدیمتان متلازمتان من الأزل، لا یتصور انفکاك احداهما عن الأخری، أما المادة فهی الأثیر المالی الخلاء، وهو الهیولی فی أبسط ما یمکن تصورها، وأما القوة فهی حرکات

أجزائها الفردة المتماثلة فى الذات المتخالفة فى الصفات المتغيرة فى الأشكال، وانه ليس لتلك الحركة سبب الا نفسها۔

ثم ان الأجرام السماوية وهى الكواكب، والكائنات الأرضية من جمادية وحيوانية ونباتية تكونت من المادة بواسطة حركتها، وحدثت بعد أن لم تكن حدوث المعلول عن علته بمقتضى الضرورة، وليس للمادة ولا لحركتها ادراك وقصد فى تكوين شيء منها۔

قلنا: فى هذه المذاهب ثلاث قضايا، يظهر بالتأمل فى شأنها أنها لا يمكن التصديق بثبوتها جميعا فى نفس الأمر، اذ بعضها الذى ثبوته قطعى بالمشاهدة يقتضى التصديق بثبوته۔

فالقضية الأولى: القول بقدم المادة وقدم حركة أجزائها الفردة، وانهما متلازمتان من الأزل، لا تنفكان عن بعضهما۔

القضية الثانية: القول بحدوث تنوعات المادة من سماويات وأرضيات، لا سيما الأنواع الحيوية منها، فان اكتشافاتهم لطبقات الأرض ألزمهم بالحكم أن أنواع الحيوانات والنباتات قد حدثت فى الأرض بعد أن لم تكن، وقدروا حدوثها بالملايين من السنين، وحكموا بمقتضى ذلك أن الانسان من أحدثها حيث ان آثاره لم يوجد الا فى الطبقات العليا من الأرض، ولم يوجد له آثار فى الطبقات السفلى، وذلك يدل على تأخره فى الحدوث۔

القضية الثالثة: القول بأن جميع التنوعات للمادة قد حدثت عنها بواسطة حركة أجزائها الملازمة لها من الأزل على وجه

الضرورة بمقتضى النواميس التى اكتنفتها، ولم يكن للمادة ولا لحركتها اختيار فى ذلك ولا ارادة، فالتنوعات حدثت عن المادة و حركتها حدوث المعلول عن العلة۔

اذا تقرر جميع ذلك فاعلم أن كل عقل سليم يحكم صريحا بأن الشىء لا يتخلف عن علته المستلزمة له البتة، فان كانت علته حادثة كان هو حادثا عقبها بدون تأخر، وان كانت قديمة كان هو قديما تابعا لها فى القدم، لا يتأخر عنها أيضا، والالزم وجود العلة بدون المعلول، وهو محال۔

اذا ثبت هذا فنقول: ان قولهم بقدم المادة وحركتها اللتين هما علتان للتنوعات الكونية من جماد و حيوان ونبات، يلزم منه قدم هذه التنوعات المعلولة لهما، وهم لا يقولون بقدمها حسب ما ثبت فى العلوم الطبيعية واكتشافاتهم لطبقات الأرض، فما الذى أخر حدوثها الى مدة كذا مليونا من السنين؟ ولأى شىء لم توجد قبل ذلك؟

فان قالوا: حتى استعدت العلة احداث المعلولات۔ قلنا: ولم لم يحصل الاستعداد قبل ذلك؟ وما الذى أخره۔ وأى شىء أحدثه بعد ذلك؟ فاما أن يقولوا بقدم تلك التنوعات، ويكذبوا ما ثبت فى اكتشافاتهم لطبقات الأرض۔ واما أن يقولوا: ان المادة وحركتها فاعلتان بالاختيار، فخصصتا زمانا لحدوث التنوعات، كما نقول فى ربط الاله القديم بالكون الحادث، وهم لا يقولون بذلك وينكرونه اشد الانكار۔ واما أن

يبينوا سببا لتأخر تلك التنوعات عن علتها، واما أن يقولوا بحدوث المادة وحركتها، وهو المطلوب۔

ونظم الدليل بوجه الاختصار هكذا: لو كانت علة التنوعات۔ وهى المادة وحركتها۔ قديمة لكان الاستعداد لها قديما، ولو كان الاستعداد قديما لكانت التنوعات قديمة، لكن التنوعات غير قديمة، فلم يكن الاستعداد قديما۔ ولما لم يكن الاستعداد قديما لم تكن العلة المذكورة قديمة، وهو المطلوب.

ثم ههنا أدلة أخرى برهانية، تدل على حدوث المادة، ولا بأس بايراد واحد منها، وذلك أنه لا يخفى أن المادة لا تخلو عن صورة تقوم بها، ولا يمكن أن يتصور وجود المادة خالية عن كل صورة، فلا بد أنها تكون ذات صورة: اما أثيرية أو سديمية أو عنصرية أو معدنية أو نباتية أو حيوانية۔ ولذلك قالوا: انها فى وجودها الأول الذى هو قبل تنوع الأنواع، منها كانت فى أبسط ما يمكن تصوره، و ان الصور التى تلبسها المادة انما هى ناشئة عن الحركة التى تتحركها، وان الحركة والمادة غير منفصلتين، فهذا صريح بأنهم لم يعتبروها فى ذلك الحين خالية عن جميع الصور، لأن عقولهم لا تقبل ذلك۔

ثم ان كل صورة تقوم فى المادة لا شك أنها حادثة، لأنها تزول ويطرأ عليها العدم ولو كانت أبسط صورة، كالصورة التى فهم من كلامهم أنها كانت للمادة قبل تنوع أنواعها، لأنه شوهد عدمها، وخلفها الصور النوعية بعدها۔ وكل ما يطرأ عليه العدم ويقبله

يستحيل عليه القدم، لأن القديم لا يزول، كما سيأتى، لأن قدمه اما لأن ذاته تقتضى وجوده، أى انه ليس له سبب الا نفسه، وهو القدم الذاتى، واما لأن علته قديمة غير ذاته تقتضى وجوده، وهو القدم الغير الذاتى، وغير ذلك لا يتصور أن يكون قديما، وما دام المقتضى لوجود الشىء سواء كا ذاته اوشىء آخر۔ قائمًا وحاصلا فكيف يمكن طرء العدم والزوال على ذالك الشئ فالقديم بنوعيه لا يمكن طرء العدم عليه ولا يقبله البتة۔

اذا تقرر هذا فنقول: ما دامت الصور اللازمة للمادة حادثة فلا يمكن أن تكون المادة قديمة، لأنا اذا ترقينا الى أبسط صورة كانت فى المادة لا يمكن فى العقل أن تكون قبلها صورة أبسط منها۔ فنقول: هذه الصورة حادثة بدليل قبولها العدم، فقبل حدوثها ماذا كان حال المادة؟ فاما أن يقولوا: انها كانت بدون الصورة،وهو محال، لما تقدم من استحالة وجود المادة بدون صورة۔ واما أن يقولوا: انه قبل هذه الصورة كانت صورة أبسط منها، وهو خلاف المفروض۔ واما أن يقولوا: ان المادة قد حدثت مع هذه الصورة، فتكون حادثة لا قديمة، وهو المطلوب۔

فصل

قالوا بناء على اعتقاد قدم المادة و كونها فاعلة: انه لا حاجة الى اله يحدث العالم۔........قلنا: واذا ثبت حدوث المادة انهدم أساس انكار الاله الحق، اذ الحادث لا بد له من شىء يحدث عنه، ويترجح به وجوده عن عدمه، والا فيلزم الترجيح بلا مرجح، وهو

من المحالات البديهية. واذا تنبهوا لكثير من محاوراتهم فى علومهم يجدون أنفسهم كثيرا ما يلتجؤون الى هذا الأصل، وهو استحالة الترجيح بلا مرجح عند محاجة أخصامهم.

فاذا ادعى شخص أن الحادث الفلانى الطبعى قد وجد بدون سبب نتج عنه ووجوده فلتة من فلتات الطبيعة، يقولون له: هذا غير ممكن. والتحقيق عندنا أن ما يسمى فلتة انما هو بحسب الظاهر، حيث لم يعلم سببه. وفى الحقيقة لا بد أن يكون وجوده عن سبب وناموس من النواميس الطبيعة قد خفى علينا. فكلامهم هذا عين الاعتماد على استحالة الترجيح بلا مرجح. وبهذا ظهر أنهم يقولون بهذا الأصل ولا ينكرونه.

ولما ثبت أنه لا بد من شيء محدث فهذا الشيء لا بد وأن يكون موجودا، لأن المعدوم لا يوجد عنه شيء ما لا اضطرارا ولا اختيارا، كما هو بديهى عند العقل.

وكذا لا بد أن يكون قديما، والا لاحتاج الى ما يحدث هو منه لامتناع الترجيح بلا مراجح، وهكذا يقال فى ما حدث منه وهلم جرا، فيلزم اما الدور واما التسلسل، وكل منهما محال، فما أدى اليهما محال، واذا استحال حدوثه وجب أن يكون قديما.

ثم هولا بد أن يكون قديما بذاته، لأنه لو كان قديما لغيره ننقل الكلام الى هذا الغير هل هو قديم لذاته أو للغير وهكذا، فيلزم اما التسلسل وهو محال، واما الانتهاء الى قديم لذاته، فعلام الهرب منه؟

فثبت كونه قديما لذاته.........واذ قد ثبت فى محله أن ما وجب قدمه امتنع عدمه، يستحيل عليه الزوال والفناء، فهو باق الى غير النهايه، وهذا هو المراد بالاله الحق تعالى شانه۔

ثم صدور الحادث منه أى حادث كان، مادة أو غيرها، لا يجوز أن يكون بطريق العلية، لأنه يلزم قدمه الذى بطل فى ما سبق، فلا بد أن يكون بطريق الاختيار الذى به خصص له الوقت الذى أوجد فيه۔ ولا يصح السؤال: لم وقع التخصيص بوقت دون وقت من غير مخصص، لأن هذا التخصيص هو عين ماهية الاختيار، ولا يصح تخلل الجعل بين الذات والذاتى، فافهم۔ وأما اثبات كونه واحدا فيكفى له برهان التمانع۔

فصل

قالوا بناء على اعتقادهم انكار الصانع المختار: ان الأشياء مؤثرة بطبعها تأثيرا لازما يمتنع انفكاكه عنها۔

قلنا: اذ قد ثبت وجود الصانع ووجوبه، بطل القول بالتأثير الطبعي اللازم، فلا يؤثر شيء بطبعه بل بخلق الله تعالى، والا لزم تعدد المؤثر المستقل، فكان كل منها مؤثرا وغير مؤثر، فلم يكن الاله خالقا، هذا خلف۔

ثم على فرض غض النظر عن تفرد البارئ بالخلق قد نظروا الى هذه الأشياء التى تنشأ عنها الأثار، وتأملوا فى حقيقتها، فوجدوا أنها ليست مقتضية لتلك الآثار، اذ لا شيء فيها يلزم العقل باعتقاد أنها مقتضية لها، مثلا: الحرارة تذيب الثلج، والبرودة

تجمد الماء واذا نظر الى حقيقتهما لم يظهر للعقل وجه اقتضائهما لذينك الأثرين، كما يظهر وجه اقتضاء الجسم للتغير، ووجه اقتضاء الجسمين أن لا يتدا خلا ويحلا فى حيز واحد.

فاذا قيل لهم: ولم لم يكن الحال فى الحرارة والبرودة بالعكس، ماذا يكون جوابهم؟ أيقولون: هذا طبع كل منهما، ولم لم يكن طبع كل منهما بالعكس؟ أيقولون: لأن الحرارة تضعف قوة الملاصقة والبرودة تقويها ـ فيقال، ولم لم الأمر بالعكس؟ وهلم جرا۔ فما يسعكم الا القول بتخصيص مخصص، فذلك المخصص هو الله تعالى:

والزمان المفروض لحصول الآثار ليس شرطا ضروريا، بل هو شرط عادى۔ ولا يظن أنا نقول بكثرة انخراق العادة فى ذلك، حتى نطالب بذكر الشواهد الكثيرة على انخراقها، فانه ليس ذلك بمحال، ولكن خرق العادة لم يعهد منه تعالى الا لنحو معجزة نبى أو كرامة ولى۔

لطيفة، مثل الذى ينسب المصنوعات العجيبة الغربية الى القادر المختار العليم الحكيم، والذى ينسبه الى المادة الخالية عن الشعور والارادة والاختيار، كمثل رجلين دخلا قصرا مشيدا متقن البناء، يشتمل على مخادع محكمة ومقاعد مزخرفة بأبواب وشبابيك ومدارج ومداخل على غاية الاحكام، وقد زينت تلك المخادع بالفرش الفاخرة والسرر الرفيعة، وأقيمت فى أرجائه الأوانى الثمينة، وزينت جدرانه بالساعات و موازين

الحرارة و موازين ثقل الهواء واحتوى على المرتفقات اللازمة لسكناه، وأحيط بأجمل المتنزهات وأبهج المناظر الزاهيات التي قامت فيه الأشجار، ورتبت فيها منابت الأزهار، وقد أجريت مياهه في أقنيتها المتقنة، وملئت منها حياضه المحكمة، و كمل كل شيء فيه من لوازم المعيشة من كل ما يقول ناظره: انه وضع لحكمة وقصد ورؤية واحكام۔

فقال أحد الرجلين الداخلين عند ما شاهد هذا القصر وما احتوى عليه: ان هذا الصنع لم يكن من نفسه البتة، فلا بد أن صانعا صنعه وأتقن جميع ما فيه، وهذا الصانع لا شك أنه قادر على صنعه، وعليم بطرق تأليفه ووضعه، وقد أنشأه على غاية الحكمة، وأتم الاتقان موفيا لوازمه ومكملا أدواته، ليكون صالحا للاقامة وقضاء حق المعيشة في نواديه، وهذا الصانع وان كان غائبا عن نظري ولم أره ولم أتصور في فكري حقيقته، فاني لا أشك في وجوده، ولا أرتاب في صفاته التي تقتضيها صناعة هذا القصر من قدرته وعلمه وحكمته واتقانه، ورؤية شخصه ليست شرطا في اعتقادي بوجوده واتصافه بتلك الصفات، لأن أثره۔ وهو هذا القصر وما اشتمل عليه۔ يقنع عقلي في اعتقادي ذلك البتة۔

ثم قال:وان كان يشاهد في مشتملات هذا القصر بعض أشياء لم تظهر لي حكمة وضعها، فلابد أن يكون وضعها لحكمة وان خفيت علي، لأني اقتنعت بما ظهر لي من الحكم في هذه المشتملات أن واضعها حكيم، فلا يضع شيئا بدون حكمة۔

وقال الرجل الآخر: انى لم اشاهد بنظرى الصانع الذى تعتقد أنه صنع هذا القصر، فأنا لا أعتقد بوجوده ولا باتصافه بتلك الصفات، ولكن وجود هذا القصر فى هذا الاتقان لا بدله من مصدر صدر عنه، فأخذ يتأمل يمينا وشمالا وأماما وخلفا، فنظر جبلا مطلى على هذا القصر، وفى أصله منبع ماء، منه تستمد المياه التى فى القصر، فقال: ظهر لفكرى المصدر الحقيقى لهذا القصر ولجميع ما فيه، وذلك أن الريح تنحدر من رأس هذا الجبل من قديم الزمان الى البقعة التى فيها هذا القصر، فمن ألوف من السنين لم تزل الريح تنقل الأتربة والأحجار، وتجمعها فى هذه البقعة على أشكال، وتضعها على أوضاع تتخالف وتتوافق، ومياه الأمطار تتصرف بأشكالها وتجمعها وتفرقها كذلك۔

والستمر تبدل تلك الأوضاع ولأشكال تارة بغير انتظام وتارة بانتظام، باعمال الريح والمطر، حتى بلغت مع كرور الدهور الى هذا الشكل المنتظم بمخادعه ومقاعده وأبوابه وشبابيكه ومدارجه وطرقه وحياضه وأقنيتها، والتصقت أجزاؤه بخاصية الطين المبتل بماء المطر، فأصبح قصرا مشيدا محكما لجميع ما فيه من الصنع۔

وأما مياهه فانها انحدرت اليه من هذا المنبع الذى هو فى أصل الجبل، ولم تزل تجرى فى ساحته على طرق مختلفة تارة بغير انتظام وتارة بانتظام، بسبب تحليلها لأتربة أرضه وبسبب فعل الريح والمطر فى طرقها، حتى بلغت على كرور الزمان الحالة

المنتظمة التي هي عليها الآن من سيرها في الأقنية. وانصبا بها في الحياض التي صنعتها الريح والمطر.

وأما أوانيه وفرشه وساعاته وموازينه فهذه ربما وقعت من بعض المسافرين الذين ينزلون لقوافلهم في هذا الجبل أو في هذه البرية. فلم تزل الريح تلعب بها وتنقلها من حيز الى حيز، وتخالف بين أوضاعها فتقارب بينهما وتباعد، وتدخلها في مخادعه وتخرجها، حتى آل الأمر على كرور الزمان الى أن الفرش فرشت بانتظام، والأواني صفت بأحكام، والساعات والموازين علقت بالجدران.

وكذلك الأشجار والزهور التي في متنزهات ذلك القصر، وهي على أوضاع متقنة قد نقلت بزورها الرياح الى بقاعه. فنمت وبرزت هناك، ولم تزل تنقل بزورها وتخالف بين أوضاعها، حتى انتظم وضعها وترتبت حدائقها على الحالة التي عليها الآن.

والحاصل أن كثرة حركات الريح وتصرفات المطر وكون كل حركة أو تصرف قد يوافق ماسبقه وقد يخالفه. فينشأ عنه وضع غير الوضع السابق قد أوصلت هذا الصنع الى ما هو عليه، وحيث وصل الى درجة متقنة محكمة فقد قوى على الثبات أمام فعل الريح والمطر، ولم تتغير أوضاعه وأوضاع مشتملاته بعد بلوغ هذه الدرجة، كما تغيرت الأوضاع السابقة، وزال أثرها، لأن تلك الأوضاع لم تكن متقنة قوية على الثبات، وأنا لا أستغرب صدور هذا القصر ومشتملاته عما ذكرته. لأن الريح والمطر وان كانا غير عاقلين ولا عالمين، ولا يفعلان عن ارادة وقصدا، لكن

كثرة حركاتهما وتصرفاتهما والتباين فيهما على مرور الزمان أوصلت هذا القصر ومشتملاته الى هذا الاتقان۔

ودليلي على أن صنع هذا القصر لم يصدر عن قصد ومراعاة حكمة أنه يوجد في بعض مشتملاته مالم يظهر فيها أثر للقصد والحكمة۔........فتأملو، أي القولين من هذين الرجلين أحق بأن تقبله العقول السليمة وتدعن له الأفكار الحرة الخالية عن التعصبات النفسانية والأهواء الشيطانية، وعارثم عار على ذوي العقول أن يتركوا الحق بعد وضوحه، ويكابروا في المحسوس بعد ظهوره، والله يتولى هدانا أجمعين۔

فصل في ازالة بعض شبهاتهم

الشبهة الاؤلى: قالوا: لا يمكن أن تتصور عقولنا وجود شيء ليس بجسم ولا مادة جسم ولا صورة جسم ولا مادة معقولة في صورة، مقولة ولا له قسمة في الكم ولا في الكيف، فعله منه وليس متصلا به، يعنون بذلك الاله سبحانه وتعالى۔

الشبهة الثانية: قالوا: لا يمكن أن تتصور عقولنا وجود شيء من لا شيء، يعنون بذلك أنهم لا يعقلون حصول المادة من العدم۔

الشبهة الثالثة: انهم يقولون: لو كان نظام العالم لقصد وحكمة لكانت علامة القصد والحكمة تامة في كل شيء، مع أننا نرى أشياء لا تنطبق على القصد والحكمة، بل هي بخلافهما، فلا تنطبق الا على الضرورة قلنا في الجواب عن جميعها: ان عدم تمكن عقولكم من تصوره لا يلزم منه عدم وجوده في نفسه، اذ كثير

من الحقائق لم تتمكنوا من تصورها حق التصور، ومع ذلك فهي موجودة في نفس الأمر، لقيام الدليل على وجودها. وجهلهم بحقيقة المادة التي يرونها ويلمسونها وعدم اجماعهم على بيان ماهيتها وهي ام الكائنات عندهم، هو أكبر شاهد على ذلك.

ومثله عدم كشفهم لحقيقة ادراك الدماغ، وغاية ما يقولون: ان العصب ينقل صور الأشياء للدماغ، وهو يدركها، أما بيان حقيقة ذلك الادراك بيانا كافيا فلم يتم لهم ولن يتم.

وهذا الجزم منهم بأنه لايمكن وجود شيء متصف بتلك الخواص، قد نشأ من قياس التمثيل، كما يظهر من قولهم: اذ لا نعلم شيئا موجودا من كل ما اطلعنا عليه متصفا بتلك الخواص، فزعموا أن كل موجود تلزمه أضداد تلك الخواص قياسا على ماشاهدوا، وهذا القياس ليس دليلا قاطعا، بل كثيرا ما يخدع الانسان حتى يحكم على الشيء بأحكام غيره.

وكذا استغرابهم أنه كيف أحدث العالم من لا شيء، مع عجزهم عن شرح كثير ما يقرون بوجوده، أيقدرون على تصور حقيقة القوة الكهربائية وكيفية جذبها؟ كلا!

وكذا نقول: ان الله سبحانه حكيم بدليل ما شاهدنا من حكمه التي لا تعد ولا تحد، فالشيء الذي لم يظهر لنا حكمته نقول: ان الحكمة في قد خفيت علينا، لا أنه وجد عبثا.

ونحن نضرب مثلا يجب التأمل فيه: هل تقدر الحيوانات المكر سكوبية. التي يوجد منها في نقطة الماء الصغيرة ألوف

ملايين. بما لها من الادراك الذى معها على قدر احتياجها من معيشتها، أن تتصور حقيقة الانسان وتتصور تفاصيل أعضائه ووظائفه و كيفية سمعه وأبصاره وشمه وذوقه ولمسه و كيفية تغذيه واعمال اعضاء التغذية والدورة الدموية واعمال دماغه فى تصوراته وأفكاره، وأن تعلم أعمال الانسان ومصنوعاته من الالات النجارية والمنسوجات والمطعومات والأدوية والتأليف والمطبوعات والالات التلغرافية والفو نغورافية والتيلفونية والفو طغرافية و كذا و كذا؟.........فكذا ما علومنا وادرا كنا بالنسبة الى عظمة ذلك الاله الا كادراك تلك الحيوانات بالنسبة الى الانسان، بل أحقر بكثير بما لا يحد.

فصل: لهم مسائل أربعة مهمة

المسألة الأولى: ان طريق حدوث تنوعات العالم من سماويات وأرضيات هو النشوء، أى بتجمع تلك الأجزاء على كيفيات مخصوصة حصل مادة سديمية أى أجسام صغيرة.

ثم تجمعت على بعضها بناموس الجاذبية وتكونت كرة، ودارت على محورها، والتهبت بمقتضى نواميس أخرى، فكانت تلك الكرة هى الشمس

ثم أخذت بقية الكواكب تنفصل عنها بمقتضى دورتها، وتتكون كرات وتدور على محاورها، ومن جملتها أرضنا التى نحن عليها. ثم بعد انفصالها و دورانها على محورها مدة من الزمان أخذت تبرد قشرتها وتتكون طبقاتها وتتولد المعادن

والحيوانات والنباتات بسبب حركة أجزاء المادة وتجمعها على بعضها على نسب وكيفيات مخصوصة.

وقد ثبت لدينا حدوث الحيوان والنبات بعد أن لم يكونا باكتشافات علم طبقات الأرض، وذلك أن تلك الاكتشافات أظهرت لنا أن آخر طبقة وصلنا اليها من طبقات الأرض خالية من الحيوانات والنباتات وآثارهما، وأنه مر على الأرض زمن ليس فيها من الأجسام الحيوية شيء.

وبعد ذلك أوصلنا البحث والاكتشاف ومشاهدة أعمال الكيمياء الى أنه بتجمع أجزاء المادة بواسطة حركتها تكونت العناصر التي تزيد على الستين.

ثم بتجمع بعضها وامتزاجه على نسب مخصوصة تكونت المعادن والأجسام الحيوية، وأول مكون لهذه هو مادة زلالية مكونة من عدة عناصر بين الجامد والسائل، لها قوة الاغتذاء والانقسام والتوالد، سميناها برتوبلاسما، أي المكون الأول.

وأخذ هذا بالترقي والتوالد حتى بلغ أدنى نبات من أبسط النباتات أو حيوان هو أبسط الحيوانات، ولم يزل تتوالد وتتكاثر تلك الحيوانات والنباتات البسيطة يترقيان ويتنوعان بما لازمها من النواميس الأربعة، حتى بلغا الى ما عليه الآن.

الأول: تباين الأفراد، فكل فرد لا يشابه أصله تماما، ومن جملة التباينات الذكورة والأنوثة.

الثاني: انتقال التباينات من الأصول الى فروعها مع الأخذ

بتباينات أخرى، فحدث عن ذلك بين الأفراد: القوى والضعيف والمتحمل للكوارث الخارجية وغير المتحمل۔

الثالث: تنازع البقاء بين الأفراد، فيهلك الضعيف وغير المتحمل ويبقى ما هو بخلاف ذلك۔

الرابع: الانتخاب الطبعي، وهو اختيار الطبيعة وحفظها للأحسن والأكمل، فبكرور الملايين من السنين وصلت الحيوانات والنباتات الى ماوصلت اليه بحركة أجزاء المادة الاضطرارية والجرى على هذه النواميس الأربعة۔

المسألة الثانية: ان الانسان نفسه ما هو الا حيوان جملة الحيوانات، حادث بطريق النشو، ترقى فى التحسين بالانتخاب الطبيعي، حتى بلغ ما هو عليه الآن، وبمقتضى مشابهته للقرد لا يمتنع أن يكون قد اشتق هو واياه من أصل واحد، وأخذ هو فى الترقى عنه حتى فاق عليه، وهو من أحدث الأنواع الحيوية موجودة فى زمن محدود بملايين من السنين معدودة، وان كان أنواع كثيرة وجدت قبله بملايين كثيرة۔

المسألة الثالثة: ان الحياة وعقل الانسان وادراكه ما هما الا فعل ظاهر من ظواهر أفعال مادته بتفاعل أجزائها المتحركة وعناصرها الممتزجة، وان يكن أصل المادة والحركة خاليا عن العقل والادراك، وان عقله لا يخالف عقول بقية الحيوانات الا بالكم، ولا يخالفها فى الذات والحقيقة۔

المسألة الرابعة: انكارهم لبقية المسائل التى توجد فى شريعة

محمد صلى الله عليه وسلم من بعث الانسان بعد الموت، ووجود دار النعيم ودار العذاب، ووجود الملائكة والجن والسماوات والعرش والكرسى واللوح والقلم وأفعال الملائكة العظيمة وأمثال ذلك، فانه لا دليل فى علومنا عليها، بل البعض منها ترفضها علومنا وتدل على استحالتها، لأنها خارقة للنواميس الطبيعية التى وجدناها فى الكائنات. فنقول وبالله التوفيق: ان الكلام معهم فى هذه المسائل الأربعة يحتاج الى مقدمتين:

الأولى: ان الدليل الذى له تعلق بالاعتقادات قسمان:

١۔ عقلى ٢۔ ونقلى، وكلاهما قسمان:

١۔ قطعي الدلالة: أى الذى يدل على مدلوله دلالة يقينية لا تحتمل النقيض......... ٢۔ وظنى الدلالة: أى الذى يدل على مدلوله دلالة تحتمل النقيض ولو احتمالا بعيدا۔

فهذه أربعة أقسام للدليل۔

اذا عرفت هذا فاعلم أن النقلى القطعى الدلالة لا يعارض العقلى القطعى الدلالة أبدا، ولن يقدر أحد الى يوم القيامة أن يأتى بمادة يتحقق فيها هذا التعارض، وهذه آية بالغة لصدق الشريعة البيضاء، والباقى يحتمل التعارض۔

والضابطة فيه: أن النقلى الظنى الدلالة اذا عارض العقلى القطعى الدلالة، يعمل بالعقلى ويصرف النقلى عن ظاهره۔ واذا عارض النقلى القطعى الدلالة، أو النقلى الظنى الدلالة مع العقلى الظنى الدلالة، يعمل بالنقلى ولا يصرف عن ظاهره، لأنه لا

اضطرار فأن الدلالة فى الظنيين سواء. وفى القطعى مزية لا أحدهما كلام من لا يجوز عليه الخطأ. والآخر قول من يصح عليه الغلط فيترجح كلام المعصوم على غير المعصوم۔

المقدمة الثانية: ان الشرائع انما يقصد منها بيان ما يرشد الخلق الى معرفة الحق تعالى و كيفية عبادته. والى الأحكام التى توصلهم الى انتظام المعاش وحسن المعاد۔ أما تعريفهم بمباحث العلوم الكونية من كيفية خلق العالم. وما هى عليه من النواميس القائمة فى السماويات أو فى الأرضيات وأمثال ذلك. فليس بشىء من ذلك من مقاصد الشرائع۔

نعم. قد تذكر شيئا منها مجملا على قدر ما يكون له دخل فى مقاصدها. فتذكر مثلا خلق السماوات والأرضين. وابرازها من العدم. واختلاف أنواع المخلوقات فى التنوعات. و كيفية تدبير الأكوان. واعطاء كل منها نظامه على سبيل الاجمال. لأجل أن يكون دليلا عقليا للناس على وجود اله العالم. وعلى اتصافه بالعلم والقدرة والحكمة الى غير ذلك. وقد تفصل بعض تلك المباحث لداع يدعو الى ذلك. يكون مرجعه الى مقاصدها۔

اذا فهمت هذا فافهم أن ما ثبت فى علومهم قطعا لم ينفه دليل شرعى. والذى ورد به الشرع قطعا. ككون السماوات السبع والأرض وما بينهما وجميع الخلق حادثا مخلوقا أو ظاهرا. ككون السماوات والأرض رتقا. ثم فتقهما بالمعنى المتبادر. وكون الكواكب فى السماوات. وكون كل نوع من العوالم مستقلا

بالخلق لا مشتقا نوع من نوع بطريق النشو ونحو ذلك، لم يقم على نفيه دليل قاطع عقلى عندهم.

والأدلة التى ذكروها ففى بعض المسائل كالنشو، ما هى الا فروض وتخمينات لم تخرج عن دائرة الاحتمال الذى يسقط به الاستدلال، وفى بعضها تحكم محض وادعا بلا بناء، كمسألة السماوات والملائكة والمعاد، كما يظهر من الاطلاع عليها مع الخلو عن الغرض النفسى. نعم، لو قام الدليل القاطع على خلاف ظاهر النصوص الظنية (فانه يستحيل ذلك فى النصوص القطعية، كما مر)، كان علينا أن نؤولها للتوفيق بينها وبين ما قام عليه ذلك الدليل، جريا على القاعدة المتقدمة.

فمعظم ما استندوا عليه فى الاستدلال على نشو الأنواع من أصل واحد: أنهم شاهدوا الأعضاء الأثرية فى بعض الحيوانات، لا فى كلها ولا فى غالبها، وهى آثار أعضاء توجد فى الحيوان، كآثار أرجل مثلا غير كاملة، فقالوا: انه لو كان كل نوع مخلوق مستقلا لما كان لهذه الآثار فائدة، فيظهر أنها آثار أعضاء فى نوع قديم، وقد كانت لازمة له، ثم لما طرء على هذا النوع تغيرات تقتضى استغناء ه عنها أخذت تتلاشى، حتى لم يبق الآن الا أثرها، أو ان هذا النوع كان خاليا عن تلك الأعضاء، فطرأت عليه تغيرات تؤهله لأن ينقلب الى نوع آخر يحتاج الى تلك الأعضاء التى ظهرت آثارها، فابتدأت تظهر فيه الآثار، ومما استندوا اليه فى هذا المذهب انهم وجدوا فى اكتشافاتهم

الجيلوجية ان الاسبق فى طبقات الارض هو ادنى النبات وادنى الحيوان، ثم بعده الأرقى فالأرقى، حتى كان أرقى الجميع هو المتأخر فى زمن وجوده ومكانه من طبقات الأرض العليا والأدنى قد تلاشى بعد ما وجد الذى هو أرقى منه. فلو كان مذهب الخلق هو الصحيح لكان يوجد من كل نوع من الأرقى والأدنى فى الطبقات السفلى والوسطى والعليا من الأرض۔

هذا ما قالوا، وأنت تعلم أنه ليس من اليقين فى شىء، بل ولا من الظن، اذ لقائل أن يقول: ما المانع من أن تكون تلك الأعضاء الأثرية لها فائدة، وفيها حكمة قد خفيت علينا، كما خفى فوائد أشياء كثيرة، ويظهر بعضها شيئا فشيئا؛ وكذا يقال: ما المانع من أن أول ما وجد فى طبقات الأرض أدنى النبات وأدنى الحيوان، ثم أوجد الله تعالى مستقلا ما هو أرقى وأباد الأدنى؛ فهذا يمكن على القول بالخلق أيضا، ولا يستلزم القول بالنشو، كما نشاهد كل عام عند انقضاء فصل الشتاء وقدوم الربيع والصيف، فان أول ما ينبت عند ذلك النبات الدانى مثل الطحلب والأعشاب، ثم يتدرج الأمر الى الأرقى فالأرقى، وليس شىء من تلك الأنواع ناشئا من نوع آخر۔

أما النواميس الأربعة التى أحالوا الارتقاء والنشو عليها ليست هى أدلة، بل هى بمنزلة توجيه كيفية جريان الترقى والنشو فى عالم النبات والحيوان، فنقول:

أما ارث الفروع لصفات الأصول فمشاهد لا ننكره، وجائز

الحصول بخلق الله تعالى، وكذلك تنازع البقاء لا مانع من حصوله بخلق الله تعالى، وانه ينتج عنه أن بعض الأنواع تبقى وبعضها تهلك، ولكن هذان الناموسان يصح أن يحصلا مع النشو أو مع الخلق، فأى مانع من كون الأنواع وجدت مستقلة، ومع ذلك ترث الفروع صفات الأصول وتتنازع الأنواع البقاء، فيبقى القوى ويهلك الضعيف، مع كون كل نوع مستقلا ليس ناشئا عن سواه من الأنواع۔

وأما ناموس التباينات وهو أن كل فرع مع ارثه صفات أصله لا بد أن يباينه فى صفات أخرى الى أن يخرج نوع الى نوع آخر مباين له فى الماهية، فنقول: انه مشاهد فى النبات والحيوان وليس خاصا فى النبات والحيوان، ولا فى الفروع مع الأصول، بل هو عام فى كل الموجودات، جعله الله تعالى لأجل التمايز، اذ لو كانت الأفراد للأنواع على صورة واحدة لحصل منه اشتباه، ونشاء عنه اختلال فى نظام العالم، لكن ما المانع من كون هذا التباين محدودا بمقدار لا يخرج النوع الى نوع آخر۔

وأما ناموس الانتخاب الطبعى فيمكن أن يكون هذا مع وجود الأنواع بطريق الخلق، بأن يكون الله تعالى قد أوجد أولا الأدنى منها، ثم أوجد الأرقى مستقلا غير ناشىء عن الأدنى، فتنازع البقاء مع الأدنى وأباده، ثم وجد أرقى من الثانى مستقلا، وهلم جرا الى أن وصل الحال الى الأنواع الموجودة الآن، وبهذا تبين أن النشو ليس مظنونا أيضا فى نظر العقل، بل هو مشكوك، ويرجح

الخلق عليه بظواهر النصوص، واذا لم يثبت النشو فلا يبنى عليه اشتقاق الانسان والقرد من أصل واحد۔

وأما قولهم: ان الحياة وعقل الانسان ما هما الا ظاهر من ظواهر تفاعل أجزاء المادة الخ فجميع ذلك يمكن انطباقه على ما فى الشريعة الاسلامية، وما بيننا وبينهم الا أنهم يقولون: ان فاعله الحقيقى هو المادة، وقد ثبت بطلانه، ونحن نقول: ان خالقها هو الله تعالى، وقد مر برهانه۔ نعم، للانسان روح يبقى بعد الموت، ويلتذ ويتألم، ولم يقم على نفيه برهان عقلى قطعى ولا ظنى۔

وأما قولهم: ان عقل الانسان لا يخالف عقول الحيوانات الا بالكم، ولا يخالفها فى الذات والحقيقة، فلا يصادم شيئا من النصوص الشرعية المعتمدة فى الاعتقاد، وجميع ما ورد من تعظيم عقل الانسان يحتمل أن يكون لتلك الدرجة السامية لا لشىء مغاير لادراك الحيوان فى أصل الحقيقة۔

وأما ان الله تعالى خلق سبع سماوات فوقنا، وخلق جسما كبيرا يسمى كرسيا فوق تلك السماوات، وجسما أكبر منه فوقه يسمى عرشا، وان بيننا وبين تلك الأجسام مسافات عظيمة، وانه يجرى نعيم الانسان فى دار خلقها تسمى الجنة، عرضها كذا وكذا، وعذابه فى دار تسمى جهنم۔

فنقول: انهم يقولون بالخلاء الممتد، وهو البعد الشاسع الذى تتيه الأفكار فى سعته، فما المانع من أن تكون هذه الأجسام فى ذلك البعد؟ وعدم وصولكم الى ادراكها بحواسكم أو بوسائط

أخرى، لا يقتضى عدمها. ومن ههنا يظهر أنه لا مانع أيضا من وجود سبع أرضين، وتكون الأرضون الستة قائمة فى الفراغ الذى فيه أرضنا وسائر الكواكب، ولا مانع من اشتمالها على عوالم، كما يظنون هم فى اشتمال الكواكب على ذلك.

وان قالوا: اننا لم نرها بالنظارات المكبرة، قلنا يحتمل أنها ليست منيرة تصلح للرؤية لها، أولم تكن هذه الآلات مساعدة لرويتها، أورأيتموها وحسبتموها فى عدد الكواكب.

وأما ان الله تعالى خلق أجساما نورانية تسمى ملائكة وانها تمر أمامنا ولا نراها، كما أنه أوجد أجساما أخرى تسمى جنا، فنقول: ما المانع من أن تكون موجودة ولا تكون مرئية؟ كما يقولون: ان مادة الأثير مالئ للكون ولا يرونه.

وأما انها تعمل أعمالا تعجز عنها القوى البشرية مع أنها أجسام لطيفة، فبعد النظر الى أعمال الرياح التى تقلع الأشجار العظيمة وأعمال قوة الكهربائية التى تجر الأثقال التى تعجز عنها ألوف الرجال: لا غرابة فى أعمال الملائكة والجن.

وأما كونها تقطع المسافات الشاسعة بين تلك الأجسام السماوية بمدة قصيرة جدا، فنقول: لا مانع منه عقلا، لأن سرعة الحركة ليست محصورة بحد محدود، وهذا النور يزعمون أنه يصل الينا من الشمس التى بيننا وبينها ما ينوف عن تسعين مليون ميل فى مقدار ثمان دقائق و كسور، وهذا نجم المشترى على ما فى علوم الهيئة عندهم يجرى ثلاثين ألف ميل فى

الساعة، فيجرى تسعة أميال كلما تنفس الانسان، وسرعة أجزائه الاستوائية فى دورانه على محوره أربع مائة وسبعة وستون ميلا كل دقيقة، وهو أكبر من أرضنا بألف و أربع مائة مرة على ما يقول الفلكيون منهم ومن غيرهم۔

وأما المعاد فلا استحالة فيه عقلا، وقد أخبر عنها الصادق فوجب اعتقاده، ولما قلنا: ان الانسان الحقيقى هو الروح الباقى بعد الموت، والجسد تابع له، اندفعت الاشكالات الواردة فى عذاب القبر وغيره، وهذا الاعتقاد مع كونه مدارا للنجاة الحقيقية مناط أيضا لنظام العالم الدنياوى، لأن الأهواء والشهوات وحب اللذات لا يقاومها مجرد النواميس التى يقيمها العلم، فلا بد من وازع آخر يزع النفوس عن المضار، ويرجح اتباع طريق الخير، وهو الايمان بالمعاد والمكافاة على الأعمال، فاذا اعتقد الانسان أنه مثل نبات الأرض، ينبت ثم يزول، لا الى رجعة وليس له حظ من وجوده الا لذاته الحيوانية التى ينالها مدة حياته، فاذا قدر على قتل سواه، وأخذ ماله الذى يبلغ الملائين بدون أن يطلع عليه أحد من الناس، أو على هتك أشرف عرض، وبلوغ أشهى لذة بدون اطلاع أحد، فهل يظن أن تلك القوانين التى سنها العلم تردعه عن ارتكاب ذلك؟ لا يقول بذلك الا مكابر، فحصل أن انكار المعاد شر لا يماثله شر۔

الشطر الثالث من دراية العصمة

تنبيهات موعودة على ما غلطوا فى أحكام الهيئة

مقدمة

قد أصابوا قطعا أو ظنا فى أكثر المسائل انا، لأنها أمور مشاهدة من كيفية الطلوع والغروب وعدد السيارات، وجهة حركاتها شرقا و غربا واستقامة ورجوعا وسرعة وبطوءا، ووقوع الكسوف والخسوف على النظام الخاص، واختلاف التشكلات النورية للقمر، وبيان المعمور من الأرض وعرضه وطوله، وقسمته الى الأقاليم السبعة، وخواص المواضع التى على خط الاستواء، والتى لها عرض ومعرفة أحكام الظل ونصف النهار وسمت القبلة ونحوها، وهى أمور مفيدة يحتاج اليها أحيانا، ولم يسؤمن تعلمها اتقانا۔ ولولا ما ادعوا من اللم فى بعض هذه الأحكام ما كنا ننازعهم، وما رميناهم بسهم الملام، لكنهم لما بنوه على خرافات فن الطبيعية، وقد رفضوا فيها الشريعة، وجب على كل مسلم اعتقاد بطلان هذه اللميات، ولا يسعه انكار الاليات، وهذه فصول لهدم هذا الفضول۔

فصل

قالوا: الأجرام الأثيرية ليس فيها مبدأ ميل مستقيم۔

قلنا بعد ما قدمنا من الكلام عليه فی فصل بساطة الفلك: ان وجود الميل المستدير فی الكل لا يدل على عدم الميل المستقيم فی الأجزاء، ولو فرض اخراج تدوير القمر مثلا بالقسر الى عالم العناصر أمكن أن يتحرك الى مكانه بعد زوال القاسر باذن خالقه۔

فصل

قالوا: كل جسم بسيط اذا خلی وطبعه فهو كری الشكل لامتناع الاختلاف فی فعل الطبيعة الواحدة۔

قلنا: قد ناقضوا قولهم هذا حيث اعتقدوا تركيب أفلاك السيارة من الخوارج والتداوير، وحيث اعتقدوا اشتمال الممثل على الخوارج محدب سطحی الثانی مماس لمحدب سطحی الأول على نقطة مشتركة بينهما، وتسمى الأوج، ومقعر سطحی الثانی مماس لمقعر سطحی الأول على نقطة تسمى الحضيض، ويصير به ما يبقى من الأول بعد افراز الثانی عنه كرتين غير متوازيتی السطوح، بل مختلفتی الثخن، احداهما حاوية للثانی، والأخرى محوية له، ورقة الحاوية مما يلی الأوج، وغلظها مما يلی الحضيض، ورقة المحوية وغلظها بالخلاف، ويسمى كل واحد منهما متمما، وهذا الفلك الثانی يسمى الخارج المركز، والأول يسمى الفلك الممثل۔

فانظر كيف قالوا بكون بعض الجوانب أرق والآخر أغلظ، وكيف فاتهم تشابه فعل الطبيعة، فلما اختلف فعلها لم يلزم

كرويتها، نعم، البسائط التى شوهد كرويتها لا ننازعهم فى كرويتها، كالأرض باذن خالقها. ولا ينافيه قوله تعالى: (والى الارض كيف سطحت) "الغاشية: ٢٠" ونحوه، اذ كونها مسطوحة مفروشة ممهودة، انما ينافى كونها كروية محسوسة فى بادئ النظر، لا مطلق الكروية، والكرة العظيمة يمكن أن يرى غير كرة فاجتمع الكرية والسطحية، لكنا لا نحيل كرويتها الى الطبائع، بل الى قدرة الخالق للصنائع والبدائع.

فصل

قالوا: والأفلاك كلها كروية الأشكال.

قلنا: لم يقم عليه دليل، كما قدمنا فى فصل استدارة الفلك، ولا تحسبن دلالة قوله تعالى: (كل فى فلك) "الانبياء: ٣٣" الآية، عليه حيث سماه فلكا، والفلك يكون مستديرا، لأن المراد بالأفلاك عندهم السماوات، ولم يثبت أنها هى المراد فى القرآن، بل الظاهر أن المراد دوائر، تحدث عن حركات الكواكب، ولا كلام فى استدارتها، ولم ينقل فى النصوص تسمية السماوات أفلاكا قط.

نعم، ظاهر النصوص يدل على كونها محيطة، حيث أثبت الفوقية للسماء بنسبة أهل الأرض، والأرض كرة بالمشاهدة، وساكنوا جوانبها كلها أهل الأرض، فالسماء فوق الكل فكان محيطا.

فصل

قالوا: الأفلاك تسعة. والوجه فيه أنهم وجدوا تسع حركات مختلفة فأثبتوا تسع أفلاك.

ثم لما تأملوا فی أحوال تلك الحركات اقتضت تلك الأحوال أن تثبت لبعضها أفلاك جزئية أخرى، تسمی خوارج وتداوير. لينتظم تلك الأحوال، وحكموا بترتيبها على الوجه الخاص، بناء على أن بعض الثوابت ينكسف بزحل، المنكسف بالمشتری المنكسف بالمريخ، المنكسف بالزهرة، المنكسفة بعطارد والمنكسف بالقمر، الكاسف للشمس۔

قلنا: هذا كله مبنی على كون الكواكب كلها مركوزة فی الأفلاك واستحالة الخلاء وامتناع الخرق والالتيام عليها، وكلها ممنوعة، لجواز كون الكواكب خارجة عن الأفلاك تحت جميعها أو بينها أو فی واحد منها كسماء الدنيا، وهو الظاهر من قوله تعالى: (جعل فی السماء بروجا وجعل فيها سراجا وقمرا منيرا) "الفرقان ٦١" ولا يلزم الخلاء لامكان ملئها بالماء أو الهواء أو نحوهما، أو لا يلزم استحالته كما مر، والامكان كون جميع الكواكب فی فلك واحد تجری فيه بالخرق باذن خالقها، ولم يثبت امتناعه، بل بعضها باطل كامتناع الخرق، ثم لا يستلزم حركة الكواكب حركة الأفلاك مالم يثبت امتناع الخرق عليها، ولم يقم دليل على كون الأفلاك متحركة لا عقلی ولا نقلی۔

أما العقلی فظاهر بمنع مقدماتها من الأمور المذكورة۔ وأما النقلی فلعدم ورود نص فيه، ولا يصح التمسك فيه بقوله تعالى: (والسماء ذات الرجع) "الطارق:١١" لأنه مفسر أو مؤول بالمطر، بل ظاهر قوله تعالى: (كل فی فلك يسبحون) "الانبياء: ٣٣" يدل على

كون الكواكب بالحركة الذاتية، حيث أسند السبح الى الشمس والقمر، والأصل في الاسناد هو الحقيقي، وهو في الحركة الذاتية دون العرضية.............ثم قد اعترف بعضهم بعدم تمام أدلتهم، حيث جوزوا أن يسند حركة فلك الأفلاك الى مجموع الثمانية من حيث هو مجموع بأني يتعلق بها نفس واحدة تحركها بهذه الحركة فحينئذ لاحاجة الى التاسع بل لا حاجة الى الثامن أيضا، لا مكان أن يتعلق بمجموع السبعة نفس تحركه بتلك الحركة، ويكون الثوابت مركوز في السابع متحركة بحركة مماثلها۔

وجوزوا أن الثوابت الغير المنكسفة بالسيارات يحتمل أن تكون في فلك أو أفلاك تحت فلك القمر۔ وكذا حكى الفرغاني أن البعض ذهب الى أن لكل من الكواكب الثابتة فلكا خاصا به۔ ولا يعبأ بقولهم: لا نثبت فضلا في السماويات، لأن عدم الثبوت لا يستلزم ثبوت العدم۔

وما نريد بابداء هذه الاحتمالات الشك في عدد السماوات، فانما هي سبعة بالنص، بل مقصودنا التنبيه على عدم تمام دلائلهم باعتراف بعض منهم۔

فصل

قالوا: وليس وراء الفلك الأعظم شيء، لا خلاء، لامتناعه، ولا ملاء، لأنا لا نثبت فضلا في السماويات۔

قلنا: هذا بنا الفاسد على الفاسد، لأنا ابطلنا امتناع الخلاء واستلزام عدم الثبوت الثبوت العدم، وعلم منه بطلان

حكمهم بأن كل محيط يماس المحاط به، لأنه موقوف أيضا على هذين الأمرين الباطلين، فلم لا يجوز ما ورد من أن الفصل بين سماء الى سماء كذا و كذا، وفى كل سماء ملائكة لا يحصره عد ولا حد ويمكن أن يكون ما فضل من الملائكة خاليا أو مملوء ابشيء آخر، و كذا فوق العرش يمكن أن يكون خاليا أو ما شاء الله تعالى:

فصل

قالوا: من الدوائر العظيمة دائرة البروج الخ:

قلنا: لا نريد الرد عليهم فى هذا وأمثاله، لأنها من الأمور الفرضية ضبطوا بها نظام الطلوع والغروب، وانما نريد التنبيه لمن يخشى عليه أن يظن أن القرآن يصدقهم فيه حيث أثبت البروج فى آيات عديدة على بطلان هذا الظن، لأن هذه البروج الاصطلاحية لم تكن العرب تعرفها، ولا يجوز التفسير بما لا يعرفونه لنزوله بلسانهم۔

وانما هى الكواكب العظيمة المشبهة بالبروج المشيدة فى العظم، كما يروى عن ابن عباس رضى الله عنهما، ويؤيده قرنها بالشمس والقمر فى قوله تعالى: (تبارك الذى جعل فى السماء بروجا وجعل فيها سراجا وقمرا منيرا) -الفرقان ۶۱-، ذكرا للخاص بعد العام، وجعلها زينة للسماء، ورجما للشياطين فى قوله تعالى: (ولقد جعلنا فى السماء بروجا وزينها للنظرين ٥ وحفظنها من كل شيطن رجيم ٥ الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين ٥) -الحجر ۱۸-۱۶- فزل من فسرها بهذه الأمور الفرضية، وزاد زلا على زل

من أثبت البروج الخاصة للكواكب الخاصة. بناء على الأوهام النجومية من اثبات الأمزجة للبروج بصورها التى اعتبرت للتسمية فقط، التى توهمت أولا، ثم انتقلت عن مواضعها ثانيا، كما صرح به الشارح الچغمينى۔

فصل

عللوا ما يعرض للكواكب من الرجوع والاستقامة والاقامة للمتحيرة، والمحاق والزيادة والنقصان للقمر والكسوف له وللشمس بحركاتها العرضية بحركة التداوير والخارج على وجه خاص۔

قلنا: لا ننفى اختلاف حركاتها واختلاف أوضاعها بها و ترتب الآثار المختلفة عليه و كونها مضبوطة منتظمة، لكن لا دليل على لميا تها المبنية على وجود التداوير ونحوها المبنى على امتناع الخرق فى الأفلاك المار بطلانه فيما سبق، فليقس الفرع بالأصل، بل ظاهر قوله تعالى: (فلا أقسم بالخنس ۝ الجوار الكنس) "التكوير: ١٦" يدل على أنه هذه العوارض بالحركة الذاتية للكواكب باذن خالقها مع ما مر من قوله تعالى: (كل فى فلك يسبحون) "الانبياء ٣٣"

واياك أن تنفى هذا النظام بقوله: ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله، لا ينكسفان لحياة أحد ولا لموته، وانما يخوف الله بهما عباده، الحديث۔ و تجعل التخويف علة، لأن ضبط النظام أمر مشاهد، لا يساغ انكاره، فسلم النظام، واجعل التخويف حكمة ظاهرة آثاره، ولا تفتش عن اللم لأمثال هذه الأمور، فأين نحن وأين أسراره، فلنعم ما قيل وهذا والله هو السبيل:

حدیث از مطرب و مئے گوئی وراز ازدھر کمتر جوئے کہ کس
نکشود و نکشاید، بحکمت ایں معمارا

و کذا جمیع ما یعرضها من الطلوع والغروب بحسبان بنص القرآن، لکن لا علی لم بنوا علیه لبطلانه بالدلائل، بل لا علی ان اعتقدوه من دوام هذا النظام، لدلالة حدیث سجود الشمس تحت العرش کل یوم علی انقطاع حرکتها ولو لمحة لا تدرك بالأنظار، وحدیث طلوع الشمس من مغربها ثم انکدارها وانتشارها علی هدم هذا النظام۔

خاتمة

ومما یلحق بهذه الفصول الکلام الجملی علی النظام الغیثا غورثی الذی آمن به متفلسفو زماننا۔

۱۔ ان السماوات لیست بموجودة۔ ۲۔ وان الذی یری فوقنا من الزرقة هو حد البصر، ووجهه أن الهواء باعتبار مخالطة الأبخرة وعدمها قسمان.........أحدهما: الهواء اللطیف الصافی من الابخرة، لأنها تنتهی فی ارتفاعها الی حد لا یتجاوزه، وهو قریب من سبعة عشر فرسخا.........وثانیهما: الهواء الکثیف المخلوط بالأبخرة، ویسمی کرة البخار وعالم النسیم و کرة اللیل والنهار، اذ هی مهب الریاح القابلة للظلمة والنور۔

فکرة البخار مستضیئة دائما بأشعة الکواکب وما وراءها، کالمظلم بالنسبة الیها، لعدم قبول الضوء وانعکاس الأشعة، واذا نفذ نور البصر من الأجزاء المستضیئة بأشعة الکواکب الی

الأجزاء التى هى كالمظلمة رأى الناظر ما فوقه من الجو المظلم بما يمازجه من الضياء الأرضى، والضياء الكوكبى لونا متوسطا بين الظلام والضياء، وهو اللون الازوردى، كما اذا نظرنا من وراء جسم مشف أحمر مثلا الى جسم أخضر، فانه يظهر لنا لون مركب من الحمرة والخضرة۔

۳۔ واعتقدوا أن الأرض متحركة حول الشمس كسائر الكواكب، ولها حركة أخرى على محورها من المغرب الى المشرق، وهى الحركة اليومية، فاذا تحركت من المغرب الى المشرق ظهر علينا من جانب المشرق كواكب، كانت مختفية عنا، وخفى عنا من جانب المغرب كوكب، كانت ظاهرة علينا، فيظن لذلك أن الأرض ساكنة، والمتحرك هو الكواكب تبعا للفلك۔

فهذه ثلاثة أحاديث نقطع بكذب احداها، وهو نفى الفلك، وغاية هذا النظام أنه لا يتوقف على حركة الفلك، ولا يستلزم نفى حركته نفى وجوده، بل العقل يجوز وجوده والنقل يوجبه۔

ونظن بصدق احداها، وهو حكاية الزرقة، ولا تحسبنه معارضا لقوله تعالى: (والى السماء كيف رفعت) "الغاشية ۱۸" لأن النظر أعم من النظر اليها أو الى آثارها كما لا يخفى۔

ونظن بكذب باقيها، وهو قصة حركة الأرض بوجوه عقلية ظنية، منها: أن الأرض على ذلك التقدير يقطع فى ساعة واحدة ألف ميل، لأن محيطها أربعة وعشرون ألف ميل، وقطرها على رأى المتقدمين ألفان وخمس مائة وخمسة و أربعون فرسخا تقريباً، وعلى رأى المحدثين ألفان ومائة وأربعة وستون فرسخا، (ومحيط كل دائرة

ثلاثة أمثال قطرها و كسر هو أقل من سبع، لكن القوم يأخذونه سبعاً، تسهيلا للحساب) ففي عشر ساعة تقطع مائة ميل، فلو رمى سهم الى جهة حركة الأرض. أى الشرق. كان ينبغي أن لا يسبق موضعه الذى رمى منه بل يسبقه الأرض، وكان ينبغي للسهم اذا رمى الى خلاف جهة حركتها أن يمر عن الموضع الذى رمى منه، ويتجاوزه بقدر حركته و حركة الأرض جميعا، واللازم باطل، لاستواء المسافة التي يقطعها السهم من الجانبين بالتجربة.

ومنها: أن الحجر يرمى الى فوق فيعود الى موضعه الذى رمى منه راجعا بخط مستقيم، ولو كانت الارض متحركة الى المشرق لكان الحجر ينزل من مكانه الى جانب المغرب بقدر حركة الأرض فى ذلك الزمان الذى وقع حركة الحجر صاعدا وهابطا فيه، وعند مشايعة الهواء يمجه العقل السليم، لأن الهواء لا يقدر على استتباع الحجر الصغير فضلا عن الكبير، وان اشتقت الى التفصيل فانظر فى (الهدية السعيدية) لكن مع جميع ذلك لا نقطع بكذبه، كما زعمه البعض مستدلا بقوله تعالى: (والقى فى الارض رواسى أن تميد بكم) "النحل ١٥)، لأن الآية محتملة لنفى الحركة المضطربة، ونفى المقيد لا يستلزم نفى المطلق.

وليكن هذا آخر ما أردنا ايراده فى المقام، ونسال الله تعالى حسن الختام والصواب والسداد فى كل مرام.

وكان هذا فى كورة چرتهاول، للثالث من ربيع الأول

صلى الله تعالى على من ظهر فينا آخرا........وخلق نوره فى الأول

تلخيص هداية الحكمة

قال الجامع عفى عنه:

بسم الله الرحمن الرحيم

أقول بعد التسمية والحمدلة والتصلية: ان هذه مسائل من (هداية الحكمة) مجردة عن الدلائل، التقطتها لمن ضاق وقته عن تحصيلها برمتها، ولاحقاق الحق وابطال الباطل نقدت بعد ما نقلت مسألة مسألة، لكنى لضيق المحل لم أفصل، وألحقت بها تذنيباً مشتملاً على فصول مفيدة باحثة عن أمهات مسائل الهيئتين والفلسفة الجديدة۔

فصل فيما يعم الأجسام

قالوا: الجزء الذى لا يتجزى باطل۔ قلنا: لا دليل عليه قالوا: كل جسم فهو مركب من جزئين، يحل أحدهما فى الآخر، يسمى أحدهما، ب(الهيولى) والآخر ب(الصورة الجسمية)۔ قلنا: لا دليل عليه۔ قالوا: الصورة الجسمية لا تتجرد عن الهيولى۔ قلنا: هذا مبنى على اثبات الهيولى والصورة، ولم يثبت قالوا: الهيولى لا تتجرد عن الصورة۔قلنا: هو بناء الفاسد على الفاسد۔ قالوا: ان لكل واحد من الأجسام الطبعية صورة

أخرى غير الصورة الجسمية۔ قلنا: لا دليل عليه۔

قالوا: ان الهيولى ليست علة للصورة، والصورة أيضا ليست علة للهيولى، وليست الهيولى غنية عن الصورة من كل الوجوه وليست الصورة أيضا غنية عن الهيولى من كل الوجوه فالهيولى تفتقر الى الصورة فى وجودها وبقائها، والصورة مفتقرة الى الهيولى فى تشكلها، قلنا: لا غناء ببناء لا أس له. قالوا: المكان الخلاء أو السطح الباطن من الجسم الحاوى المماس للسطح الظاهر من الجسم المحوى، والأول باطل فتعين الثانى۔ قلنا: لا دليل على امتناع الخلاء۔

قالوا: كل جسم فله حيز طبعي، ولا يجوز أن يكون لجسم ما حيزان طبعيان، قلنا: لا دليل على وجود الطبيعة المقتضية لهذه الأحكام۔ قالوا: كل جسم فله شكل طبعي قلنا: تذكر ما قلنا انفا۔ قالوا: الحركة هى الخروج من القوة الى الفعل على سبيل التدريج، وأما السكون فهو عدم الحركة عما من شأنه أن يتحرك، وكل جسم متحرك فله محرك غير الجسمية۔ قلنا: لا دليل على كون ذلك الغير طبيعة۔

قالوا: ثم الحركة على أربعة أقسام: حركة فى الكم كالنمو. وحركة فى الكيف كتسخن الماء وتبرده مع بقاء الصورة النوعية، ويسمى هذه الحركة استحالة۔ وحركة فى الأين، وهى انتقال الجسم من مكان الى مكان على سبيل التدريج، ويسمى نقلة۔ وحركة فى الوضع، وهى أن تكون للجسم حركة على

الاستدارة، أجزاؤه يباين أجزاء مكانه، ويلازم كله مكانه، والحركة اما طبعية أو قسرية أو ارادية.

قلنا: لا مشاحة فى الاصطلاحات، وأما مبنى الأحكام من اثبات الطبيعة ففاسد.........

قالوا: الزمان هو امكان متقدر غير ثابت، وهو مقدار الحركة، وأيضا أن الزمان لا بداية له ولا نهاية له، قلنا: الدعوى الأول دليله منفى، والدعوى الثانى منفى بالدليل.

فصل فى الفلكيات

قالوا: الفلك مستدير قلنا: لا دليل عليه. قالوا: الفلك بسيط. قلنا: لا دليل عليه. قالوا: الفلك قابل للحركة المستديرة، ويجب أن يكون فيه مبدأ ميل مستدير يتحرك به، وأيضاً أن الفلك لا يكون فى طبعه مبدأ ميل مستقيم. قلنا: القابلية مسلم، والوجوب لا دليل عليه، وما بعده فرعه. قالوا: الفلك لا يقبل الكون والفساد والخرق والالتئام. قلنا: باطل بالدليل.

قالوا: الفلك يتحرك على الاستدارة دائما، قلنا: أما حديث الحركة فمحتمل للصدق والكذب، وأما دوامها فباطل بالدليل. قالوا: الفلك متحرك بالارادة. قلنا: لا دليل عليه. قالوا: القوة المحركة للفلك يجب أن تكون مجردة عن المادة. قلنا: لا دليل على القوة، والتجرد فرعه، قالوا: المحرك القريب للفلك قوة جسمانية. قلنا لا دليل عليه.

فصل فى العنصريات

قالوا: كل واحد من الماء والهواء والنار والأرض يخالف الآخر فى صورته الطبعية۔ قلنا: لا دليل على وجود الطبيعة باصطلاحهم۔ قالوا: وكل واحد منها قابل للكون والفساد۔ قلنا: مسلم۔ ....قالوا: وأيضا ان الكيفيات العنصرية زائدة على الصور الطبعية۔ قلنا: لا دليل على الصورة الطبعية۔

قالوا: البسائط اذا تصغرت واجتمعت وتماست فى المركب۔ وفعل بعضها فى بعض بقواها المتضادة، وكسر كل واحد منها سورة كيفية الآخر، فتحصل كيفية متوسطة توسطا ما بين الكيفيات المتضادة متشابهة فى أجزائه، وهو المزاج۔ قلنا: لانزاع فيه۔

قالوا فى كائنات الجو:

أما (السحاب والمطر وما يتعلق بهما) فالسبب الأكثرى فى ذلك تكاثف أجزاء البخار الصاعد۔ وأما (الرعد والبرق) فسببهما أن الدخان اذا ارتفع واحتبس فيما بين السحاب فما صعد الى العلو مزق السحاب تمزيقا عنيفا، فيحصل صوت هائل، هو الرعد بتمزيقه، وان اشتعل الدخان بالحركة كان برقا وصاعقة۔........أما (الرياح): فقد تكون بسبب أن السحاب اذا ثقل لكثرة البرد اندفع الى السفل فصار هواء متحركا، وقد تكون لاندفاع يعرض بسبب، فيصير السحاب من جانب الى طرف آخر، وقد تكون لانبساط الهواء بالتخلخل فى جهة، وقد تكون بسبب برد الدخان المتصعد ونزوله، ومن الرياح ما يكون سموما

محترقا لاحتراقه فی نفسه بالأشعة ولمروره بالأرض الحارة جدا.

وأما (قوس قزح) فهی انما تحدث من ارتسام ضوء النير الأكبر فی أجزاء رشية غير متصلة مستديرة. واختلاف ألوانها بسبب اختلاف ضوء النير وألوان الغمام المختلفة.

وأما (الهالة): فأيضا انما تحدث من ارتسام ضوء النير فی أجزاء رشية مستديرة. وأما (الشهب) فسببها أن الدخان اذا بلغ حيز النار، وكان لطيفا، اشتعل فيه النار. فانقلب الى النارية ويلتهب بسرعة، حتى يرى كالمنطفی.

وأما (الزلزلة وانفجار العيون) فان البخار اذا احتبس فی الأرض يميل الى جهة فيتبرد بها. فينقلب مياها مختلطة بأجزاء بخارية فاذا كثر بحيث لا يسمعه الأرض أوجب انشقاق الأرض، وانفجر منه العيون، واذا غلظ لا ينفذ فی مجاری الأرض اجتمع للخروج ولم يمكنه النفوذ فزلزلت الأرض.

قلنا: لا ننكر كون هذه الأسباب عادية، لكن لا نسلم الحصر فيها وعدم التخلف عنها.

قالوا فی المعادن: ان الأبخرة والأدخنة المحتسبة اذا لم تكن كثيرة اختلطت على ضروب من الاختلاطات المختلفة فی الكم والكيف، فتكون منها الأجسام المعدنية، فان غلب البخار على الدخان بتولد اليشم والبلور والزيبق الزرنيخ والرصاص. وان غلب الدخان يتولد الملح والزاج والكبريت والنوشادر. ثم من اختلاط بعض هذه مع بعض تولدت

الأجسام المتطرقة مثل الذهب والفضة۔

قلنا: مثل ما سبق آنفا۔

قالوا: النبات له (قوة عديمة الشعور) وتصدر عنها حركات وأفعال مختلفة بآلات مختلفة، وتسمى نفسا نباتيا، وهى كمال أول لجسم طبعي آلى من جهة ما يتولد ويزيد ويتغذى فقط۔ فلها (قوة غاذية) وهى القوة التى تحيل جسما آخر الى مشاكلة الجسم الذى هى فيه، فتلصق المشاكل به بدل ما يتحلل عنه بالحرارة ولها (قوة نامية) وهى التى تزيد فى الجسم الذى هى فيه زيادة فى أقطاره طولا و عرضا وعمقا الى أن يبلغ كمال النشو على تناسب طبعي۔ ولها (قوة مولدة) وهى التى تأخذ من الجسم الذى هى فيه جزءًا، وتجعله مادة ومبدأ لمثله، وتجذب الغذاء وتمسكه وتهضمه وتدفع ثفله. فلها خوادم أربع: ۱۔ قوة جاذبة ۲۔ وماسكة ۳۔ وهاضمة ۴۔ ودافعة للثفل۔ و (النامية) تقف من الفعل أولا۔ وتبقى (الغاذية) تفعل الى أن تعجز فيعرض الموت۔ قلنا: لا ننازع فى وجود القوى۔ نعم، ننكر كونها فواعل حقيقة۔

قالوا: الحيوان هو مختص بالنفس الحيوانية، وهى كمال أول لجسم طبعي آلى من جهة ما يدرك الجزئيات الجسمانية، ويتحرك بالارادة. فلها قوة مدركة ومحركة۔

أما (المدركة) فهى اما فى الظاهر أو فى الباطن، أما التى فى الظاهر فهى خمس: السمع، والبصر، والشم، والذوق، واللمس. وأما التى فى الباطن فهى أيضا خمس: الحس المشترك والخيال،

والوهم، والحافظة، والمتصرفة۔

أما (الحس المشترك) فهو قوة مرتبة فی مقدم التجويف الأول من التجاويف الثلاثة التی فی الدماغ، تقبل جميع الصور المنطبعة فی الحواس الظاهرة، وهی غير البصر، لأنا نشاهد القطرة النازلة خطا مستقيما، والنقطة الدائرة بسرعة خطا مستديرا، وليس ارتسامها فی البصر، اذ البصر لا يرتسم فيه الا المقابل، وهو القطرة والنقطة، فاذن ارتسامها انما يكون فی قوة أخری غير البصر۔

وأما (الخيال) فهو قوة مرتبة فی مؤخر التجويف الأول من الدماغ، تحفظ جميع الصور المحسوسات، وتمثلها بعد الغيبوبة، وهی خزانة الحس المشترك۔

أما (الوهم) فهو قوة مرتبة آخر التجويف الأوسط من الدماغ، تدرك المعانی الجزئية الموجودة فی المحسوسات، كالقوة الحاكمة فی الشاة، بأن الذئب مهروب عنه، والولد معطوف عليه۔

وأما (الحافظة) فهی قوة مرتبة فی أول التجويف الآخر من الدماغ، تحفظ ما تدركه القوة الوهمية من المعانی الجزئية الغير المحسوسة الموجودة فی المحسوسات، وهی خزانة القوة الوهمية۔

وأما (المتصرفة) فهی قوة مرتبة فی البطن، أی التجويف الأوسط من الدماغ، من شأنها تركيب بعض ما فی الخيال أو الحافظة مع بعض، وتفصيلة عنه۔

وأما (القوة المحركة) فتنقسم الی باعثة وفاعلة۔ أما الباعثة۔ وتسمی شوقية۔ فهی القوة التی اذا ارتسمت فی الخيال صورة مطلوبة

أو مهروبة عنها حملت الفاعلة على التحريك، وهى ان حملت الفاعلة على تحريك يطلب به الأشياء المتخيلة ضارة أو نافعة طلبا لحصول اللذة، تسمى قوة شهوانية۔ وان حملت على تحريك يدفع به الشيء المتخيل، سواء كان ضارا أو مفيدا طلبا للغلبة، تسمى قوة غضبية۔ وأما الفاعلة فهى التى تعد العضلات للتحريك۔

قلنا: لو بنى على أن الواحد لا يصدر عنه الا الواحد فالمبنى فاسد، وان لم يبن عليه فلا ننازعهم فى وجود القوى، لكن كونها فواعل حقيقية باطل......... قالوا فى الانسان: هو مختص بالنفس الناطقة، وهى كمال أول لجسمى طبعى آلى من جهة ما يدرك الأمور الكلية، ويفعل الأفعال الفكرية والحدسية، فلها قوة عاقلة تدرك بها التصورات والتصديقات، وقوة عاملة تحرك بدن الانسان الى الأفعال الجزئية بالفكر والروية على مقتضى آراء تخصها باعتبار القوة العاقلة، ولها مراتب أربع۔

المرتبة الأولى: أن تكون خالية عن جميع المعقولات، بل هى مستعدلها، وهى العقل الهيولانى۔ .... والمرتبة الثانية: أن تحصل لها المعقولات البديهية وتستعد، لأن تنتقل من البديهيات الى النظريات، وهى العقل بالملكة۔

والمرتبة الثالثة: أن تحصل لها المعقولات النظرية، لكن لا تطالعها بالفعل، بل صارت مخزونة عندها، وهى العقل بالفعل۔

والمرتبة الرابعة: أن تطالع معقولاتها المكتسبة، وهى العقل المطلق، وتسمى معقولاتها عقلا مستفادا، ثم العقل

بالملكة ان كان فى الغاية يسمى قوة قدسية.

قلنا: أعد ذكر ما سبق آنفا.

قالوا: ان القوة العاقلة مجردة عن المادة، وأيضا ان التعقل ليس بالآلات الجسمانية. قلنا: لا دليل عليه.

قالوا: ان النفوس الناطقة حادثة. قلنا: صدقوا فى الحدوث، وكذبوا فى قيد بعد البدن.

فصل فى تقاسيم الوجود من الالهيات

قالوا: الكلى ليس واحدا بالعدد، بل هو معنى معقول فى النفس مطابق لكل واحد من جزئياته فى الخارج على معنى أن ما فى النفس لو وجد فى أى شخص من الأشخاص الخارجية لكان ذلك الشخص بعينه من غيرتفاوت أصلا. قلنا: لا مشاحة فى الاصطلاح. قالوا: الجزئى انما يتعين بمشخصاته الزائدة على الطبيعة الكلية. قلنا: اصطلحوا على ما شئتم.

قالوا: الواحد يقال على ما لا ينقسم من الجهة التى يقال بها له: انه واحد، وقد يكون بالجنس كالانسان والفرس، وقد يكون بالنوع كزيد وعمرو، وقد يكون بالمحمول كالقطن والثلج، وقد يكون بالموضوع كالكاتب والضاحك، وقد يكون واحدا بالعدد، وهو قد يكون غير حقيقى، وحينئذ قد يكون بالاتصال، وهو الذى ينقسم بالقوة الى أجزاء متشابهة كالماء، وقد يكون بالتركيب، وهو الذى له كثرة بالفعل كالبيت، وقد يكون حقيقيا، وهو الذى لا ينقسم أصلا، وأما الكثير فهو الذى يقابل الواحد.

قلنا: كلها اصطلاحات غير متنازع فيها، الا الحكم بالاتص
على بعض الأجسام، فانه لا دليل فيه۔

قالوا: الاثنان قد يتقابلان، وهما اللذان لا يجتمعان فی شی
واحد من جهة واحدة، وأقسامه أربعة:......... أحدها: الضدان
وهما الموجودان غير المتضايفين، كالسواد والبياض۔

وثانيها: المتضايفان، وهما الموجودان تعقل كل واحد منهم
بالنسبة الى الآخر، كالأبوة والبنوة۔

وثالثها: المتقابلان بالعدم والملكة، وهما أمران يكون
أحدهما وجوديا والآخر عدميا، يعتبر فيهما موضوع قابل للنت
الموجود، كالبصر والعمى والعلم والجهل۔

ورابعها: المتقابلان بالسلب والايجاب، كالفرسية
واللافرسية، وذلك فی الضمير لا فی الوجود العينی۔

قلنا: لا نزاع فی الاصطلاح۔

قالوا فی المتقدم والمتأخر: أما المتقدم فيقال على خمسة
أشياء:........أحدها: المتقدم بالزمان، وهو ظاهر۔

والثانی: المتقدم بالطبع، وهو الذی لا يمكن أن يوجد الآخر
الا وهو موجود معه، وقد يمكن أن يوجد، وليس الآخر بموجود
كتقدم الواحد على الاثنين.........والثالث: المتقدم بالشرف
كتقدم سيدنا أبی بكر على سيدنا عمر رضی الله عنه۔

والرابع: المتقدم بالرتبة، وهو ما كان أقرب من مبدأ محدود
كترتب الصفوف فی المسجد منسوبة الى المحراب۔

والخامس: المتقدم بالعلية، وهو الفاعل المستقل بالتأثير. كتقدم حركة اليد على حركة القلم.

وأما المتأخر فيقال على ما يقابل المتقدم، قلنا: هذه اصطلاحات غير متنازع فيها.

قالوا: فى القديم و الحادث: القديم بالذات هوالذى لا يكون وجوده من غيره، والقديم بالزمان هوالذى لا أول لزمانه كالفلك.والمحدث بالذات هوالذى يكون وجوده من غيره، والمحدث بالزمان هوالذى لزمانه ابتداء، وقدكان وقت لم يكن هو فيه موجودا، ثم انقضى ذلك الوقت وجاء وقت صار هو فيه موجودا. قلنا: حكمهم على بعض الممكنات بالقدم الزمانى باطل، والباقى لا نزاع فيه.........قالوا: وكل حادث زمانى فهو مسبوق بمادة ومدة، قلنا: حكمهم بضرورة سبق المادة باطل.قالوا فى القوة والفعل.القوة هى الشىء الذى هو مبدأ التغير فى شىء آخر مين حيث هو آخر وكل.

ما يصدر عن الأجسام فى العادة المستمرة المحسوسة من الآثار والأفعال، كالاختصاص ب (أين) و (كيف) وحركة وسكون، فهى صادرة عن قوة موجودة فيه. قلنا: لا نزاع فى مفهوم القوة. نعم، الحكم بوجودها وتأثيرها. كما زعموا. باطل.

قالوا فى العلة والمعلول: العلة يقال لكل ماله وجوده عند فى نفسه، ثم يحصل من وجوده وجود غيره، وهى أربعة أقسام: ١. مادية ٢. وصورية ٣. وفاعلية ٤. وغائية.

١۔ أما المادية: فهى التى تكون جزء ا من المعلول، لكن لا يجب بها أن يكون المعلول موجودا بالفعل، كالطين للكوز۔

٢۔ أما العلة الصورية: فهى التى تكون جزء ا من المعلول، لكن يجب بها أن يكون المعلول موجودا بالفعل، كالصورة للكوز:

٣۔ وأما العلة الفاعلية: فهى التى يكون منها وجود المعلول كالفاعل للكوز۔.........٤۔ وأما العلة الغائية: فهى التى لأجلها وجود المعلول، كالغرض المطلوب من الكوز۔

قلنا: لا مراء فى الاصطلاح۔

قالوا: ثم العلة الفاعلية متى كانت بسيطة استحال أن يصدر عنها أكثر من الواحد۔ قلنا: لا وجود للبسيط بهذا المعنى، والبسيط الذى له وجود لا يستحيل صدور الكثير عنه، بل الصدور ثابت بالدليل القطعى۔ قالوا: ان المعلول يجب وجوده عند وجود علته التامة، أعنى عند تحقق جملة الأمور المعتبرة فى تحققه۔ قلنا: صحيح۔ قالوا: كون الشىء موجودا لا ينافى تأثير العلة الفاعلية فيه، قلنا: صدقوا۔

قالوا فى الجوهر والعرض: كل موجود فاما أن يكون مختصا بشىء ساريا فيه أو لا يكون، فاذا كان الواقع هو القسم الأول يسمى السارى حالا والمسرى فيه محلا، ولا بد أن يكون لأحدهما حاجة الى صاحبه، والا لا متنع ذلك الحلول۔ فلا يخلو اما أن يكون المحل محتاجا الى الحال، فيسمى المحل الهيولى والحال الصورة، أو بالعكس فيسمى المحل موضوعا، والحال عرضا: قلنا: لا مناقشة

في تعريفات، الا زعمهم بقدم الهيولى والصورة باطل۔

قالوا: الجوهر هو الماهية التى اذا وجدت فى الأعيان كانت لا فى موضوع، وأما العرض فهو الموجود فى موضوع، ثم الجوهر ان كان محلا فهو الهيولى، وان كان حالا فهو الصورة، وان لم يكن حالا ولا محلا فان كان مركبا منهما فهو الجسم الطبعى، وان لم يكن كذلك فان كان متعلقا بالأجسام تعلق التدبير والتصرف فهو النفس، والا فهو العقل۔ قلنا: لا نزاع فى الاصطلاحات، وأبطلنا زعمهم بالقدم۔

قالوا: والجوهر ليس جنسا لهذه الأقسام الخمسة، اذ لو كان جنسا لكان مايدخل تحته مركبا من جنس و فصل، وليس كذلك لأن النفس ليست مركبة منها، قلنا: يحتمل الصدق والكذب۔............قالوا: وأما أقسام العرض فتسعة:

١۔ الكم ٢۔ والكيف ٣۔ والأين ٤۔ والمتى ٥۔ والاضافة ٦۔ والملك ٧۔ والوضع ٨۔ والفعل ٩۔ والانفعال

١۔ أما الكم: فهو الذى يقبل المساواة واللامساواة لذاته، وينقسم الى منفصل كالعدد والى متصل قار الذات، وهو المقدار كالخط والسطح والثخن، والى منفصل غير قار الذات، وهو الزمان...............٢۔ وأما الكيف: فهو هيئة فى شىء لا تقتضى لذاته قسمة ولا نسبة، وينقسم الى كيفيات محسوسة راسخة، كحلاوة العسل وملوحة ماء البحر، وغير راسخة كحمرة الخجل وصفرة الوجل، والى كيفيات نفسانية مطلقا، وهى حالات

كالكتابة فى ابتداء الخلقة، وملكات كالكتابة بعد الرسوخ والعلم وغير ذلك، والى كيفيات استعدادية، نحو الدفع كالصلابة، أونحو الانفعال كاللين والى كيفيات مختصة بالكميات كالمثلثية والمربعية والزوجية والفردية۔

۳۔ وأما الأين: فهو حالة تحصل للشى بسبب حصوله فى المكان۔

۴۔ وأما المتى: فهو حالة للشىء بسبب حصوله فى الزمان۔

۵۔ وأما الاضافة: فيه حالة نسبية متكررة كالأبوة والبنوة۔

۶۔ وأما الملك: فهو حالة تحصل للشىء بسبب ما يحيط به، ككون الانسان متعمما أو متقمصا۔

۷۔ وأما الوضع: فهو هيئة حاصلة للشىء بسبب نسبة أجزائه بعضها الى بعض، وبسبب نسبتها الى الأمور الخارجية، كالقيام والقعود۔........۸۔ وأما الفعل: فهو حالة تحصل للشىء بسبب تأثيره فى غيره، كالقاطع ما دام يقطع۔........۹۔ وأما الانفعال: فهو حالة تحصل للشىء بسبب تأثره عن غيره كالمستخن ما دام يستخن۔........قلنا، هذه اصطلاحات معينة فى العلوم۔

قالوا: بثبوت الواجب لذاته، وهو الذى اذا اعتبر من حيث هو هو، لا يكون قابلا للعدم، قلنا، ذلك كذلك۔

فصل فى العلم بالصانع وصفاته

قالوا: ان وجود واجب الوجود نفس حقيقته۔ قلنا، لا يجوز الجزم فى أحكام الصفات النظرية بما لم يرد فيه نص شرعى، قالوا: ان وجوب واجب الوجود وتعينه فى ذاته، قلنا: ما قلنا

قبل. قالوا: ان الواجب لذاته واجب من جميع جهاته، أي ليس له حالة منتظرة غير حاصلة. قلنا: صدقوا. قالوا: ان الواجب لذاته لا يشارك الممكنات في وجوده. قلنا: بحر لا ساحل له، غرق فيه العقول والكشوف، ولم يصل أحد الى قعره. قالوا: ان الواجب لذاته عالم بذاته. قلنا: صدقوا.

قالوا: ان الواجب لذاته عالم بالكليات. قلنا: صدقوا. قالوا: ان الواجب لذاته عالم بالجزئيات المتغيرة على وجه كلي قلنا: كذبوا، وأتوا بالفرية لو لم يؤول. قالوا: ان الواجب لذاته مريد للأشياء، وجواد. قلنا: قد غروا المسلمين في اثباتهم للارادة، حيث يتبادر منها اثبات الاختيار، وهم لا يقولون به، وينكرون الحق. وأخلصوا في اثباتهم الجود.

فصل في العقول

قالوا: بثبوت العقل. قلنا: لا يستحيل وجود المجرد، ويستحيل قدمه، وكذا ما بنوا عليه ثبوته من امتناع صدور الكثير عن الواحد الحق باطل. قالوا بثبوت كثرة العقل، قلنا: ما قلنا قبل. قالوا بأزلية العقول وأبديتها. قلنا: قدم بطلان القدم. قالوا بتوسط العقول بين البارئ تعالى وبين العالم الجسماني.........قلنا: بناء الفاسد على الفاسد.

خاتمة

قالوا بنفي النعيم والألم الجسماني بعد الموت. قلنا يرده المنصوص القطعية.

فصل فى ما يتعلق بالفلسفة الجديدة

قالوا: المادة وحركتها قديمتان غير معلولتان بعلة. قلنا: الأمران باطلان. قالوا: لا حاجة الى الصانع القديم. قلنا: هو افك من الشيطان الرجيم. قالوا: الأشياء مؤثرة بطبعها تأثيرا لازما يمتنع انفكاكها، ومن ثم أنكروا الخوارق والمعراج. قلنا: باطل وزور أصله وفرعه.........قالوا: طريق حدوث تنوعات العالم هو النشو، أى اشتقاق نوع من نوع آخر، لا كون كل مستقلا بالخلق. قلنا: يبطله ظاهر النصوص. قالوا: لا جنة ولا نار ولا ملك ولا جن قلنا: كلها موجودة مدلولة، للدلائل القطعية. قالوا: لا معاد. قلنا: سترون ان شاء الله تعالى.

فصل فى ما يتعلق بالهيئة البطلميوسية

قالوا: كل جسم بسيط اذا خلى وطبعه فهو كرى الشكل. قلنا: مبنى على فاسدين: وجود الطبيعة المؤثرة المستقلة وامتناع صدور الكثير عن الواحد. قالوا: الأفلاك تسعة. قلنا: مقدمات دليل الدعوى كلها فاسدة، والدليل القطعى ناطق بكونها سبعة. قالوا: وليس وراء الفلك الأعظم شىء لا خلاء ولا ملاء. قلنا: لا دليل عليه، بل مقدماته من امتناع الخلاء وغيره باطلة بالدليل.........قالوا: من الدوائر العظيمة دائرة البروج. قلنا: لا شغب فى الاصطلاح. نعم، لا يجوز بها تفسير البروج القرآنية. قالوا: ما يعرض للكواكب معللة بحركة التداوير

والخوارج. قلنا: لا ننكر الأثيات، ولا نقر باللميات، بل ظاهر القرآن يدل على أن العلة لها الحركة الذاتية للكواكب.

فصل فيما يتعلق بالهيئة الفيثاغورسية

قالوا: ان السماوات ليست بموجودة. قلنا: باطل بالدليل. قالوا: ان الأرض متحركة. قلنا لا نصدق، ولا نكذب. قالوا: ان هذه الزرقة المرئية ليست بسماء قلنا: يحتمل الصدق، وليس من لوازمه نفي السماوات، بل يمكن أن تكون السماء وراء هذه الزرقة. والله أعلم بحقائق الأمور.

وكان ختامه لاحدى وعشرين من شعبان ١٣٢١
من الهجرة في تهانه بهون.

تلخيص البداية

قال الجامع عفى عنه.

بسم الله الرحمن الرحيم

وبعد، فهذا (تلخيص البداية) مع زيادات فيها من (الأربعين) كلاهما للغزالى، الا كلمات وجملا يسيرة رابطة بينهما، فانهما لى والله الهادى للمقدم والتالى.

قال الشيخ الامام العالم والعلامة حجة الاسلام و بركة الأنام أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالى الطوسى. قدس الله روحه و نور ضريحه. آمين: الحمد لله حق حمده، والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وآله وصحبه من بعده.

أما بعد، فاعلم أيها الحريص المقبل على اقتباس العلم المظهر من نفسه صدق الرغبة وفرط التعطش اليه، انك ان كنت تقصد بطلب العلم المنافسة والمباهاة والتقدم على الأقران واستمالة وجوه الناس اليك وجمع حطام الدنيا، فأنت ساع فى هدم دينك وهلك نفسك وبيع آخر تك بدنياك، فصفقتك خاسرة وتجارتك بائرة ومعلمك معين لك على عصيانك وشريك لك فى خسرانك، وهو كبائع سيف من قاطع

طریق، کما قال صلی الله علیه وسلم: من اعان علی معصیة ولو بشطر کلمة، کان شریکا له فیها .... وان کانت نیتك وقصدك بینك وبین الله تعالی من طلب العلم الهدایة، دون مجرد الروایة فابشر، فان الملائکة تبسط لك أجنحتها اذا مشیت، وحیتان البحر تستغفر لك اذا سعیت، ولکن ینبغی لك أن تعلم قبل کل شیء أن الهدایة التی هی ثمرة العلم لها بدایة ونهایة وظاهر، وباطن، ولا وصول الی نهایتها الا بعد احکام بدایتها، ولا عثور علی باطنها الا بعد الوقوف علی ظاهرها۔

وها أنا مشیر علیك ببدایة الهدایة، لتجرب بها نفسك وتمتحن بها قبلك، فان صادفت قبلك الیها مائلا، ونفسك بها مطاوعة ولها قابلة، فدونك التطلع الی النهایات والتغلغل فی بحار العلوم، وان صادفت قبلك عند مواجهتك ایاها بها مسوفا، وبالعمل بمقتضاها مماطلا، فاعلم أن نفسك المائلة الی طلب العلم هی النفس الأمارة بالسوء، وقد انتهضت مطیعة للشیطان اللعین، لیدلیك بحبل غروره، فیستدرجك بمکیدته الی غمرة الهلاك، وقصده أن یروج علیك الشر فی معرض الخیر، حتی یلحقك بالأخسرین أعمالا الذین ضل سعیهم فی الحیاة الدنیا، وهم یحسبون أنهم یحسنون صنعا۔

وعند ذلك یتلوا علیك الشیطان فضل العلم و درجة العلماء وما ورد فیه من الآثار والأخبار، ویلهیك عن قوله صلی الله علیه وسلم: من ازداد علما ولم یزدد هدی: لم یزدد من الله الا بعدا،

وعن قوله صلى الله عليه وسلم: اشد الناس عذابا يوم القيامة عالم لم ينفعه الله بعلمه. وكان صلى الله عليه وسلم: يقول: اللهم انى أعوذبك من علم لا ينفع، وقلب لا يخشع، وعمل لا يرفع، ودعاء لا يسمع ، وعن قوله صلى الله عليه وسلم: مررت ليلة اسرى بى بأقوام تقرض شفاههم بمقاريض من نار، فقلت: من أنتم؟ قالوا: كنا نأمر بالخير والانأتيه، وننهى عن الشر ونأتيه.

فاياك يا مسكين، أن تذعن لتزويره فيدليك بحبل غروره فويل للجاهل حيث لم يتعلم مرة واحدة، وويل للعالم حيث لم يعمل بما علم ألف مرة.

واعلم أن الناس فى طلب العلم على ثلاثة أحوال

١. رجل طلب العلم، ليتخذه زاده الى المعاد، ولم يقصد به الا وجه الله والدار الآخرة، فهذا من الفائزين.......... ٢. ورجل طلبه ليستعين به على حياته العاجلة، وينال به العز والجاه والمال، وهو عالم بذلك مستشعر فى قلبه ركاكة حاله وحسة مقصده، فهذا من المخاطرين، فان عاجله أجله قبل التوبة خيف عليه من سوء الخاتمة، وبقى أمره فى خطر المشيئة. وان وفق للتوبة قبل حلول الأجل، وأضاف الى العلم العمل، وتدارك ما فرط من الخلل، التحق بالفائزين، فان التائب من الذنب كمن لا ذنب له.

٣. ورجل ثالث استحوذ عليه الشيطان فاتخذ علمه ذريعة الى التكاثر بالمال، والتفاخر بالجاه، والتعزز بكثرة الأتباع، يدخل بعلمه كل مدخل، رجاء أن يقضى من الدنيا وطره، وهو مع ذلك

يضمر فى نفسه أنه عندالله بمكان، لاتسامه بسمة العلماء وترسمه برسومهم فى الزى والمنطق مع تكالبه على الدنيا ظاهرا وباطنا. فهذا من الهالكين ومن الحمقى المغرورين، اذ الرجاء منقطع عن توبته، لظنه أنه من المحسنين، وهو غافل عن قوله تعالى: (يايها الذين امنوا لم تقولون ما لا تفعلون) "الصف:٢" وهو ممن قال فيهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: انا من غير الدجال اخوف عليكم من الدجال، فقيل: وما هو يارسول الله؟

فقال: علماء السوء

وهذا لأن الدجال غايته الاضلال، ومثل هذا العالم وان صرف الناس عن الدنيا بلسانه ومقاله فهو داع لهم اليها بأعماله وأحواله، ولسان الحال أفصح من لسان المقال، وطباع الناس الى المشاهدة فى الأعمال اميل منها الى المتابعة فى الأقوال، فما أفسده هذا المغرور بأعماله أكثر مما أصلحه بأقواله، اذ لا يستجرئ الجاهل على الرغبة فى الدنيا الا باستجراء العلماء، فقد صار علمه سببا لجرأة عباد الله على معاصيه، ونفسه الجاهلة مدلة مع ذلك تمنيه وترجيه، وتدعوه الى أن يمن على الله بعلمه، وتخيل اليه نفسه أنه خير من كثير من عباد الله۔

فكن أيها الطالب من الفريق الأول، واحذر أن تكون من الفريق الثانى، فكم من مسوف عاجله الأجل قبل التوبة فخسر۔ واياك ثم اياك أن تكون من الفريق الثالث فتهلك هلاكا لا يرجى معه فلاحك ولا ينتظر صلاحك۔

فان قلت: فما بداية الهداية ؟ لاجرب بها نفسى، فاعلم أن بدايتها ظاهرة التقوى، ونهايتها باطنة التقوى، فلا عاقبة الا بالتقوى، ولا هداية الا للمتقين.

و (التقوى): عبارة عن امتثال أوامر الله تعالى واجتناب نواهيه، فهما قسمان، وها أنا أشير عليك بجملة مختصرة من ظاهر علم التقوى فى القسمين جميعا۔

١۔ القسم الأول فى الطاعات

اعلم أن أوامر الله فرائض ونوافل، فالفرض رأس المال، وهو أصل التجارة، وبه تحصل النجاة۔ والنفل هو الربح، وبه الفوز فى الدرجات۔ قال صلى الله عليه وسلم: يقول الله تعالى: ما يتقرب الى المتقربون بمثل أداء ما افترضت عليهم، ولا يزال العبد يتقرب الى بالنوافل، حتى أحبه، فاذا أحببته كنت سمعه الذى يسمع به، وبصره الذى يبصر به، ولسانه الذى ينطق به، ويده التى يبطش بها، ورجله التى يمشى بها ولن تصل أيها الطالب الى القيام بأوامر الله تعالى الا بمراقبة قلبك، وجوارك فى لحظاتك، وأنفاسك من حين تصبح الى حين تمسى۔

فاعلم أن الله تعالى مطلع على ضميرك، ومشرف على ظاهرك وباطنك، ومحيط بجميع لحظاتك وخطراتك وخطواتك وسائر سكناتك وحركاتك۔ وانك فى مخالطتك وخلواتك متردد بين يديه، فلا يسكن فى الملك والملكوت ساكن ولا يتحرك متحرك الا وجبار السماوات والأرض مطلع عليه (يعلم خائنة الأعين

وما تخفى الصدور) ويعلم السر وأخفى۔"غافر:٩١"

فتادب أيها المسكين ظاهرا وباطنا بين يدى الله تعالى تأدب العبد الذليل المذنب فى حضرة الملك الجبار القهار، واجتهد أن لا يراك مولاك حيث نهاك، ولا يفقدك حيث أمرك، ولن تقدر على ذلك الا بأن توزع أوقاتك وترتب أورادك من صباحك الى مسائك، فأصغ الى ما يلقى اليك من أوامر الله تعالى عليك من حين تستيقظ من منامك الى وقت رجوعك الى مضجعك۔

فصل فى آداب الاستيقاظ من النوم

فاذا استيقظت من النوم فاجتهد أن تستيقظ قبل طلوع الفجر، وليكن أول ما يجرى على قبلك لسانك ذكر الله تعالى۔ فاذا لبست ثيابك فانو به امتثال أوامر الله تعالى فى ستر عورتك، واحذر أن يكون قصدك من لباسك مراءاة الخلق فتخسر۔

باب آداب دخول الخلاء

فاذا قصدت بيت الماء لقضاء الحاجة:

١۔ فقدم فى الدخول رجلك اليسرى ٢۔ وفى الخروج رجلك اليمنى ٣۔ ولا تستصحب شيئا عليه اسم الله تعالى ٤۔ ولا تدخل حاسر الرأس ولا حافى القدمين ٥۔ وقل عند الدخول: بسم الله، أعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ ٦۔ وعند الخروج: غفرانك، الحمد لله الذى اذهب عنى ما يؤذينى، وأبقى على ما ينفعنى

٧۔ وينبغى أن لا تستنجى بالماء فى موضع الحاجة۔

٨۔ وأن تستبرئ من البول بالتنحنح والنثر ثلاثا وبامرار اليد

اليسرى على أسفل القضيب ۹۔ وان كنت فی الصحراء فابعد عن عيون الناظرين، واستتر بشيء ان وجدته۔ ۱۰۔ ولا تكشف عورتك قبل الانتهاء الى موضع الجلوس۔ ۱۱۔ ولا تستقبل القبلة ولا الشمس ولا القمر ولا تستدبرها۔ ۱۲۔ ولا تبل فی متحدث الناس، ۱۳۔ ولا تبل فی الماء الراكد، وتحت الشجرة المثمرة، ولا فی الجحر۔ ۱۴۔ واحذر الأرض الصلبة ومهب الريح، احترازا من الرشاش، لقوله صلى الله عليه وسلم (ان عامة عذاب القبر منه۔

۱۵۔ واتكئ فی جلوسك على الرجل اليسرى۔ ۱۶۔ ولا تبل قائما الا عن ضرورة۔ ۱۷۔ واجمع فی الاستنجاء بين استعمال الحجر والماء، فاذا أردت الاقتصار على أحدهما فالماء أفضل۔ ۱۸۔ وان اقتصرت على الحجر فعليك أن تستعمل ثلاثة أحجار طاهرة منشفة للعين، تمسح بها محل النجو، بحيث لا تنتقل النجاسة عن موضعها۔ ۱۹۔ وكذلك تمسح القضيب فی ثلاثة مواضع من حجر، فان لم يحصل الانقاء بثلاثة فتمم خمسة أو سبعة الى أن ينقى بالايتار، فالايتار مستحب، والانقاء واجب۔ ۲۰۔ ولا تستنج الا باليد اليسرى۔ ۲۱۔ وقل عند الفراغ من الاستنجاء: اللهم طهر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش۔ ۲۲۔ وادلك يديك بعد تمام الاستنجاء بالأرض أو بحائط، ثم اغسلها۔

آداب الوضوء

فاذا فرغت من الاستنجاء فلا تترك السواك، فانه مطهرة للفم ومرضاة للرب ومسخطة للشيطان، وصلاة بسواك أفضل

من سبعين صلاة بلا سواك. وری عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لو لا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواك فی كل صلاة. وعنه صلی الله عليه وسلم: أمرت بالسواك حتی خشيت أن يكتب علی.

ثم اجلس للوضوء مستقبل القبلة علی موضع مرتفع كيلا يصيبك الرشاش. واجتنب فی وضوئك سبعا:

١. لا تنفض يديك فترش الماء.

٢. ولا تلطم رأسك ووجهك بالماء لطما.

٣. ولا تتكلم فی أثناء الوضوء بما لا يعنی.

٤. ولا تزد فی الغسل علی ثلاث مراتٍ.

٥. ولا تكثر صب الماء من غير حاجة بمجرد الوسوسة، فللموسوسين شيطان يعلب بهم، يقال له: الولهان.

٦. ولا تتوضأ بالماء المشمس، فهذه مكروهة فی الوضوء.

٧. وفی الخبر أن من ذكر الله عند وضوئه طهر الله جسده كله، ومن لم يذكر الله لم يطهر منه الا ما أصابه الماء.

آداب الغسل

فاذا أصابتك جنابة من احتلام أو وقاع فاحمل الاناء الی المغتسل: ١. واغسل يديك أولا ثلاثا.

٢. وأزل ما علی بدنك من قذر. ٣. وتوضأ كما سبق وضوءك للصلاة، وأخر غسل رجليك كيلا يضيع الماء.

٤. فاذا فرغت من الوضوء فصب الماء علی رأسك ثلاثا، وأنت

ناور فع الحدث من الجنابة.۵. ثم على شقك الأيمن ثلاثا
۶. ثم على الأيسر ثلاثا. ۷. وادلك ما أقبل من بدنك وما أدبر
۸. وخلل شعر رأسك ولحيتك. ۹. وأوصل الماء الى معاطف البدن ومنابت الشعر ما خف منه وما كثف.

فما فضل من الصلاة من أوقاتك فلك فيه أربع حالات

۱. الحالة الأولى: وهى الأفضل، أن تصرفه فى طلب العلم النافع، دون الفضول الذى أكب الناس عليه، وسموه علما.

و (العلم النافع) ما يزيد فى خوفك من الله تعالى، ويزيد فى بصيرتك بعيوب نفسك، ويزيد فى معرفتك بعبادة ربك، ويقلل من رغبتك فى الدنيا، ويزيد فى رغبتك فى الآخرة، ويفتح بصيرتك بآفات أعمالك حتى تحترز منها، ويطلعك على مكائد الشيطان و غروره و كفية تلبيسه على علماء السوء، حتى عرضهم لمقت الله تعالى وسخطه، حيث اشتروا الدنيا بالدين، وا تخذوا العلم ذريعة ووسيلة الى أخذ أموال السلاطين، وأكل أموال الأوقاف واليتامىٰ والمساكين، وصرفوا همتهم طول نهارهم الى طلب الجائه والمنزلة فى قلوب الخلق، واضطرهم ذلك الى المراء والممارأة والمناقشة فى الكلام والمباهاة.

وهذا الفن من العلم النافع قد جمعناه فى كتاب (احياء علوم الدين) فان كنت من اهله فحصله واعمل به، ثم علمه وادع اليه. فمن علم ذلك ثم عمل به ثم دعا اليه، فذلك يدعى عظيما فى

ملکوت السماوات بشهادة عیسی علیه السلام۔

فاذا فرغت من ذلك، و فرغت من اصلاح نفسك ظاهرا وباطنا، وفضل شیء من أوقاتك، فلا بأس أن تشتغل بعلم المذهب فی الفقه، لتعرف به الفروع النادرة فی العبادات، وطریق التوسط بین الخلق فی الخصومات عند انكبابهم علی الشهوات، فذلك أیضا عند الفراغ من هذه المهمات من جملة فروض الكفایات.........۲۔الحالة الثانیة: أن لا تقدر علی تحصیل العلم النافع، لكن تشتغل بو ظائف العبادات من الذكر والقرآن والتسبیحات والصلاة، فذلك من درجة العابدین وسیر الصالحین، وتكون أیضا بذلك من الفائزین۔

فصل: واعلم أن لقراءة القرآن آدابًا ظاهرةً وأسرارا باطنة

أما الآداب الظاهرة: فأن تقرأ باحترام و تعظیم، وهیئة الحرمة أن تجلس وأنت علی الطهارة ساكنا مطرقا مستقبل القبلة غیر متكئ ولا متربع ولا نائم كما تجلس بین یدی المقرئ، وتقرأ بترتیل وتفخیم، وتؤدیه حرفا بعد حرف من غیر هذرمة۔

وأما الأسرار الباطنة: فالأول: أن تستشعر فی أول قراءتك عظمة الكلام باستشعار تعظیم المتكلم، فتحضر فی قلبك العرش والكرسی والسماوات والأرض وما بینهما من الجن والأنس والحیوانات والنباتات، وتتذكر أن الخالق لجمیعها واحد، وأن الكل فی قبض قدرته مردودون بین فضله

ورحمته، وانك تريد أن تقرأ كلامه، وتنظر به الى صفة ذاته، وتطالع جمال علمه وحكمته، وتعلم أنه كما لا يمس ظاهر المصحف الا المطهرون بظواهرهم، فهو محجوب عن غيرهم، فكذلك حقيقة معناه وباطنه محجوب عن باطن القلب، الا اذا كان مطهرا من كل رجس و خبث من خبائث الباطن، ولمثل هذا التعظيم كان عكرمة رضى الله عنه اذا نشر المصحف ربما غشى عليه، ويقول: هذا كلام ربى۔

الثانى: أن تقرأ متدبرا لمعانيه ان كنت من أهله، وكل ما جرى لسانك به فى غفلة فأعده، ولا تعتد به من عملك، لأن الترتيل فى الظاهر ممكن فى التدبر۔

الثالث: أن لا تقتصر على اقتباس الأنوار، بل تضيف اليه اقتباس الأحوال والآثار، وذلك أن لاتقرأ آية الا أن تصير بصفتها، فيكون لك بحسب كل فهم حال ووجد، فعند ذكر الرحمة ووعد المغفرة تستبشر كانك تطير من الفرح، وعند ذكر الغضب وشدة العقاب تتضاءل كأنك تموت من الفزع، وعند ذكر الله وأسمائه وعظمته تتطأطأ وتتصاغر كأنك تنمحق من مشاهدة الجمال، وعند ذكر الكفار ما يستحيل عليه من ولد وصاحبة تنكسر وتغض الصوت كأنك تنطمس من الحياء۔

وليظهر أثر ذلك على جوارحك من بكاء عند الخوف، وعرق جبين عند الحياء، واقشعرار جلد وارتعاد فرائص عند الهيبة والاجلال، وانبساط فى الأعضاء واللسان والصوت عند

الاستبشار، وانقباض فيها عند الاستشعار

۳۔ الحالة الثالثة: أن تشتغل بما يصل منه خير للمسلمين، ويدخل به سرور على قلوب المؤمنين، أو يتيسر به الأعمال الصالحة للصالحين، كخدمة الفقهاء والصوفية وأهل الدين، والتردد فى أشغالهم، والسعى فى اطعام الفقراء والمساكين، والتردد مثلا على المرضى بالعيادة، وعلى الجنائز بالتشييع، فكل ذلك أفضل من النوافل، فان هذه عبادات وفيها رفق للمسلمين۔

۴۔ الحالة الرابعة: ان لم تقو على ذلك فاشتغل بحاجاتك اكتسابا على نفسك أو عيالك وقد سلم المسلمون منك، وأمنوا من لسانك ويدك، وسلم لك دينك، اذلم ترتكب معصية فتنال به درجة أصحاب اليمين، ان لم تكن من أهل الترقى الى مقامات السابقين۔.................فهذه أقل الدرجات فى مقامات الدين، وما بعد هذا فهو من مراتع الشياطين، وذلك بأن تشتغل ۔ والعياذ بالله ۔ بما يهدم دينك، أو تؤذى عبدا من عباد الله، فهذه رتبة الهالكين، واياك أن تكون فى هذه الطبقة۔

واعلم أن العبد فى حق دينه على ثلاث درجات

۱۔ اما سالم: وهو المقتصر على أداء الفرائض وترك المعاصى۔

۲۔ أو رابح: وهو المتطوع بالقربات والنوافل

۳۔ أو خاسر: وهو المقصر عن اللوازم

فان لم تقدر أن تكون رابحا فاجتهد أن تكون سالما، واياك ثم اياك أن تكون خاسرا۔

والعبد فی حق سائر العبادله ثلاث درجات

۱۔ الأولى: أن ينزل فى حقهم منزلة الكرام البررة من الملائكة، وهو أن يسعى فى أغراضهم، رفقا بهم وادخال السرور على قلوبهم.........۲۔ الثانية: أن ينزل فى حقهم منزلة البهائم والجمادات، فلا ينالهم خيره، ولكن يكف عنهم شره۔

۳۔ الثالثة: أن ينزل فى حقهم منزلة العقارب والحيات والسباع الضاربات لا يرجى خيره، ويتقى شره۔ فان لم تقدر أن تلتحق بأفق الملائكة فاحذر أن تنزل عن درجة البهائم والجمادات الى مراتب والعقارب والحيات والسباع الضاربات، فان رضيت لنفسك النزول من أعلى عليين فلا ترض لها بالهوى الى أسفل السافلين، فلعلك تنجو كفافا، لا لك ولا عليك۔

فعليك فى بياض نهارك أن لا تشتغل الا بما ينفعك فى معادك أو معاشك الذى لا تستغنى عنه، وعن الاستعانة به على معادك أو معاشك، فان عجزت عن القيام بحق دينك مع مخالطة الناس وكنت لا تسلم: فالعزلة أولى لك، فعليك بها، ففيها النجاة والسلامة.........فان كانت الوساوس فى العزلة تجاذبك الى ما لا يرضى الله تعالى، ولم تقدر على قمعها بوظائف العبادات: فعليك بالنوم، فهو أحسن أحوالك و أحوالنا اذا عجزنا عن الغنيمة، رضينا بالسلامة فى الهزيمة، فما أخس حال من سلامة دينه فى تعطيل حياته، اذ النوم أخو الموت، وهو تعطيل الحياة والتحاق بالجمادات۔ ولا ينبغى أن تكون أوقاتك مهملة، فتشتغل فى كل

وقت بما اتفق كيف اتفق، بل ينبغى أن تحاسب نفسك، وترتب أورادك ووظائفك فى ليلك ونهارك، وتعين لكل وقت شغلا لا تتعداه، ولا تؤثر فيه سواه، فبذلك تظهر بركة الأوقات۔

فأما اذا تركت نفسك سدى مهملاً اهمال البهائم لا تدرى بما ذاتشتغل فى كل وقت فينقضى أكثر أوقاتك ضائعا وفاتك عمرك، وعمرك رأس مالك، وعليه تجارتك، وبه وصولك الى نعيم دار الأبد فى جوار الله تعالى، فلك نفس من أنفاسك جوهرة لا قيمة لها؛ اذلا بدل له، فاذا فات فلا عودله۔

فلا تكن كالحمقى المغرورين الذين يفرحون كل يوم بزيادة أموالهم مع نقصان أعمارهم، فأى خير فى مال يزيد وعمر ينقص، ولا تفرح الا بزيادة علم أو عمل صالح؛ فانهما رفيقاك يصحبانك فى القبر، حيث يتخلف عنك أهلك ومالك وولدك وأصدقاؤك۔

ثم اشتغل بعد ذلك بمذاكرة علم ومطالعة كتاب، ولا تشتغل باللهو واللعب، فيكون ذلك خاتمة أعمالك قبل نومك؛ فان الأعمال بخواتيمها۔

آداب النوم

فاذا أردت النوم فراشك مستقبل القبلة، ونم على يمينك، كما يضجع الميت فى لحده................ واعلم أن النوم مثل الموت، واليقظة مثل البعث، ولعل الله تعالى يقبض روحك فى ليلتك، فكن مستعدا للقائه، بأن تنام على طهارة، وتكون وصيتك مكتوبة تحت رأسك، وتنام تائبًا من الذنوب مستغفرا

عازما على أن لا تعود الى معصية. واعزم على الخير لجميع المسلمين ان بعثك الله تعالى، وتذكر أنك ستضجع فى اللحد كذلك وحيدًا فريدًا، ليس معك الا عملك، ولا تجزى الا بسعيك.

* ولا تستجلب النوم تكلفا بتمهيد الفرش الوطيئة؛ فان النوم تعطيل الحياة، الا اذا كانت يقظتك وبالا عليك، فنومك سلامة لدينك............... * واعلم أن الليل والنهار أربع وعشرون ساعة، فلا يكون نومك بالليل والنهار أكثر من ثمان ساعات، فيكفيك ان عشت مثلًا ستين سنةً أن تضيع منها عشرين سنةً، وهو ثلث عمرك، فاذا استيقظت فارجع الى ما عرفتك أولا، وداوم على هذا الترتيب بقية عمرك.

* فان شقت عليك المداومة فاصبر صبر المريض على مرارة الدواء انتظارًا للشفاء، وتفكر فى قصر عمرك، وان عشت مثلًا مائة سنةً فهى قليلة؛ لاضافة الى مقامك فى الدار الآخرة، وهى أبد الآباد. وتأمل أنك كيف تتحمل المشقة والذل فى طلب الدنيا شهرًا أوسنةً، رجاء أن تستريح بها عشرين سنةً مثلاً، فكيف لا تتحمل ذلك أياما قلائل، رجاء الاستراحة أبدا لآباد.

* ولا تطول أملك فيثقل عليك عملك، وقدر قرب الموت، وقل فى نفسك: انى أتحمل المشقة اليوم فلعلى أموت الليلة، وأصبر الليلة فلعلى أموت غدا؛ فان الموت لا يهجم فى وقت مخصوص وحال مخصوص وسن مخصوص، فلا بد من هجومه، فالا ستعداد له أولى من الاستعداد للدنيا.

*وأنت تعلم أنك لا تبقى فيها الا مدة يسيرة، ولعلة لم يبق من أجلك الا يوم واحد أو نفس واحد، فقدر هذا فى قلبك كل يوم، وكلف نفسك الصبر على طاعة الله يومًا يومًا، فانك لو قدرت البقاء خمسين سنةً، وألزمتها الصبر على طاعة الله تعالى نفرت واستصعبت عليك، فان فعلت ذلك فرحت عند الموت فرحا لا آخر له، وان سوفت وتساهلت جاءك الموت فى وقت لا تحتسبه، وتحسرت تحسرا لا آخرله۔ عند الصباح يحمد القوم السرى، وعند الموت يأتيك خبر العقبى۔ (ولتعلمن نباه بعد حين) "ص: ۸۸"

آداب الصلاة

فاذا فرغت من طهارة الخبث، وطهارة الحدث فى البدن والثياب والمكان، فاستقبل القبلة، وأحضر قبلك وفرغه من الوسواس، وانظر بين يدى من تقوم ومن تناجى، واستحى أن تناجى مولاك بقلب غافل وصدر مشحون بوسواس الدنيا وخبائث الشهوات۔

واعلم أن الله تعالى مطلع على سريرتك، وناظر الى قبلك؛ فانما يتقبل الله من صلاتك بقدر خشوعك وخضوعك وتواضعك وتضرعك، واعبده فى صلاتك كأنك تراه، فان لم تكن تراه فانه يراك۔ فان لم يحضر قلبك ولم تسكن جوارحك فهذا لقصور معرفتك بجلال الله تعالى، فقدر أن رجلاً صالحًا من وجوه أهل بيتك ينظر اليك؛ ليعلم كيف صلاتك، فعند ذلك يحضر قلبك وتسكن جوارحك، ثم ارجع الى نفسك فقل: يا نفس السوء، ألا

تستحيي من خالقك ومولاك؛ اذ قدرت اطلاع عبد ذليل من عباده اطلع عليك، وليس بيده نفعك ولا ضرك: خشعت جوارحك وحسنت صلاتك؛! ثم انك تعلمين أنه مطلع عليك، ولا تخشعين لعظمته؛ أهو تعالى عندك أقل من عبد من عباده؛ فما أشد طغيانك وجهلك! وما أعظم عداوتك لنفسك!

فعالج قلبك بهذه الحيل فعساه أن يحضر معك فى صلاتك، فانه ليس لك من صلاتك الا ما عقلت منها. وأما ما أتيت به مع الغفلة والسهو فهو الى الاستغفار والتكفير أحوج. وعماد الصلاة الخشوع وحضور القلب مع القراءة والذكر بالفهم. وقال الحسن البصرى رحمة الله عليه: كل صلاة لا يحضر فيها القلب فهى الى العقوبة أسرع. وقال صلى الله عليه وسلم: ان العبد ليصلى الصلاة فلا يكتب له منها سدسها ولا عشرها، وانما يكتب للعبد من صلاته بقدر ما عقل منها

آداب الصيام

ولا تظن اذا صمت أن الصوم هو ترك الطعام والشراب والوقاع فقط. فقد قال صلى الله عليه وسلم: كم من صائم ليس له من صيامه الا الجوع والعطش. بل تمام الصيام بكف الجوارح كلها عما يكره الله تعالى، فينبغى أن تحفظ العين عن النظر الى المكاره، واللسان عن النطق بما لا يعنيك، والأذن عن الاستماع الى ما حرم الله، فان المستمع شريك القائل، وهو أحد المغتابين، وكذلك تكف جميع الجوارح، كما تكف البطن

والفرج. ففى الخبر: خمس يفطرن الصائم: الكذب، والغيبة، والنميمة والنظر بشهوة، واليمين الكاذبة. وقال صلى الله عليه وسلم: انما الصوم جنة، فاذا كان أحدكم صائما فلا يرفث ولا يفسق ولا يجهل، فان امرؤ قاتله أو شاتمه فليقل: انى صائم.

ثم اجتهد أن تفطر على طعام حلال، ولا تستكثر فتزيد على ما تأكله كل ليلة؛ لأجل صيامك، فلا فرق اذا استوفيت ما تعتاد أن تأكله دفعةً أو دفعتين، وانما المقصود كسر شهوتك و تضعيف قوتك التقوى بها الى التقوى، فاذا أكلت عيش ما فاتك فقد تداركت به ما فاتك، فلا فائدة فى صومك، وقد ثقلت عليك معدتك.

فهذا القدر يكفيك من شرح الطاعات من (بداية الهداية) فاذا احتجت الى الزكاة أو الى الحج أو الى مزيد شرح الصلاة والصيام فاطلبه مما أوردناه فى كتاب (احياء علوم الدين).

۲۔ القسم الثانى القول فى اجتناب المعاصى

اعلم أن الدين شطران:

أحدهما: ترك المناهى. والآخر: فعل الطاعات.

وترك المناهى هو الأشد، فان الطاعات يقدر عليها كل أحد، وترك الشهوات لا يقدر عليها الا الصديقون. ولذلك قال صلى الله عليه وسلم: المهاجر من هجر السوء، والمجاهد من جاهد هواه.

* واعلم أنك انما تعصى الله بجوارحك، وانما هى نعمة من الله عليك وأمانة لديك، فاستعانتك بنعمة الله على معصيته غاية الكفران، وخيانتك فى أمانة أودعكها الله غاية الطغيان،

فأعضاؤك رعيتك، فانظر كيف ترعاها: فكلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته.....* واعلم أن جميع أعضائك ستشهد عليك فی عرصات القيامة بلسان طلق ذلق أی فصيح، تفضحك به على رؤوس الخلائق. قال الله تعالى: (يوم تشهد عليهم ألسنتهم وأيديهم وأرجلهم بما كانو يعملون) "النور: ٢٤" فاحفظ جميع بدنك وخصوصا أعضائك السبعة؛ فان الجهنم لها سبعة أبواب (لها سبعة أبواب لكل باب منهم جزء مقسوم)، ولا يتعين لتلك الأبواب الامن عصى الله بهذه الأعضاء السبعة: وهی:

١۔ العين ٢۔ والأذن ٣۔ واللسان ٤۔ والبطن ٥۔ والفرج ٦۔ واليد ٧۔ والرجل۔

١۔ أما العين: فانما خلقت لك؛ لتهتدی بها فی الظلمات، وتستعين بها فی الحاجات، وتنظر بها الی عجائب ملكوت الأرض والسماوات وتعتبر بما فيها من الآيات، فاحفظها عن ثلاث أو أربع:

١۔ أن تنظر بها الی غير محرم ٢۔ أو الی صورة مليحة بشهوة نفس ٣۔ أو تنظر بها الی مسلم بعين الاحتقار ٤۔ أو تطلع بها على عيب مسلم۔

٢۔ وأما الأذن: فاحفظها عن أن تصغی بها الی البدعة أو الغيبة أو من الفحش أو الخوض فی الباطل أو ذكر مساوئ الناس، فانما خلقت لك؛ لتسمع بها كلام الله تعالى أو سنة رسول الله صلی الله عليه وسلم وحكمة أوليائه، وتتوصل باستفادة العلم بها الی الملك المقيم والنعيم الدائم، فاذا أصغيت بها الی شیء من المكاره صار ما كان لك عليك، وانقلب ما كان سبب فوزك

يسبب هلاكك، فهذه غاية الخسران، ولا تظن أن الاثم يختص به القائل دون المستمع، ففي الخبر: أن المستمع شريك القائل، وهو أحد المغتابين........٣. وأما اللسان: فانما خلق لك، لتكثر به ذكر الله تعالى وتلاوة كتابه، وترشد به خلق الله تعالى الى طريقه، وتظهر به ما في ضميرك من حاجات دينك ودنياك. فاذا استعملته في غير ما خلق له فقد كفرت نعمة الله تعالى فيه، وهو أغلب أعضائك عليك وعلى سائر الخلق، ولا يكب الناس في النار على مناخرهم الا حصائد ألسنتهم.

فاستظهر عليه بغاية قوتك، حتى لا يكبك في قعر جهنم، ففي الخبر: ان الرجل ليتكلم بالكلمة ليضحك به أصحابه فيهوى بها في قعر جهنم سبعين خريفا. وقتل شهيد في المعركة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال قائل: هنيئًا له الجنة! فقال صلى الله عليه وسلم: ما يدريك؟ لعله كان يتكلم فيما لا يعنيه، ويبخل بما لا يغنيه؟

فاحفظ لسانك من ثمانية:

الأول: الكذب، فاحفظ منه لسانك في الجد والهزل، ولا تعود نفسك الكذب هزلا فيدعوك الى الكذب في الجد، والكذب من أمهات الكبائر. ثم انك اذا عرفت بذلك سقطت عدالتك وانتفى قولك وتزدريك الأعين وتحتقرك. واذا أردت أن تعرف قبح الكذب من نفسك فانظر الى كذب غيرك، والى نفرة نفسك عنه، واستحقارك لصاحبه، واستقباحك لما جاء به، وكذلك

فافعل فی جمیع عیوب نفسك. فانك لا تدری قبح عیوبك من نفسك بل من غیرك فما استقبحته من غیرك یستقبحه غیرك منك لا محالة فلا ترض لنفسك ذلك.

الثانی: الخلف فی الوعد فایاك أن تعد بشیء ولا تفی به بل ینبغی أن یکون احسانك الی الناس فعلا بلا قول فان اضطررت الی الوعد فایاك أن تخلف الا لعجز أو ضرورة فان ذلك من أمارات النفاق وخبائث الأخلاق قال صلی الله علیه وسلم: ثلاث من کن فیه فهو منافق، وان صام وصلی: من اذا حدث کذب واذا وعد أخلف واذا اؤتمن خان.

الثالث: حفظ اللسان من الغیبة والغیبة أشد من ثلاثین زنیة فی الاسلام. کذلك ورد فی الخبر. ومعنی الغیبة: أن تذکر انسانا بما یکرهه لو سمعه فأنت مغتاب ظالم وان کنت صادقا.

وایاك وغیبة القراء المرائین، وهو أن تفهم المقصود من غیر تصریح فتقول: أصلحه الله فقد ساءنی وغمنی ما جری علیه فنسأل الله أن یصلحنا وایاه فان هذا جمع بین خبیثین: أحدهما الغیبة اذ بها حصل التفهیم. والآخر تزکیة النفس والثناء علیها بالتحرج والصلاح.

ولکن ان کان مقصودك من قولك: (أصلحه الله) الدعاء فادع له فی السر. وان اغتممت بسببه فعلامته أنك لا ترید فضیحته واظهار عیبه وفی اظهارك الغم بعیبه ویکفیك زاجرا عن الغیبة قوله تعالی: {ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب أحدکم أن

يأكل لحم أخيه ميتا فكرهتموه) "الحجرات: ١٢) فقد شبهك الله بأكل لحم الميتة. فما أجدرك أن تحترز منها! ويمنعك عن غيبة المسلمين أمر لو تفكرت فيه، وهو أن تنظر في نفسك: هل فيك عيب ظاهر أو باطن؟ وهل أنت مقارف معصية سرا أو جهرًا؟

فاذا عرفت ذلك من نفسك فاعلم أن عجزه عن التنزه عما نسبته اليه كعجزك وعذره كعذرك، وكما تكره أن تفتضح وتذكر عيوبك فهو أيضا يكرهه، فان سترته ستر الله عليك، وان فضحته سلط الله عليك ألسنة حدادا يمزقون عرضك في الدنيا، ثم يفضحك الله في الآخرة على رؤوس الخلائق يوم القيامة۔

وان نظرت الى ظاهرك وباطنك فلم تطلع فيهما على عيب ونقص في دين ولا دنيا، فاعلم أن جهلك بعيوب نفسك أقبح أنواع الحماقة، ولا عيب أعظم من الحمق. ولو أراد الله بك خيرا لبصرك بعيوب نفسك، فرؤيتك نفسك بعين الرضا غاية غباوتك وجهلك، ثم ان كنت صادقا في ظنك فاشكر الله تعالى عليه، ولا تفسده بسب الناس والتمضمض في أعراضهم؛ فان ذلك من أعظم العيوب۔

الرابع: المراء والجدال ومناقشة الناس في الكلام، فذلك فيه ايذاء للمخاطب وتجهيل له وطعن فيه، وفيه ثناء على النفس وتزكية بمزيد الفطنة والعلم، ثم هو مشوش العيش، فانك لا تماري سفيها الا ويؤذيك، ولا تماري حليما الا ويقليك ويحقد عليك، وقد قال صلى الله عليه وسلم: من ترك المراء وهو مبطل

بنى الله له بيتا فى ربض الجنة، ومن ترك المراء وهو محق بنى الله له بيتا فى أعلى الجنة۔

ولا ينبغى أن يخدعك الشيطان ويقول لك: أظهر الحق ولا تداهن فيه؛ فان الشيطان أبدا يستجر الحمقى الى الشر فى معرض الخير،فلا تكن ضحكة للشيطان يسخر بك، فاظهارك الحق حسن مع من يقبله منك، وذلك بطريق النصيحة فى الخفية، لا بطريق المماراة۔ وللنصيحة صيغة وهيئة، ويحتاج فيها الى تلطف، والا صارت فضيحة، وصار فسادها أكثر من صلاحها۔ ومن خالط متفقهة العصر غلب على طبعه المراء والجدال وعسر عليه الصمت: اذا ألقى اليهم علماء السوء أن ذلك هو الفضل، والقدرة على المحاجة والمناقشة هو الذى يتمدح به۔ فَفِرَّ منهم فرارك من الأسد، واعلم أن المراء سبب المقت عند الله وعند الخلق۔

الخامس: تزكية النفس، قال الله تعالى: (فلا تزكوا انفسكم هو أعلم بمن اتقى) "النجم ۳۲) وقيل لبعض الحكماء: ما الصدق القبيح؟ فقال: ثناء المرء على نفسه۔ فاياك أن تتعود ذلك، واعلم أن ذلك ينقص من قدرك عند الناس، ويوجب مقتك عند الله، فاذا أردت أن تعرف أن ثناءك على نفسك لا يزيد فى قدرك عند غيرك فانظر الى أقرانك اذا أثنوا على أنفسهم بالفضل والجاه والمال، وكيف يستنكره قلبك عليهم ويستثقله طبعك، وكيف تذمهم عليه اذا فارقتهم، فاعلم أنهم أيضا فى حال تزكيتك لنفسك يذمونك فى قلوبهم

ناجزا، وسيظهرونه بألسنتهم اذا فارقتهم۔

السادس: فاياك أن تلعن شيئًا مما خلق الله تعالى من حيوان أو طعام أو انسان بعينه، ولا تقطع بشهادتك على أحد من أهل القبلة بشرك أو كفر أو نفاق، فان المطلع على السرائر هو الله تعالى، فلا تدخل بين العباد وبين الله۔ واعلم انك يوم القيامة لا يقال لك: لم لم تلعن فلانا، ولم سكت عنه؟ بل لو لم تلعن ابليس طول عمرك ولم تشغل لسانك بذكره، لم تسأل عنه ولا تطالب به يوم القيامة، واذا لعنت أحدا من خلق الله تعالى طولبت۔ ولا تذمن شيئًا مما خلق الله تعالى، فقد كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يذم الطعام الردئ قط، بل كان اذا اشتهى شيئًا أكله والا تركه۔

السابع: الدعاء على الخلق، فاحفظ لسانك عن الدعاء على أحد من خلق الله تعالى، وان ظلمك فكل أمره الى الله تعالى، ففي الحديث: ان المظلوم ليدع على ظالمه حتى يكافئه ثم يكون للظالم فضل عنده يطالبه به يوم القيامة، وطول بعض الناس لسانه على الحجاج فقال بعض السلف: ان الله لينتقم للحجاج ممن يتعرض له بلسانه، كما ينتقم من الحجاج لمن ظلمه۔

الثامن: المزاح والسخريه والاستهزاء بالناس، فاحفظ لسانك منه في الجد والهزل؛ فانه يريق ماء الوجه ويسقط المهابة ويستجر الوحشة ويؤذي القلوب، وهو مبدأ اللجاج والغضب والتصارم، ويغرس الحقد في القلوب، فلا تمازح أحدا،

وان ماز حوك فلا تجبهم، و أعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره، و كن من الذين اذا مروا مروا كراما۔

فهذه مجامع آفات اللسان ، ولا يعينك عليه الا العزلة وملازمة الصمت الا بقدر الضرورة، فقد كان أبوبكر الصديق رضى الله عنه يضع حجرا فى فيه: ليمنعه ذالك من الكلام بغير ضرورة ويشير الى لسانه ويقول: (هذا الذى أوردنى الموارد كلها) فاحترز منه؛ فانه أقوى أسباب هلاكك فى الدنيا والآخرة۔

۳۔ وأما البطن: فاحفظه من تناول الحرام والشبهة، واحرص على طلب الحلال، وطلب الحلال فريضة على كل مسلم، والعبادة والعلم مع أكل الحرام كالبناء على السرجين، فأذا قنعت فى السنة بقميص خشن، وفى اليوم والليل برغيفين من الخشكار، وتركت التلذذ بأطيب الأدم، لم يعوزك من الحلال ما يكفيك، والحلال كثير۔ وليس عليك أن تتيقن بواطن الأمور، بل عليك أن تحترز مما تعلم أنه حرام أو تظن أنه حرام ظنا حصل من علامة ناجزة مقدرة بالمثال۔ أما المعلوم فظاهر، وأما المظنون بعلامة فهو مال السلطان وعماله، ومال من لا كسب له الا من النياحة أو بيع الخمر أو الربا أو المزامير وغير ذلك من الآت اللهو الحرام، حتى من علمت أن أكثر ماله حرام قطعا فما تأخذه من يده، وان أمكن ان يكون حلالا نادرا، فهو حرام؛ لأنه الغالب على الظن۔ ومن الحرام المحض ما يؤكل من الأوقاف من غير شرط الواقف۔ فمن لم يشتغل بالتفقه، فما يأخذه من المدارس حرام۔ ومن ارتكب

معصية ترد بها شهادته. فما يأخذه باسم الصوفية من وقف أو غيره حرام. وقد ذكرنا مداخل الشبهات والحلال والحرام في كتاب مفرد من كتب (احياء علوم الدين)، فعليك بطلبه؛ فأن معرفة الحلال وطلبه فريضة على كل مسلم كالصلوات الخمس.

۵۔ وأما الفرج: فاحفظه عن كل ما حرم الله تعالى، وكن كما قال الله تعالى: (والذين هم لفروجهم حفظون ۝ الا على ازوجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين ۝) "المعارج: ۳۰" ولا تصل الى حفظ الفرج الا بحفظ العين عن النظر، وحفظ القلب عن الفكر، وحفظ البطن عن الشبهة وعن الشبع؛ فان هذه محركات للشهوة ومغارسها۔

۶۔ وأما اليدان: فاحفظهما عن أن تضرب بهما مسلما، أو تتناول بهما مالا حراما، أو تؤذى بهما أحدا من الخلق، أو تخون بهما في أمانة أو وديعة، أو تكتب بهما ما لا يجوز النطق به. فان القلم أحد اللسانين، فاحفظ القلم عما يجب حفظ اللسان عنه۔

۷۔ وأما الرجلان: فاحفظهما عن أن تمشى بهما الى حرام، أو تسعى بهما الى باب سلطان ظالم. فالمشي الى السلاطين الظلمة من غير ضرورةٍ وارهاقٍ معصيةٌ كبيرةٌ. فانه تواضع لهم واكرام لهم على ظلمهم، وقد أمر الله تعالى بالاعراض عنهم في قوله تعالى: ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار) (هود ۱۱۳)

الآية: وان كان ذلك بسبب طلب مالهم فهو سعى الى الحرام، وعلى الجملة فحركاتك وسكناتك بأعضائك نعمة من نعم الله

تعالی علیك. فلا تحرك شيئا منها فى معصية الله تعالى أصلا واستعملها فى طاعة الله تعالى.

واعلم أنك ان قصرت فعليك يرجع وباله، وان شمرت فاليك ترجع ثمرته، والله غنى عنك وعن عملك. وانما (كل نفس بما كسبت رهينة) "المدثر: ۳۸) وإياك أن تقول: ان الله كريم رحيم يغفر الذنوب للعصاة. فان هذه كلمة حقٍ أريد بها باطل، وصاحبها ملقَّبٌ بالحماقة بتلقيب رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث قال: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والأحمق من أتبع نفسه هواها، وتمنى على الله الأماني.

واعلم أن قولك هذا يضاهى قول من يريد أن يصير فقيها فى علوم الدين، واشتغل بالبطالة، وقال: ان الله كريم رحيم قادر على أن يفيض على قلبى من العلوم ما أفاضه على قلوب أنبيائه وأوليائه من غير جهد وتكرر أو تعلق، وهو كقول من يريد مالا فترك الحراثة والتجارة والكسب، وتعطل وقال: ان الله كريم رحيم، وله خزائن السماوات والأرض، وهو قادر على أن يطلعنى على كنز من الكنوز أستغنى به عن الكسب، فقد فعل ذلك لبعض عباده.

فأنت اذا سمعت كلام هذين الرجلين استحمقتهما وسخرت منهما، وان كان ما وصفاه من كرم الله تعالى وقدرته صدقًا حقًا فكذلك يضحك عليك أرباب البصائر فى الدين اذا طلبت المغفرة بغير سعى لها، والله تعالى يقول: (وان ليس للانسان الا ما سعى٥)

(النجم: ٣٩) ويقول: (انما تجزون ما كنتم تعملون) (الطور: ١٦) ويقول: (ان الابرار لفي نعيم ○ وان الفجار لفي جحيم ○) (الانفطار: ١٣)

فاذا لم تترك السعي في طلب العلم والمال اعتمادا على كرمه فكذلك لا تترك التزود للآخرة ولا تفتر، فان رب الدنيا والآخرة واحد. وهو فيهما كريم و رحيم. ليس يزيد له كرم بطاعتك. وانما كرمه في أن يسير لك طريق الوصول الى الملك المقيم المخلد بالصبر على ترك الشهوات اياما قلائل، وهذا نهاية الكرم. فلا تحدث نفسك بتهويسات البطالين. واقتد بأولي العزم والنهى من الأنبياء والصالحين، ولا تطمع في أن تحصد ما لم تزرع. وليت من صام وصلى وجاهد واتقى غفر له۔

فهذه جمل ما ينبغي أن تحفظ عنه جوارحك الظاهرة، وأعمال هذه الجوارح انما تترشح من صفات القلب. فان أردت حفظ الجوارح فعليك بتطهير القلب، وهو التقوى الباطن، والقلب هو المضغة التي اذا صلحت صلح لها الجسد كله. فاشتغل بصلاحه لتصلح به جوارحك۔

القول في معاصي القلب

اعلم أن الصفات المذمومة في القلب كثيرة، وتطهير القلب من رذائلها طويل، وسبيل العلاج فيها غامض، وقد اندرس بالكلية علمه وعمله لغفلة الخلق عن أنفسهم، واشتغالهم بزخارف الدنيا. وقد استقصينا ذلك كله في كتاب (احياء علوم الدين) في ربع المهلكات وربع المنجيات، ولكنا نحذّرك الآن

ثلاثا من خبائث القلب، هی الغالبة علی متفقهة العصر، لتأخذ منها حذرك؛ فانها مهلكات فی أنفسها، وهی أمّهات لجملة من الخبائث سواها، وهی: ۱۔الحسد ۲۔والریا ۳۔والعجب۔

فاجتهد فی تطهیر قبلك منها، فان قدرت علیها فتعلم كیفیة الحذر من بقیتها من ربع المهلكات، فان عجزت عن هذا فأنت عن غیره أعجز، ولا تظن أنك تسلم بنیة صالحة فی تعلم العلم، وفی قلبك شیء من الحسد والریاء والعجب، وقد قال صلی الله علیه وسلم: ثلاث مهلكات: شح مطاع، وهوی متبع، واعجاب المرء بنفسه۔

أما الحسد: فهو منشعب من الشح، فان البخیل: هو الذی یبخل بما فی یده علی غیره، والشحیح: هو الذی یبخل بنعمة الله وهی فی خزائن قدرته، لا فی خزائنه علی عبادالله تعالی، فشحه أعظم۔ والحسود: هو الذی یشق علیه انعام الله تعالی من خزائن قدرته علی عبد من عباده بعلم أو مال أومحبة فی قلوب الناس أوحظ من الحظوظ، حتی انه لیحب زوالها عنه، وان لم یحصل له من ذلك مصلحة، وهذا منتهی الخبث، فلذلك قال رسول الله صلی الله وعلیه وسلم: الحسد یأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب۔

والحسود هو المعذب الذی لا یرحم، ولا یزال فی عذاب دائم فی الدنیا؛ فأن الدنیا لا تخلوقط عن خلق كثیر من أقرانه و معارفه ممن أنعم الله علیهم بعلم أومال أو جاه، فلا یزال فی عذاب دائم فی الدنیا الی موته، ولعذاب الآخرة أشد وأكبر۔

بل، لا یصل العبد الی حقیقة الایمان مالم یحب لسائر

المسلمين ما يحب لنفسه بل ينبغى أن يساويهم فى السراء والضراء، فالمسلمون كالبنيان الواحد يشد بعضه بعضا، وكالجسد الواحد اذا شكا منه عضو اشتكى سائر الجسد، فان كنت لا تصادف هذا من قلبك فاشتغالك بطلب التخلص عن الهلاك أهم من اشتغالك بنوادر الفروع وعلم الخصومات۔

وأما الرياء: فهو الشرك الخفى، وهو أحد الشركين، وذلك طلبك منزلة فى قلوب الخلق ؛ لتنال بها الجاه والحشمة، وحب الجاه من الهوى المتبع، وفيه هلك أكثر الناس، فما أهلك الناس الا الناس، فلو أنصف الناس حقيقة لعلموا أن أكثر ما هم فيه من العلوم والعبادات فضلا عن أعمال العادات، ليس يحملهم عليها الا مراءاة الناس، وهى محبطة للأعمال، كما ورد فى الخبر: أن الشهيد يؤمر به يوم القيامة الى النار، فيقول: يارب، استشهدت فى سبيلك۔ فيقول الله تعالى: أردت أن يقال: فلان شجاع، وقد قيل: ذلك، وذلك أجرك، وكذا يقال: للعالم والحاج والقارئ۔

وأما العجب والكبر والفخر: فهو الداء العضال، وهو نظر العبد الى نفسه بعين العزة والاستعظام والى غيره بعين الاحتقار، ونتيجته على اللسان أن يقول: أنا وأنا، كما قال ابليس اللعين: (انا خير منه خلقتنى من نار وخلقته من طين) "الاعراف:١٢" وثمرته فى المجالس الترفع والتقدم وطلب التصدر فى المحاورة والاستنكاف من أن يرد كلامه عليه۔

والمتكبر هو الذى ان وعظ انف أو وعظ عنف، وكل من رأى

نفسه خيرا من أحد من خلق الله تعالى فهو متكبر، بل ينبغي لك أن تعلم أن الخير من هو خير عند الله في دار الآخرة، وذلك غيب وهو موقوف على الخاتمة. فاعتقادك في نفسك أنك خير من غيرك جهل محض، بل ينبغي أن لا تنظر الى أحد الا وترى أنه خير منك وأن الفضل له على نفسك.

فان رأيت صغيرا قلت: هذا لم يعص الله تعالى، وأنا عصيته. فلا شك أنه خير مني. وان كان عالمًا قلت: هذا قد أعطى مالم أعط، وبلغ مالم أبلغ، وعلم ما جهلت، فكيف أكون مثله؟ وان كان جاهلا قلت: هذا عصى الله بجهل، وأنا عصيته بعلم، فحجة الله على آكد، وما أدري بما يختم لي وبما يختم له. وان كان كافرا قلت: لا أدري عسى أن يسلم ويختم له بخير العمل، وينسل باسلامه من الذنوب كما تنسل الشعرة من العجين، وأما أنا- والعياذ بالله- فعسى أن يضلني الله فأكفر، فيختم لي بشر العمل، فيكون غدا هو من المقربين، وأنا أكون من المعذبين.

فلا يخرج الكبر من قلبك الا بأن تعرف أن الكبير من هو كبير عندالله تعالى، وذلك موقوف على الخاتمة، وهي مشكوك فيها، فيشغلك خوف الخاتمة عن أن تتكبر مع الشك فيها على عباد الله تعالى، فيقينك وايمانك في الحال لا يناقض تجويزك التغير في الاستقبال، فان الله مقلب القلوب، يهدي من يشاء ويضل من يشاء والأخبار في الحسد والكبر والرياء والعجب كثيرة.

❀❀❀

فصل: وينشأ من الكبر الغضب

وعليك فى صفة الغضب بوظيفتين:

احداهما: كسره بالرياضة، ولست أعنى بكسره اماطته؛ فانه لا يزول أصله، ولا ينبغي أن يزول، بل ان زال وجب تحصيله؛ لأنه آلة القتال مع الكفار والمنع من المنكرات ولكثير من الخيرات، وهو كلب صائد، انما رياضته فى تأديبه حتى ينقاد للعقل والشرع فيهيج بأشارة العقل والشرع ويسكن باشارتهما ولا يخالفهما كما ينقاد الكلب للصائد، وهذا ممكن بالمجاهدة. وهو اعتياد الحلم والاحتمال مع التعريض للمغضبات......والثانية: ضبط الغضب عند الهيجان بالكظم، ويعين عليه علم و عمل۔

أما العلم: فهو أن يعلم أن لا سبب لغضبه الا أنه أنكر يجرى الشيء على مراد الله تعالى لا على مراده، وهذا غاية الجهل۔ والآخر أن يعلم أن غضب الله عليه أعظم من غضبه، وأن فضل الله عليه أكثر من فضله، و كم عصاه وخالف أمره فلم يغضب عليه، وان خالفه غيره فليس أمره ألزم على عبده وأهله ورفيقه من أمر الله عليه۔

وأما العمل: فهو أن يقول: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم؛ اذ يعلم أن ذلك من الشيطان، فان لم يسكن فيجلس ان كان قائما، ويضطجع ان كان قاعدا، كذلك ورد الخبر، فاختلاف الحال يؤثر فى التسكين، فان لم يسكن فيتوضأ۔ فتأمل۔ أيها الراغب فى العلم۔ هذه الخصال۔

واعلم أن أعظم الأسباب فى رسوخ هذه الخبائث فى القلب

طلب العلم لأجل المباهاة والمنافسة۔ فالعامی بمعزل عن أكثر هذه الخصال والمتفقة مستهدف لها، وهو معرض للهلاك بسببها۔ فانظر أى أمورك أهم: أن تتعلم كيفية الحذر من هذه المهلكات وتشتغل باصلاح قلبك وعمارة آخرتك، أم الأهم أن تخوض مع الخائضين، فتطلب من العلم ما هو سبب زيادة الكبر والرياء والحسد والعجب، حتى تهلك مع الهالكين؟ واعلم أن هذه الخصال الثلاث من أمهات خبائث القلب ولها مغرس واحد، وهو حب الدنيا، ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حب الدنيا رأس كل خطيئة۔

ومع هذا فالدنيا مزرعة للآخرة، فمن أخذ من الدنيا بقدر الضرورة يستعين به على الآخرة، فالدنيا مزرعته، ومن أراد الدنيا ليتنعم بها فالدنيا مهلكته۔

ولا يمكنك الخلاص من حب الدنيا الا بأن تطلب خلوة خالية وتتفكر فى سبب اقبالك على الدنيا واعراضك عن الآخرة، فلا تجده سببا الا محض الجهل والغفلة؛ فان أقصى عمرك فى الدنيا مائة سنة فهب أن مملكة وجه الأرض يسلم لك من المشرق الى المغرب فى مائة سنة، أليس يفوتك به المملكة مدة لا آخر لها، وهى مملكة الآخرة، فان كان لا يدخل فى خيالك طول الأبد فقدر الدنيا مملوءة ذرةً، وقدر طائرا، يأخذ فى كل ألف ألف سنة حبةً واحدةً، فتفنى الذرة، ولم ينقص به من الأبد شىء؛ لأن الباقى لا نهاية له كما كان قبل ذلك۔

وأنت ترى نفسك ترضى بتعب الأسفار، اما فى التجارة أو طلب الرياسة، وهو التعب الناجز لأجل شيء موهوم. ربما يدركك الموت قبله، وربما لا يصفولك ان ظفرت به، وانما ترضى بذلك؛ لأنك تستحقر التعب منه مثلاً بالاضافة الى بقية عمرك، وجملة عمرك بالاضافة الى الأبد أقل من سنة بالاضافة الى عمرك. فتفكر فيه لينكشف جهلك على القرب. وينشأ تارة البخل من حب الدنيا۔

فصل: ولعلك تريد أن تفهم علاج البخل

فاعلم أن دواءه معجون مركب من العلم والعمل۔

أما العلم: فهو أن يعلم ما فى البخل من الهلاك فى الدار الآخرة والمذمة فى الدنيا، ويعلم أن المال لا يتبعه۔ وان بقى۔ الى قبره، وانما المال لله مكنه منه، ليصرفه الى أهم أموره، ويعلم أن امساك المال ان كان ليتنعم ويغالى فى الشهوات فحسن الى حد، وثواب الآخرة ألذ منه، فقضاء الشهوة سجية البهائم، وهذا سجية العقلاء۔ وان كان ليتركه لولده فكأنه يترك ولده بخير ويقدم على الله بشر، وهذا عين الجهل۔ كيف ؟! وولده ان كان صالحا فالله سبحانه وتعالى يكفيه، وان كان فاسقا فيستعين به على المعصية، ويكون هو سبب تمكينه منها، فيتضرر هو بتنعم غيره۔

وأما العمل: فهو أن يحمل نفسه على البذل تكلفا ولا يزال يفعل ذلك حتى يصير له عادة۔ ومن نوافذ الحيلة عليه أن يخدعه بحسن الاسم وتوقع المكافأة، حتى يرغب فى البذل، ثم بعد ذلك يتدرج الى

قمع هذه الصفات. ومما لا بد منه فى قمع هذه المعاصى من طاعات القلب التوبة الصبر والاخلاص وذكر الموت وقصر الأمل.

فصل (فى التوبة)

حقيقة التوبة: الرجوع عن طريق البعد الى طريق القرب. ولكن لها ركن ومبدأ وكمال. أما مبدؤها فهو الايمان، ومعناه سطوع نور المعرفة على القلب، حتى يتضح فيه أن الذنوب سموم مهلكة، يشتعل منه نار الخوف والندم. وينبعث من هذه النار صدق الرغبة فى التلافى والحذر. أما فى الحال فيترك الذنوب، وأما فى الاستقبال فبالعزم على الترك، وأما فى الماضى فبالتلافى على حسب الأمكان، وبذلك يحصل الكمال.

فصل (فى وجوب التوبة)

وأما وجوبها فى كل حال فلان الانسان لا يخلو فى جميع أحواله عن ذنب فى جوارحه أو فى قلبه، فلا يخلو عن خلق من الأخلاق الذميمة مما يجب تزكية القلب عنه. فانه مبعد عن الله سبحانه و تعالى والاشتغال بإماطته توبة؛ لأنه رجوع عن طريق البعد الى طريق القرب، فان خلا عن جميع ذلك فلا يخلو عن الغفلة عن الله عزوجل، وذلك أيضا طريق البعد، ويلزم الرجوع عنه بالذكر، ولذلك قال الله سبحانه وتعالى: (واذكر ربك اذا نسيت) (الكهف: ٢٤)

فصل علاج التوبة

حل عقدة الاصرار؛ فانه لا مانع فيها سوى الاصرار، ولا حامل

عليها سوى الغفلة والشهوة. وذلك مرض في القلب، وعلاجه كعلاج أمراض البدن، لكن هذا المرض أكبر من أمراض الأبدان لثلاثة أشياء:........أحدها: أنه مرض لا يعرف صاحبه أنه مريض، وهو كبرص على وجهه من لا مرآة له، فانه لا يعالجه؛ لأنه لا يعرفه، ولو أخبره غيره ربما لم يصدقه۔

والثاني: أن عاقبة هذا المرض لم يشاهده الانسان ولم يجربه، فلذلك تراه يتكل على عفو الله سبحانه وتعالى، ويجتهد في علاج البدن غاية الجهد..............والثالث: وهو الداء العضال فقد الأطباء، فان الطبيب هو العالم العامل، وقد مرض العلماء في هذه الأعصار مرضا عسر عليهم علاج أنفسهم؛ لأن الداء المهلك هو حب الدنيا، وقد غلب ذلك على العلماء، واضطروا الى الكف عن تحذير الخلق من الدنيا؛ كيلا تنكشف فضيحتهم، فاصطلحوا على الأقبال على الدنيا والتجاذب لها والتكالب عليها، فبهذا السبب عم الداء وانقطع الدواء، واشتغل الأطباء بفنون الاغواء، فليتهم اذا لم يصلحوا لم يفسدوا، أو ليتهم سكتوا وما نطقوا، بل صار كل واحد كأنه صخرة في فم الوادي، لا هي تشرب ولا يترك الماء يشربه غيره۔

وجملة القول في علاجه أن تنظر في سبب الاصرار، وهي ترجع الى خمسة أبواب:........أولها: أن العقاب الموعود ليس بنقد، والطبع يستهين بما لا يأخذ بمخنقه في الحال، وعلاجه أن يتفكر ليعلم أن ما هو آت قريب، والبعيد ما ليس بآت، وأن الموت

أقرب الى كل أحد من شراك نعله. فما يدريه لعله فى آخر أيامه أو فى آخر سنة من عمره. ثم يتفكر أنه كيف يتعب فى الأسفار. فيركب الأخطار خوفا من الفقر فى الاستقبال.

الثانى: أن اللذات والشهوات آخذة بمخنقه فى الحال، وليس يقدر على قلعها. وعلاجه أن يتفكر أنه لو ذكر له طبيب نصرانى بأن شرب الماء البارد يضره ويسوقه الى الموت، وهو ألذ الأشياء عنده، كيف يتركه؟ فليعلم أن الله سبحانه و تعالى ورسوله صلى الله وعليه وسلم أصدق من الطبيب، والخلود فى النار أشد من الموت بالمرض. فليقرر على نفسه أنه اذا كان يشق عليه ملابسة ترك اللذات أياما قلائل، فكيف لا يشق عليه ملابسة النار والحرمان عن الفردوس ونعمته أبدا الدهر.

الثالث: أنه يسوف بالتوبة يوما فيوما. وعلاجه أن يتفكر ويعلم أن بناء خطر السعادة والشقاوة على ما ليس اليه جهل، فمن أين يعلم أنه يبقى الى أن يتوب، وأن أكثر صياح أهل النار من التسويف، لأنهم سوفوا حتى فاجأهم مرض ساقهم الى الموت، كيف؟! وانما يسوف، لأنه يعجز عن قمع الشهوة فى الحال. فان كان ينتظر يوما يسهل فيه قمع الشهوة، فهذا يوم لا يخلق أصلا. بل مثاله مثال من أمر بقلع شجرة عجز عنها، لضعفه وقوة رسوخ الشجرة، فيؤخره الى السنة القابلة، وهو يعلم أن الشجرة تزداد كل يوم رسوخا. وقوته تزداد كل يوم قصورا ونقصانا، وذلك غاية الجهل.

الرابع: أن يعد نفسه بالعفو والكرم، وذلك غاية احمق، أبرزه الشيطان فى معرض الدين. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والأحمق من أتبع نفسه هواها، وتمنى على الله سبحانه وتعالى.

الخامس: أن يكون۔ والعياذ بالله۔ شاكا فى أمر الآخرة۔ وعلاجه تحصيل اليقين بالأدلة والبراهين۔

فصل: اعلم أن الحاجة الى الصبر عامة فى جميع الأحوال

لأن جميع ما يلقى العبد فى هذه الحياة الدنيا لا يخلو عن نوعين: فانه اما يوافق هواه أو يخالفه۔

۱۔ فان وافق هواه كالصحة والسلامة والثروة والجاه و كثرة العشيرة، فما أحوجه الى الصبر معها! فانه ان لم يضبط نفسه طغى، واسترسل فى التنعم واتباع الهوى ونسى المبدأ والمنتهى، ولذا قال الصحابة رضى الله عنهم: (بلينا بفتنة الضراء فصبرنا، وبلينا بفتنة السراء فلم نصبر)۔ ولذلك قيل: (يصبر على البلاء كل مؤمن، ولا يصبر على العافية الا صديق)۔

ومعنى الصبر فيه أن لا يركن اليها، ويعلم أن كل ذلك وديعة عنده تسترجع على القرب، وأن لا ينهمك فى الغفلة والتنعم، ويؤدى حق شكر النعمة، وذلك مما يطول۔

۲۔ النوع الثانى: ما يخالف الهوى، وذلك أربعة أقسام:

الأول: الطاعات، والنفس متنفر عن بعضها بمجرد الكسل

كالصلاة، وعن بعضها بالبخل كالزكاة، وعن بعضها بهما جميعا كالحج والجهاد. فالصبر على الطاعة من الشدائد.

ويحتاج المطيع الى الصبر فى ثلاثة أحوال:

احداها: أولى العبادة بتصحيح الاخلاص، والصبر عن شوائب الرياء ومكائد النفس وغرورها۔

الثانية: حال العمل كيلا يتكاسل عن تحقيق آدابها وسننها، ويدوم على شرط الأدب مع حضور القلب ونفى الوسواس۔

الثالثة: بعد الفراغ، ليصبر عن ذكره وافشائه والتظاهر به رياء وسمعة۔ وكل ذلك من الصبر الشديد على النفس۔

القسم الثانى: المعاصى، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المجاهد من جاهد الهوى، والمهاجر من هجر السوء. والصبر عن المعاصى أشد، لا سيما عن معصية صارت عادة مألوفة؛ اذ ما يتظاهر فيه على باعث الدين جندان: جند الهوى وجند العادة. فان انضم الى ذلك سهولة فعله وخفة المؤنة فيه لم يصبر عنها الا الصديق، وذلك كمعاصى اللسان؛ فانه هين سهل كالغيبة والكذب والمراء والثناء على النفس، ويحتاج فى دفع ذلك الى أشد أنواع الصبر۔

القسم الثالث: ما لا يرتبط باختيار العبد، ولكن له اختيار فى دفعه وتداركه، كالأذى الذى يناله من غيره بيد ولسان. فالصبر على ذلك ترك المكافاة تارة يجب وتارة يستحب، قال بعض الصحابة رضى الله عنهم: (ما كنا نعد ايمان الرجل ايمانا

... على الأذى). قال الله سبحانه وتعالى: (ودع اذهم وتوكل على الله) الاحزاب: ٤٨ وقال: (ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون ۝ فسبح بحمد ربك) الحجر: ٩٧-٩٨.

القسم الرابع: ما لا يدخل أوله وآخره تحت الاختيار. كالمصائب بموت الأعزة وهلاك الأموال والمرض وذهاب بعض الأعضاء وسائر أنواع البلاء، والصبر عليه من أعلى المقامات.

فصل (في الاخلاص)

حقيقة الاخلاص: تجرد الباعث الواحد ويضاده الاشراك وهو أن يشترك باعثان، وكل ما يتصور أن يمازجه غيره، فان صفا عن كل شوب منه سمي خالصا، وهي النية الباعثة، فمن لا يعمل الا للرياء فهو مخلص، ومن لا يعمل الا لله فهو مخلص، لكن خصص الاسم بأحد الجانبين كالالحاد، فانه ميل، ولكن خصص بالميل الى الباطل وزوال الاخلاص بشوائب الرياء.

ولكن قد يزول بأغراض أخر فان الصائم قد يقصد مع العبادة أن ينتفع بالحمية الحاصلة بالصوم، ويقصد بالعتق أن يتخلص من مؤنة العبيد وسوء خلقه، ويحج ليصح مزاجه بحركة السفر أو يهرب من مشقة تعهد العيال أو من ايذاء الأعداء أو التبرم بالمقام مع الأهل، ويتعلم العلم ليسهل عليه طلب المعاش أن يكون محروسا بعز العلم عن الظلم، أو يكتب مصحفا ليجود خطه، ويحج ماشيًا ليخف مؤنة الكراء، أو يتوضأ لينتظف أو يتبرد، أو يغتسل ليطيب رائحته، أو اعتكف ليخف

عليه كراء المساكين اور صام ليخفف عن نفسه تعب الطبخ وشرى والطعام او تصدق ليرفع عن نفسه ابرام السائل، أو يعود مريضا ليعاد اذا مرض........فهذه الأغراض فى الفعل قد يتجرد، وقد يشوب قصد العبادة شوبًا خفيا. فاذا خطر شيء من هذه الأغراض فى الفعل فقد ذهب الاخلاص، وذلك عسير جدا۔

فصل: اعلم أن امتزاج هذه الشوائب على مراتب

فانها قد تغلب، وقد تكون مغمورة، وقد تكون مساوية لقصد العبادة، ولا يمحوا أصل الثواب فى المباحات مهما بقى شيء من ارادة وجه الله تعالى، وله ثواب بقدر ذلك الشوب، والباقى لا ثواب له، اما اذا كان فى العبادة أمر فان كان الشوب غالبا بطلت العبادة، وان كان مساويا أو مغلوبا بطل الاخلاص۔

فصل: ومن الأمور العظيمة النفع ذكر الموت

فلذلك أوردناه، ولذلك عظم الشرع ثواب ذكره؛ اذ به تتنغص الدنيا وتتقطع علاقة القلب عنها۔ قال الله سبحانه وتعالى: (قل ان الموت الذى تفرون منه فانه ملقيكم) "الجمعة: ٨)۔ وقال صلى الله عليه وسلم: اكثروا ذكر هاذم اللذات۔

فصل: اعلم أن الموت عظيم هائل وما بعده أعظم منه

وفى ذكره منفعة عظيمة؛ فانه ينغص الدنيا ويبغضها الى القلب، وبغضها رأس كل حسنة، كما أن حبها رأس كل خطيئة،

ولا سبب لاقبال الخلق على الدنيا الاقلة الفكر فى الموت.

وطريق الفكر فيه أن يفرغ الانسان قلبه عن كل فكر سواه. ويجلس فى خلوة ويباشر ذكر الموت بصميم قلبه. ويتفكر أولا فى أقرانه وأشكاله الذين مضوا. فيتذكرهم واحدًا واحدًا. ويتذكر حرصهم وأملهم وركونهم الى الجاه والمال، ثم يتذكر مصارعهم عند الموت وتحسرهم على فوات العمر وتضيعه. ثم يتفكر فى أجسادهم كيف تمزقت فى التراب وصارت جيفة يأكلها الديدان......ثم يرجع الى نفسه ويعلم أنه كواحد منهم، أمله كأملهم، ومصرعه كمصرعهم، ثم ينظر فى أعضائه كيف تتفتت، والى حدقته كيف يأكله الديدان، والى لسانه كيف يتهرى ويصير جيفة فى فيه. فاذا فعلت ذلك تتنغض عليك الدنيا، وكنت سعيدًا؛ لأن السعيد من وعظ بغيره.

فصل: أصل الغفلة عن طول الأمل

وذلك عين الجهل، ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعبدالله بن عمر رضى الله عنه: اذا أصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء، واذا أمسيت فلا تحدث نفسك بالصباح، وخذ من حياتك لموتك ومن صحتك لسقمك؛ فانك. يا عبدالله. لا تدرى ما اسمك غدا. وقال صلى الله عليه وسلم: ان أخوف ما أخاف على أمتى خصلتان: اتباع الهوى، وطول الأمل.

فهذه نبذة يسيرة من ظاهر علم التقوى، وهى بداية الهداية، فان جربت نفسك فيها وطاوعتك عليها فعليك بكتاب (احياء

علوم الدين))، لتعرف كيفية الوصول الى باطن التقوى، فاذا عمرت بالتقوى باطن قلبك فعند ذلك ترتفع الحجب بينك وبين ربك، وتنكشف لك أنوار المعارف، وتتفجر من قلبك ينابيع الحكمة، وتتضح لك أسرار الملك والملكوت، ويتيسر لك من العلوم ما تستحقر به هذه العلوم المحدثة التى لم يكن لهاذكر فى زمن الصحابة رضى الله عنهم والتابعين رحمة الله عليهم۔

وان كنت تطلب العلم من القيل والقال والمراء والجدال فما أعظم مصيبتك! وما أطول تعبك! وما أعظم حرمانك وخسرانك! فاعمل ما شئت، فان الدنيا التى تطلبها بالدين لا تسلم لك، والآخرة تسلب منك۔ ومن طلب الدنيا بالدين خسرهما جميعا، ومن ترك الدنيا للدين ربحهما جميعاً۔

فهذه جمل الهداية الى بداية الطريق فى معاملتك مع الله تعالى بأداء أوامره واجتناب نواهية، وأشير عليك الآن بجمل من الآداب، لتؤاخذ بها نفسك فى مخالطتك مع عباد الله وصحبتك معهم فى الدنيا۔

القول فى آداب الصحبة والمعاشرة مع الخالق سبحانه وتعالى ومع الخلق

اعلم أن صاحبك الذى لا يفارقك فى حضرك وسفرك ونومك ويقظتك بل فى حياتك وموتك هو ربك وسيدك ومولاك وخالقك، ومهما ذكرته فهو جليسك، اذ قال الله تعالى: أنا جليس من ذكرنى۔ ومهما انكسر قلبك حزناً على تقصيرك فى حق دينك فهو صاحبك

وملازمك، اذ قال الله تعالى: أنا عند المنكسرة قلوبهم من أجلي. فلو عرفته حق معرفته لاتخذته صاحبا وتركت الناس جانبا. فان لم تقدر على ذلك في جميع أوقاتك فاياك أن تخلي ليلك ونهارك عن وقت تخلو فيه لمولاك وتتلذذ معه بمناجاتك. وعند ذلك فعليك أن تتعلم آداب الصحبة مع الله تعالى.

وآدابها

۱۔ اطراق الرأس ۲۔ وغض الطرف
۳۔ وجمع الهم ۴۔ ودوام الصمت
۵۔ وسكون الجوارح ۶۔ ومبادرة الأمر
۷۔ واجتناب النهي ۸۔ وقلة الاعتراض على القدر
۹۔ ودوام الذكر ۱۰۔ وملازمة الفكر
۱۱۔ وايثار الحق على الباطل ۱۲۔ والاياس عن الخلق
۱۳۔ والخضوع تحت الهيبة ۱۴۔ والانكسار تحت الحياء
۱۵۔ والسكون عن حيل الكسب، ثقة بالضمان
۱۶۔ والتوكل على فضل الله، معرفة بحسن الاختيار۔

وهذا كله ينبغي أن يكون شعارك في جميع ليلك ونهارك؛ فانه آداب الصحبة مع صاحب لا يفارقك، والخلق يفارقونك في بعض أوقاتك۔

وان كنت عالما فآداب العلم سبعة عشر

۱۔ الاحتمال ولزوم الحلم
۲۔ والجلوس بالهيبة على سمت الوقار مع اطراق الرأس

۳۔ وترك الكبر على جميع العباد، الا على الظلمة: زجرالهم عن الظلم.........۴۔ وايثار التواضع فی المحافل والمجالس

۵۔ وترك الهزل والدعابة۔ ۶۔ والرفق بالمتعلم

۷۔ والتأنی بالمتحجرف.........۸۔ واصلاح البليد بحسن الارشاد وترك الحرد عليه ۹۔ وترك الأنفة من قول: (لا أدری)۔

۱۰۔ وصرف الهمة الى السائل وتفهم سؤاله۔ ۱۱۔ وقبول الحجة۔

۱۲۔ والانقياد للحق بالرجوع اليه عن الهفوة۔

۱۳۔ ومنع المتعلم عن كل علم يضره۔

۱۴۔ وزجره عن أن يريد بالعلم النافع غير وجه الله تعالی۔

۱۵۔ وصد المتعلّم عن أن يشغل نفسه بفرض الكفاية قبل الفراغ من فرض العين۔

۱۶۔ وفرض عينه اصلاح ظاهره وباطنه بالتقوی

۱۷۔ ومواخذة نفسه أوّلًا بالتقوی؛ ليقتدی المتعلم أولا بأعماله، ويستفيد ثانيًا من أقواله۔

وان كنت متعلما فآداب المتعلم مع العالم

۱۔ أن يبدأه بالتحية والسلام۔ ۲۔ وأن يقل بين يديه الكلام

۳۔ ولا يتكلم مالم يسأله أستاذه۔

۴۔ ولا يسأل أولا مالم يستأذن۔ ۵۔ ولا يقول فی معارضة قوله: (قال فلان بخلاف ما قلت)۔ ۶۔ ولا يشير عليه بخلاف رأيه، فيری أنه أعلم بالصواب من أستاذه۔

۷۔ ولا يشاور جليسه فی ملجسه۔ ۸۔ ولا يلتفت الى الجوانب۔

۹. بل يجلس مُطرِقًا ساكتًا متأدِبًا كأنه فى الصلاة

۱۰. ولا يكثر عليه عند ملله. ۱۱. واذا قام قام له

۱۲. ولا يتبعه بكلامه وسواله. ۱۳. ولا يسأله فى طريقه الى أن يبلغ الى منزله......... ۱۴. ولايُسيء الظن به فى أفعال ظاهرها منكرة عنده، فهو أعلم بأسراره، وليذكر عند ذلك قول موسى للخضر عليهما الصلوة والسلام: (أخرقتها لتغرق أهلها لقد جئت شيئًا امرا) وكونه مخطئًا فى انكاره، اعتمادا على ظاهره.

وان كان لك الوالدان فآداب الولد مع الوالدين

۱. أن يسمع كلامهما. ۲. ويقوم لقيامهما

۳. ويمتثل أمرهما ۴. ولا يمشى أمامهما.

۵. لا يرفع صوته فوق أصواتهما. ۶. ويلبى دعوتهما

۷. ويحرص على مرضاتهما. ۸. ويخفض لهما الجناح

۹. ولا يمن عليهما بالبر لهما ولا بالقيام لأمرهما.

۱۰. ولا ينظر اليها شزرًا.

۱۱. ولا يقطب وجهه فى وجوهما. ۱۲. ولا يسافر الا باذنهما.

واعلم أن الناس بعد هؤلاء فى حقك ثلاثة أصناف

۱. اما أصدقاء ۲. واما معاريف ۳. واما مجاهيل.

* فان بليت بالعوام المجهولين فأدب مجالسه العامة: ترك الخوض فى حديثهم، وقلة الاصغاء الى أراجيفهم، والتغافل عما يجرى من سوء ألفاظهم، والاحتراز عن كثرة لقائهم والحاجة اليهم، والتنبيه على منكراتهم باللطف، والنصح عند رجاء

القبول منهم. * وأما الاخوان والأصدقاء فعليك فيهم وظيفتان:

احداهما: أن تطلب أولا شروط الصحبة والصداقة. فلا تؤاخي الا من يصلح للأخوة والصداقة. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المرء على دين خليله. فلينظر أحدكم من يخالل.

فاذا طلبت رفيقا ليكون شريكك في التعلم، وصاحبك في أمر دينك ودنياك. فراع حينئذ فيه خمس خصال.

الأولى: العقل. فلا خير في صحبة الأحمق. فالى الوحشة والقطعية يرجع آخرها، وأحسن أحواله أن يضرك وهو يريد أن ينفعك. والعدو العاقل خير من الصديق الأحمق. قال علي رضي الله عنه:

ولا تصحب أخا الجهل ... اياك واياه
فكم من جاهل أردى ... حليما حين واخاه
يقاس المرء بالمرء ... اذا ما المرء ماشاه
وللشيء على الشيء ... مقاييس وأشباه
وللقلب على القلب ... دليل حين يلقاه

الثانية: حسن الخلق. فلا تصحب من ساء خلقه، وهو الذي لا يملك نفسه عند الغضب والشهوة. وقد جمعه علقمة العطاردي رحمة الله عليه في وصيته لابنه لما حضرته الوفاة. فقال: يا بني، اذا أردت صحبة انسان فاصحب من اذا خدمته صانك. فان صحبته زانك، واذا قعدت بك مؤنة مانك. اصحب من اذا مددت يدك للخير مدها، وان رأى منك حسنة عدها، وان رأى منك سيئة سدها. اصحب من اذا قلت صدق قولك، وان حاولت أمرا أعانك

ونصرك، وان تنازعتما فی شیء آثرك. وقال علی رضی الله عنه رجزاء:

ان أخاك الحق من كان معك ومن يضر نفسه لينفعك

ومن اذا ريب الزمان صدعك شتت فيك شمله ليجمعك

الثالثة: الصلاح، فلا تصحب فاسقا مصرا على معصية كبيرة؛ لأن من يخاف الله لا يصر على معصية كبيرة، ومن لا يخاف الله لا تؤمن غوائله، بل يتغير بتغير الأغراض والأحوال. قال الله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم: (ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هوه). "الكهف:٢٨" فاحذر صحبة الفاسق؛ فان مشاهدة الفسق والمعصية على الدوام تزيل عن قلبك كراهية المعصية وتهون عليك أمرها، ولذلك هان على القلوب معصية الغيبة لألفهم لها، ولو رأوا خاتمًا من ذهب أو ملبوسًا من حرير على فقيه لاشتد انكارهم عليه، والغيبة أشد من ذلك.

الرابعة: لاتصحب حريصا. فصحبة الحريص على الدنيا سم قاتل؛ لأن الطباع مجبولة على التشبه والاقتداء به. بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لا يدرى، فمجالسة الحريص تزيد فى حرصك، ومجالسة الزاهدين تزيد فى زهدك.

الخامسة: الصدق، فلا تصحب كذابا؛ فانك منه على غرور فانه مثل السراب، يقرب منك البعيد ويبعد منك القريب.

ولعلك تعدم اجتماع هذه الخصال فى سكان المدارس والمساجد، فعليك بأحد أمرين:

١. اما العزلة والانفراد؛ فان فيها سلامتك

٢. واما أن تكون مخالطتك مع شركائك بقدر خصالهم، بأن تعلم أن الاخوة ثلاثة: (١) أخ لاخرتك، فلا تراع فيه الا الدين.

(٢) وأخ للدنياك، فلا تراع فيه الا الخلق الحسن. (٣) وأخ تستأنس به، فلا تراع فيه الا السلامة من شره وفتنته وخبثه.

والناس ثلاثة:

(١) أحدهم مثله مثل الغذاء، لا يستغنى عنه.

(٢) والأخر مثله مثل الدواء، يحتاج اليه فى وقت دون وقت.

(٣) والأخر مثله الداء، لا يحتاج اليه قط، ولكن العبد قد يبتلى به، وهو الذى لا أنس فيه ولا نفع، فتجب مداراته الى الخلاص منه.

وفى مشاهدته فائدة عظيمة ان وفقت لها، وهو أن تشاهد من خبائث أحواله وأفعاله ما تستقبحه، فتجتنبه؛ فالسعيد من وعظ بغيره، والمؤمن مرآة المؤمن، وقيل لعيسى عليه السلام: من أدبك؟ قال: (ما أدبنى أحد، ولكن رأيت جهل الجاهل فاجتنبته)

الوظيفة الثانية: حقوق الصحبة، فمهما انعقدت الشركة وانتظمت بينك وبين شريكك الصحبة، فعليك حقوق يوجبها عقد الصحبة، وفى القيام بها آداب.

وآداب الصحبة

١. الايثار بالمال، فان لم يكن هذا فبذل الفضل من المال عند الحاجة..........٢. والاعانة بالنفس فى الحاجات على سبيل المبادرة من غير احواج الى التماس.

٣. و كتمان السر ٤. وستر العيوب

٥. والسكوت عن تبليغ ما يسوءه من مذمة الناس إياه.

٦. وإبلاغ ما يسره من ثناء الناس عليه. ٧. وحسن الإصغاء عند الحديث.............٨. وترك المماراة فيه.

٩. وأن يدعوه بأحب أسمائه إليه.

١٠. وأن يثني عليه بما يعرف من محاسنه. ١١. وأن يشكره على صنيعه في وجهه. ١٢. وأن يذب عنه في غيبته إذا تعرض لعرضه كما يذب عن نفسه. ١٣. وأن ينصحه باللطف والتعريض إذا احتاج إليه. ١٤. وأن يعفو عن زلته وهفوته فلا يعتب عليه.

١٥. وأن يدعو له في خلوته في حياته وبعد مماته.

١٦. وأن يحسن الوفاء مع أهله وأقاربه بعد موته.

١٧. وأن يؤثر التخفيف عنه فلا يكلفه شيئاً من حاجاته ويروح قلبه من مهماته.........١٨. وأن يظهر الفرح بجميع ما يرتاح له من مساره والحزن بما يناله من مكارهه.

١٩. وأن يضمر مثل ما يظهره فيكون صادقاً في وده سراً وعلانية.........٢٠. وأن يبدأه بالسلام عند إقباله.

٢١. وأن يوسع له في المجلس، ويخرج له من مكانه.

٢٢. وأن يشيعه عند قيامه.

٢٣. وأن يصمت عند كلامه حتى يفرغ من خطابه.

٢٤. وترك المداخلة في كلامه.

وعلى الجملة فيعامله بما يحب أن يعامل به، فمن لا يحب لأخيه مثل ما يحب لنفسه فأخوته نفاق، وهي عليه في الدنيا والآخرة وبال.

فهذا أدبك فی حق العوام المجهولین وفی حق الأصدقاء المؤاخین.

* وأما القسم الثالث. وهم المعاریف. فاحذر منهم. فانك لا ترى الشر الا ممن تعرفه. اما الصدیق فیعینك، واما المجهول فلا یتعرض لك، وانما الشر كله من المعاریف الذین یظهرون الصداقة بألسنتهم. فاقلل من المعارف ما قدرت.

فاذا بلیت بهم فی مدرسة أو جامع أو مسجد أو بلد أو سوق فیجب أن لا تستحقر منهم أحدًا، فانك لا تدری لعله خیر منك، ولا تنظر الیهم بعین التعظیم لهم فی حال دنیاهم فتهلك؛ لأن الدنیا صغیرة عندالله صغیر ما فیها، ومهما عظم أهل الدنیا فی قلبك فقد سقطت من عین الله تعالی.

۱۔ وایاك ان تبذل لهم دینك لتنال به من دنیاهم فلم یفعل ذلك احد الا صغر فی اعینهم ثم حرم مع عندهم۔ ۲۔ وان عادوك فلا تقابلهم بالعداوة: فانك لا تطیق الصبر علی مكافأتهم، فیذهب دینك فی عداوتهم، فیطول عنادك معهم۔

۳۔ ولا تسكن الیهم فی حال اكرامهم۔

۴۔ ایاك وثناء هم علیك فی وجهك واظهارهم المودة لك؛ فانك ان طلبت حقیقة ذلك لم تجد فی المائة واحدا۔

۵۔ ولا تطمع أن یكون لك فی العلن والسر واحد۔

۶۔ ولا تتعجب ان ثلبوك فی غیبتك، ولا تغضب منه فانك ان أنصفت وجدت فی نفسك مثل ذلك حتی أصدقاءك وأقاربك، بل فی أستاذك ووالدیك؛ فانك تذكرهم فی الغیبة بما لا تشافههم به۔

۷۔ فاقطع طمعك عن مالهم وجاههم ومعونتهم فان الطامع فى الاكثر خائب فى المأل وهو ذليل لامحالة فى الحال۸۔ فاذا سألت واحدا حاجة فقضاها فاشكر الله تعالى واشكره. وان قصر فلا تعاتبه ولا تشكه، فتصير عداوة له. وكن كالمؤمن يطلب المعاذير، ولا تكن كالمنافق يطلب العيوب، وقل: لعله قصر لعذرٍ له لم أطلع عليه۔۹۔ ولا تعظن أحدا منهم مالم تتوسم فيه أولًا مخايل القبول، والالم يستمع منك وصار خصمًا عليك۔

۱۰۔ فاذا أخطؤوا فى مسألة وكانوا يأنفون من التعليم من كل أحدٍ: فلا تعلمهم؛ فانهم يستفيدون منك علما ويصبحون لك أعداء، الا اذا تعلق ذلك بمعصية يقارفونها عن جهل منهم. فاذكر الحق بلطف من غير عنف۔

فصل فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر

عمدة الحسبة شيئان: اللطف والرفق والبداية فى الوعظ على سبيل اللين، لا على سبيل العنفو والترفع والادلال بدلالة الصلاح؛ فان ذلك يؤكد داعية المعصية ويحمل العاصى على المناكرة والايذاء، ثم اذا آذاه ولم يكن حسن الخلق: غضب لنفسه وترك الانكار لله واشتغل بشفاء غليله منه. فيصير عاصيا۔

العمدة الثانية: أن يكون المحتسب قد بدأ بنفسه، فهذبها وترك ما ينهى عنه أولا۔ قال الحسن البصرى: (اذا كنت تأمر بالمعروف فكن من آخذ الناس به، والا هلكت) فهذا هو الأولى أن ينفع كلامه، والا استهزئ به. وليس هذا

شرطًا، بل یجوز الاحتساب للعاصی أیضا.

ومن الآداب: أنك اذا رأیت منهم کرامة وخیرًا فاشکر الله الذی حببك الیهم. واذا رأیت منهم شرا فکلهم الی الله تعالی، واستعذ بالله من شرهم ولا تعاتبهم، ولا تقل لهم: لم لم تعرفوا حقی؛ وأنا فلان بن فلان، وأنا الفاضل فی العلوم؛ فان ذلك من کلام الحمقی، وأشد الناس حماقة من یزکی نفسه ویثنی علیها. واعلم أن الله تعالی لا یسلطهم علیك الا لذنب سبق منك، فاستغفر الله من ذنبك، واعلم أن ذلك عقوبة من الله تعالی لك.

وکن فیما بینهم سمیعًا لحقهم، أصم عن باطلهم، نطوقًا بمحاسنهم، صموتًا عن مساویهم. واحذر مخالطة متفقهة الزمان، لا سیّما المشتغلین بالخلاف والجدال، واحذر منهم؛ فانهم یتربصون بك لحسدهم ریب المنون، ویقطعون علیك بالظنون، ویتغامزون وراءك بالعیون، یحصون علیك عثراتك فی عشیرتهم، حتی یجبهوك بها فی غیظهم ومناظراتهم، لا یقیلون لك عثرة، ولا یغفرون لك زلة، ولا یسترون علیك عورة، یحاسبونك علی النقیر والقطمیر، ویحسدونك علی القلیل والکثیر، ویحرضون علیك الاخوان بالنمیمة والبلاغات والبهتان، ان رضوا فظاهرهم الملق، وان سخطوا فباطنهم الحنق، ظاهرهم ثیاب وباطنهم ذئاب.

هذا حکم ما قطعت به المشاهدة علی أکثرهم الا من عصمه الله تعالی، فصحبتهم خسران ومعاشرتهم خذلان، هذا حکم من

يظهر لك الصداقة. فكيف من يجاهرك بالعداوة. قال القاضي أبن معروف رحمة الله عليه:

فاحذر عدوك مرة واحذر صديقك ألف مرة
فلربما انقلب الصديق فكان أعرف بالمضرة

وكذلك قيل في المعنى:

عدوك من صديقك مستفاد فلا تستكثرن من الصحاب
فان الداء أكثر ما تراه يكون من الطعام أو الشراب

وكن كما قال هلال ابن العلاء:

لما عفوت ولم أحقد على أحد
أرحمت نفسي من هم العداوت
انى احيي عدوى عند رؤيته
لادفع الشر عنى بالتحيات
وأظهر البشر للانسان أبغضه
كأنه قد ملأ قلبي مسرات
ولست أسلم ممن لست أعرفه
فكيف أسلم من أهل المودات
الناس داء دواء المحض تركهم
وفي الجفاء لهم ترك الأخوات
فسالم الناس تسلم من غوائلهم
وكن حريصا على كسب المودات
وخالق الناس واصبر ما بليت

بهم أصم أبكم أعمى ذا تقيات

وكن أيضا كما قال بعض الحكماء: الق صديقك وعدوك بوجه الرضاء من غير مذلة ولا هيبة منهما، وتوقر من غير كبر، وتواضع من غير مذلة، وكن فى جميع أمورك فى اواسطها، فكلا طرفى الأمور ذميم، كما قيل:

عليك بأوساط الأمور فانها
طريقٌ الى نهج الصراط قويم
ولا تك فيها مفرطا أو مفرطًا
فان كلا حال الأمور ذميم

ولا تنظر فى عطفيك، ولا تكثر الالتفات، ولا تقف على الجماعات، واذا جلست فلا تستوفز، وتحفظ من تشبيك أصابعك، والعبث بلحيتك وخاتمك، وتخليل أسنانك، وادخال أصبعك فى أنفك، وكثرة بصاقك وتنخمك، وطرد الذباب عن وجهك، وكثرة التمطى والتثاؤب فى وجوه الناس وفى الصلاة وغيرها، وليكن مجلسك هادئا، وحديثك سطومًا مرتبًا، وأصغ الى الكلام الحسن ممن حدثك من غير اظهار تعجب مفرط ولا تسأله اعادته۔

واسكت عن المضاحك والحكايات، ولا تحدث عن اعجابك بولدك وشعرك وكلامك وتصنيفك وسائر ما يخصك، ولا تتصنع تصنع المرأة فى التزين، ولا تبتذل ابتذال العبد، وترق كثرة الكحل والاسراف فى الدهن، ولا تلح فى الحاجات، ولا تشجع أحدا على ظلم، ولا تعلم أحدًا من أهلك وولدك فضلًا عن

غیرهم مقدار مالك؛ فانهم ان رأوه قليلاً هنت عليهم، وان رأوه كثيرًا لم تبلغ رضاهم قط. وأخفهم من غير عنف، ولن لهم من غير ضعف، ولا تهازل أمتك ولا عبدك فيسقط وقارك. وذا خاصمت فتوقر، وتحفظ من جهلك وعجلتك، وتفكر فى حجتك، ولا تكثر الاشارة بيدك، ولا تكثر الالتفات الى ورائك ولا تجث على ركبتيك، واذا هدأ غضبك فتكلم، واذا قربك السلطان فكن على حد السنان، واياك وصديق العافية؛ فانه أعدى الأعداء، ولا تجعل مالك أكرم من عرضك.

وهذا القدر۔ يافتى۔ يكفيك من (بداية الهداية) فجرب بها نفسك، فانها ثلاثة أقسام:........١۔ قسم فى آداب الطاعات ٢۔ وقسم فى ترك المعاصى ٣۔ وقسم فى مخالطة الخلق۔

وهى جامعة لجميع معاملة العبد مع الخالق والخلق،(وفى نسخة: (معاملات) فان رأيتها مناسبة لنفسك، ورأيت قلبك مائلا اليها، راغبًا فى العمل بها، فاعلم أنك عبد نور الله قلبك بالايمان وشرح به صدرك، وتحقق ان لهذه البداية نهاية، ووراءها أسرارًا وأغوارا وعلوما ومكاشفات، وقد أودعناها فى كتاب (احياء علوم الدين) فاشتغل بتحصيله۔ فان رأيت نفسك تستقل العمل بهذه الوظائف وتترك هذا الفن من العلم وتقول لك نفسك: أنى ينفعك هذا الفن فى محافل العلماء؟ ومتى يقدمك هذا على الأقران والنظراء؟ وكيف يرفع منصبك فى مجالس الأمراء والوزراء ليوصلك الى الصلة والأرزاق وولاية الأوقاف

والقضاء؛ فاعلم أن الشيطان قد أغواك وأنساك متقلبك ومثواك. فاطلب لك شيطانًا مثلك، ليعلمك ما تظن أنه ينفعك ويوصلك الى بغيتك ثم اعلم أنه قط لا يصفو لك الملك فى محلتك، فضلا عن قريتك وبلدك، ثم يفوتك الملك المقيم والعنيم الدائم فى جوار رب العالمين۔

خاتمة

تنعطف على الجميع فى مناظرة النفس

اعلم أنا قد نبهناك وشوقناك، فان أعرضت عن الاصغاء وأصغيت بظاهر قلبك، كما تصغى الى الكلام الرسمى، فقد خبت وخسرت، وما ظلمت الا نفسك، ومن أظلم ممن ذكر بآيت ربه فأعرض عنها ونسى ما قدمت يداه۔

وان أصغيت اصغاء ذى فطنة وبصر حديد، وتذكرت تذكر من له قلب، وقد ألقى السمع وهو شهيد، فاخرج عن جميع ما يصدك عن سلوك الصراط المستقيم، ولا يصدك عنها الا حب الدنيا والغفلة عن الله سبحانه وتعالى واليوم الآخر۔

فاجتهد فى أن تفرغ قلبك كل يوم ساعة عقيب صلاة الصبح، وذلك عند صفاء الذهن، فتفكر فى شأنك وتنظر فى مبدئك ومعادك وتحسب نفسك وتقول لها: انى مسافر تاجر، وربحى سعادة الأبد ولقاء الله سبحانه وتعالى، وخسرانى شقاوة الأبد والحجاب عن الله تعالى، ورأس مالى عمرى، وكل نفس من

الأنفاس كنز من الكنوز، وجوهرة من الجواهر، اذ يصاد به سعادة الأبد، وأى كنز أعظم من هذا؛ واذا فى العمر انقطعت التجارة وحصل اليأس، وهذا اليوم جديد، قد أمهلنى الله تعالى فيه، ولو توفانى لكنت أشتهى أن يرجعنى الى الدنيا لأعمل صالحا. فاحسبى ـ يانفس ـ أنك توفيت، ورجعت الى الدنيا يومًا واحدًا. فاجتهدى فى هذا اليوم الواحد، وانظرى لنفسك. فان لم تمهلى للغد فقد استوفيت ربح هذا اليوم ولم تتحسرى، وان أمهلت فاستأنفى للغد مثل ذلك، ولا تخدعن نفسك بتمنى العفو؛ فان ذلك ظن قد يكذب، ولا ينفع التحسر،ثم هب أنه قد عفى عنك، أليس فاتك ثواب المحسنين، وناهيك به حسرة وندامة!

فاذا قالت نفسك: ماذا أعمل، كيف أجتهد؟ فتقول: اتركى ما يفارقك بالموت، والزمى بدلك اللازم ـ وهوالله سبحانه وتعالى ـ فاطلبى الأنس بذكره. فاذا قالت: فكيف أترك الدنيا وقد استحكمت علاقتها فى قلبى؟ فتقول: أقبلى على ترك علائقها من باطن القلب، وفتشى من أغلب علاقة من علائقها من حب ومال وجاه أوحسد أو عداوة أو شهوة بطن أو فرج أو غير ذلك من المهلكات، تفكرى فى عظم آفتها واهلاكها اياك،ثم انبعثى بمجاهدتها ومخالفة مقتضاها. وقد تخلصت منها، وأمدك الله بالمعونة والتوفيق.

وقدرى ـ يانفس ـ انك مريضة، والعمر مدة الاحتماء، وقد أنباك طبيب تظن صدقه أن ملّاذ الأطعمة تضرك، وأن ادوة

البشعة تنفعك. ألست تصبرين بقوله على مرارة الدواء طمعا فى الشفاء؟ ألست تصبرين على الكد والتعب طمعًا فى الاستراحة فى المنزل؟ فأنت مسافرة. ومنزلك الآخرة. والمسافر لا يسترىح ويحتمل التعب والكد. فان استراح انقطع فى الطريق وهلك۔

وتقول: يا نفس، ما الذى تطلبين من الدنيا؟ ان طلبت المال ووجدت وهيات. فيكون فى اليهود جماعة اغنى منك۔ وان طلبت الجاه ونلت وهيأت فيكون فى اجلاف الأتراك وحمقى الأكراد من يستولى عليك۔ ويكون جاهه أعظم من جاهك۔

فان كنت لا تدركين آفة الدنيا وشدّة عذابها فى الآخره وبلاء ها افلا تترفعين منها لخسّة شركائها؟ أوما تعلمين أنك لو أعرضت عن الدنيا وأقبلت على الآخرة، لكنت وحيد الدهر فريد العصر، لا يوجد فى الأقاليم نظيرك. وان طلبت الدنيا كان فى اليهود والحمقى من يسبقك بها. فتفكرى۔ يا نفس۔ وانظرى لنفسك. فلا ينظر لك أحد غيرك۔

ولا تزال تناظر نفسك حتى تطاوعت على سلوك الصراط المستقيم الى سبحانه وتعالى۔

فهذه المناظرة أهم لك۔ ان كنت عاقلا۔ من مناظرة الحنفية والشافعية والمعتزلة وغيرهم، فلم تعاديهم وتجادلهم ولا يضرك خطؤهم وبدعتهم، وتترك أعدى عدوك بين جنبيك ألا تنازعه ولا تناظره؟ بل تساعده على ما يطالبك به من شهواتك الباطلة. فتستنبط بالفكر الدقيق الحيل لقضاء

شهواتك هل هذا الا عين الانعكاس الانتكاس؛ فهل رأيت قط رجلا يشاهد تحت ثوبه حيات و عقارب أقبلت عليه لتهلكه واخذ المروحة ليدفع الذباب عن وجة غيره وهل يستحق من يفعل ذلك فاعلم أن هذا حالك فى اشتغالك بمناظرة غيرك واعراضك عن مناظرة نفسك، ومالم تناظر نفسك مدة طويلة لا تخليك لمناجاة ربك وذكره والاقبال عليه۔

ثم طريقك مع النفس اذا خالفتك أن تعاقبها بما يزجر، وتعلم أنها كالكلب لا تتأدب الا بالضرب، فان أردت أنت تتعلم طريق منازلتها ومراقبتها ومحاسبتها ومعاقبتها فاطلبه من كتاب المحاسبة والمراقبة؛ فان هذا الكتاب لا يحتمله والله يوفقنا واياك بفضله وبسعة جوده وجزيل كرمه۔

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته، والحمد لله أولا وآخرا وظاهرا وباطنا، ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم، وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم۔

تمت

جدول الثلاثين

قال الجامع عفى عنه:

بسم الله الرحمن الرحيم

أما بعد، الحمد لله الذى لا اله الا هو، والصلاة على رسوله سيدنا محمد وآله. فان علم الأخلاق من فرائض العلوم؛ لتوقف اصلاح النفس عليه، وهو أمر محتوم، ولما كان تصانيف الغزالى رحمة الله عليه من أفيد الكتب فى هذا الفن الشريف، وكان كتاب (الاربعين) من أوجز التأليف، أردت۔ لقصر همم الطالبين۔ تلخيصه مع بقاء أصل المقصود؛ كيلا يبقى لهم عذر فى تركه وجعله كالشيء المطرود۔

واقتصرنا من أربعين أصلاً فى أربعة أقسام من أصل الكتاب على ثلاثين فى ثلاثة أقسام؛ لكون عشرة أصول من القسم الأول من العقائد مفروغا عنها فى فن آخر بالتمام۔

فالعشرة من القسم الثانى تتعلق بالظاهر من الأعمال والعبادات.......والعشرة من القسم الثالث بالأعمال الباطنة التى هى مهلكات........والعشرة من القسم الرابع بالأعمال الباطنة التى هى منجيات۔ فبالله أحول وثقة به أقول:

القسم الثانی فی الأعمال الظاهرة الخ

قوله: الخ: أشار بهذا الرمز الی وجه الاکتفاء فی الکتابة. توضیحه أنه لما کانت رسالة (الثلاثین) هذه هی رسالة (الأربعین) بعینها محذوفا منها الخطبة والقسم الأول بأجمعه وبعض العبارات المتفرقة من الأقسام الثلاثة الباقیة، وکانت رسالة (الأربعین) قد طبعت فی غیر مطبعة وتوجد بکثرة: کان طبع (الثلاثین) برأسها تکثیرا للشغل، فأعلمنا فی جدول سیأتی تلک العبارات المحذوفة بضبط أوائلها وأواخرها، ولزیادة الاحتیاط عینا ماقبل تلک العبارات وما بعدها؛ لیکون أبعد بعید من الاشتباه والالتباس۔

ثم تبرعنا أیضا برقم أعداد الصفحات والسطور من المطبوعة الکشوریة خاصة، ولو لم یکن لم یضر، فلیضع قارئ (الثلاثین) علامات یعرفها علی اول تلک العبارات وعلی آخرها، ویترک فی الدرس ما بین علامتین ویدرس باقیها، فاذا هو قد أتی علی (الثلاثین) کلها ۔ منه عفی عنه۔

وللتسهیل علی المبتدئ نوضح مقصود المنهیة فی الهندیة: یعنی رساله (اربعین) کو (کہ مصری و کشوری مطبوعه ملتا ہے) لے کر جدول آئنده کو دیکھ دیکھ کر عبارات محذوفه علامت بنالی جاویں، پس بقیه عبارات کا مجموعه (ثلاثین) ہے ۔ عفی عنه

تذئیل شرح العقائد فی تفصیل أهواء أهل المفاسد

ألحقها بعد التلخیص الجامع عفی عنه:

وهذا هو الجدول الموعود في المنهبة على الخطبة

القسم(1) الثاني

عدد الأصل من القسم الثاني	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحة(2) ابتداء العبارة	وسطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	وسطر العبارة
الأول	وذلك لسرّ العلاقة التي بين عالم الشهادة	أوجب عليك الخروج من كل ما أنت فيه	كنت لا تصادفه قبله	الثاني أن تحافظ على سنن الصلاة	ص ٩	س ٣	ص ٩	س ٢٦
الخامس	واعلم أن معاني القرآن من جملة	يتلى بها المتعطش إلى الحق نوعان	لتنظروا في ملكوت السماوات	وأما ما يتلى به ضعيف الإيمان	ص ١٨	س ١٣	ص ١٨	س ١٤
أيضًا	نوعين آخرين	أحدهما	بطريق الله يحجبونه	الوساوس الصارفة	ص ١٨	س ١٧	ص ١٨	س ١٧
أيضًا	النوع الثاني التقليد لظواهر معاني القرآن	تشويقًا للمستعدين لها إليها	وهو معنى تقطيع الحروف وتصحيحها	الخامس: أن لا تقتصر على اقتباس	ص ١٨	س ٢١	ص ١٩	س ٨
أيضًا	فإذا فعلت ذلك اشترك في	المنتشر الإشراق والضياء	وانقباض فيها عند الاستشعار	الأصل السادس في ذكر الله تعالى	ص ١٩	س ١٥	ص ٢٠	س ١٣
السادس	وإنما سمّوا هذه الحالة فناء	إلى أسرار الذكر وفضل الأذكار منها	معرض عن المستغرق به	الأصل السابع في طلب الحلال	ص ٢١	س ١٥	ص ٢٥	س ٢١

(1) والقسم الأول متروك بأجمعه، كما ذكر في الخطبة.

(2) وهذه الصفحات والسطور للنسخة المطبوعة في مطبعة انول كشور. منه عفي عنه

نام باب	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحہ ابتداء عبارت	سطر ابتداء عبارت	صفحہ انتہاء عبارت	سطر انتہاء عبارت
السابع	ومذا شيء يطول ذكره، ولكن اعلم	يطمئن إليه قلبك لا بما يفتي به المفتي	استفت قلبك وإن أفتوك	فصل: إياك أن تشدد على نفسك	ص ٢٨	س ٧	ص ٢٨	س ١٦
العاشر	فعليك أن تلبس السراويل	تبتدئ بخنصر اليمنى وتختم بخنصر اليسرى	فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا	وكذلك في جميع حركاتك وسكناتك	ص ٣٨	س ١٠	ص ٣٨	س ١٢
العاشر	وقلم الظفر مثلًا تطهير لليد	كذلك فعل رسول الله ﷺ، والحكمة فيه ما ذكرناه	للاستنجاء وتناول القاذورات	وإذا أنت تعودت رعاية العدل	ص ٣٩	س ١١	ص ٣٩	س ١٧
أيضًا	كما قال رسول الله ﷺ: يا أيها الناس إن الله	بالخاصية في السعادة والشقاوة	وكوشف به من عالم الملكوت	ولا ترض لنفسك أن تصدق	ص ٤٠	س ١٦	ص ٤٠	س ٢١
أيضًا	واحد الأوراد هو من وقت انتباهك	كل وقت عبادة أخرى بتنقل من بعضها إلى بعض	والها مستهترًا، فعليك أن ترتب أورادك	وهذا إن كنت من العباد، فإن كنت معلمًا أو	ص ٤٣	س ٧	ص ٤٣	س ١٣

القسم الثالث

عدد الأعمال من القسم الثالث	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحة ابتداء العبارة	وسطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	وسطر العبارة
الأوّل	ما من عمل أحبّ إلى الله من جوع	وأبغضكم إلى الله كل أكول نوام شروب، وقال	عظم رسول الله ﷺ أمر الجوع، وقال	ما ملأ آدمي وعاء شرًّا من بطن	ص ٤٤	س ٨	ص ٤٤	س ١٠
أيضًا	وقال: إن الشيطان ليجري من ابن آدم	في أنصاف البطون؛ فإنه جزء من النبوة	فثلث لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه	فصل: نعلك تشتهي أن تعلم السّرّ	ص ٤٤	س ١٢	ص ٤٤	س ١٤
السادس	وهو من الصفات الإلهية والإلهية	قل الروح من أمر ربّي، فهو أمر ربّانيّ	إن الجاه معناه العلو والكبرياء والعزّ	فشغفه من حيث الطبع الاستبداد	ص ٥٩	س ٢١	ص ٦٠	س ١
أيضًا	وهو الحقيقة الإلهية؛ إذ ليس مع الله	لكن أظهره فرعون، وأخفاه غيره	الانفراد بالوجود	لكن إن فاته الانفراد بالوجود	ص ٦٠	س ١	ص ٦٠	س ٤
أيضًا	لأن كل ذلك يناسب صفات الربوبية	أسرار لا يحتمل هذا الكتاب كشفه	يعلم أنه لا يطؤها ولا يرى أهلها	فصل إذا عرفت حقيقة الجاه	ص ٦٠	س ١٤	ص ٦١	س ١٧
العاشر	أمّا طلب المنزلة في قلوب الناس	فيه الذين والورع حرام	وكلّ ذلك حرام، بل هو من الكبائر	لشيئين: أحدهما أنه تلبيس إذا	ص ٧٤	س ٢	ص ٧٤	س ١٤

عدد الأصل من القسم الثالث	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحة ابتداء العبارة	وسطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	وسطر العبارة
خاتمة القسم	فإن الناس في أمر الآخرة أربعة	أعني الأصناف الثلاثة	فتفكر في أقاويل أرباب البصائر	ومنهم لأسباه والأولياء والحكماء	ص ٨٣	س ١٢	ص ٨٣	س ٢٠
أيضًا	رابع	رابع ١	في أتباعهم وصنف	ليسوا من النظار	ص ٨٣	س ٢٣	ص ٨٣	س ٣٣

القسم الرابع

عدد الأصل من القسم الرابع	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحة ابتداء العبارة	وسطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	وسطر العبارة
الثاني	وقد أوحى الله سبحانه وتعالى إلى داود	وهذا أكمل أنواع الخوف وأفضله	خافه بالضرورة [1]	فصل: علاج الخوف وتحصيله على مرتبتين	ص ٨٩	س ٢١	ص ٩٠	س ٥
أيضًا	فإن الواقع في مخالب	ليخاف إن كان يعرف السبع	فإنما توجب الخوف بالضرورة	ومن عرف جلال الله سبحانه	ص ٩٠	س ٧	ص ٩٠	س ٧
الثالث	وفي الأثران من رفع بناءه	إلى أين يا أفسق الفاسقين	ولا يرفع بناءه ولا يهتم بتجصيصه	ومات رسول الله ﷺ	ص ٩٣	س ٢١	ص ٩٣	س ٢٢
أيضًا	في الدنيا والآخرة ودونه	في الدنيا خاصة دون الآخرة	في كل شيء ما سوى الله تعالى	ثم يدخل فيه كلها [2] فيه حظ	ص ٩٥	س ١٤	ص ٩٥	س ١٥

(١) وفي نسخة: «إنما يخشى الله من عباده العلماء». (٢) في نسخة: «كل ما».

سطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	سطر العبارة	صفحة ابتداء العبارة	ما بعد العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ابتداء العبارة المتروكة	عدد الأبواب الربع
س ١٥	ص ١٠١	س ١٦	ص ١٠٠	الركن الثاني: الحال المثمرة	والوسائط كلّها مسخرون مقهورون	إن ذلك مني فكان معرفة ذلك شكرًا	وهذه المعرفة وراء التقديس والتوحيد	الخامس
س ٦	ص ١٠٥	س ١٧	ص ١٠٤	فصل: إذا عرفت فضل النية	تصفية الباعث عن الشوب	نية المؤمن خير من عمله	فصل: إذا حصل العمل بباعث النيّة	السادس
س ٧	ص ١٠٥	س ٦	ص ١٠٥	فاجتهد أن تستكثر من النية	إذا عرفت فضل النية	وتؤثر فيه	وإنها تحل حدقة المقصود	أيضًا
س ٥	ص ١٠٦	س ٨	ص ١٠٦	الركن الثاني في إخلاص النيّة	وريحه أنتن من الجيفة	حتى يحتمل الدواء النافع بعد	فصل: اعلم أن النية لا تدخل تحت	أيضًا
س ١	ص ١١٣	س ١٤	ص ١١٠	الركن الثاني حال التوكل معناه	لا يتسع لتقدير غيره	وصوله بقدر معلوم منتظر	فصل: هذا التوحيد له لبابان	السابع
س ٨	ص ١١٤	س ١٩	ص ١١٣	الركن الثالث في الأعمال وقد يظن	ومع ذلك فيفرغ النفس إلى الأسباب	رسمه الوكيل وسنّه له وأمره به	فصل: إذا عرفت أن التوكل عبارة	أيضًا
س ١٠	ص ١٢٣	س ٧	ص ١١٩	فصل: اعلم أن للمحبة علامات كثيرة يطول	وأنتم أولياء الله حقًا معكم أمرت أن أتيم	يصير الإنسان إنسانا فضلا من أن يصير مؤمنا	فصل: العارف لا يحبّ إلا الله، فإن	الثامن
س ٨	ص ١٢٦	س ٢	ص ١٢٦	فصل تقول: كيف أجمع بين الرضاء بقضاء	لِمَ وكيف ورضي بما دبّر الله تعالى في ملكوته	وشرح ذلك يطول، ولا رخصة فيه أيضًا، فلنتجاوز	وههنا وجه رابع ينشعب عن محض	التاسع

عدد الأقسام في الباب (القسم)	ابتداء العبارة المتروكة	انتهاء العبارة المتروكة	ما قبل العبارة المتروكة	ما بعد العبارة المتروكة	صفحة ابتداء العبارة	سطر العبارة	صفحة انتهاء العبارة	سطر العبارة
الماشر	وللعارف في ذكره فائدتان	لا يكره الموت، لأنه لا يكره لقاء الله	كما أن حبها رأس كل خطيئة	ولا سبب لإقبال الخلق على الدنيا	ص ١٢٨	س ٧	ص ١٢٨	س ١٢
أيضًا	فصل: اعلم أن العارف الكامل	علوم ذلك الكتاب ولا يناسبها أصلًا	واستحيوا من الله حق الحياء	خاتمة: تنعطف على الجميع في مناظرة	ص ١٢٩	س ١٢	ص ١٤٤	س ٢
خاتمة الجميع	وفي هذا المعرض ينكشف لك	بأسرار الأعمال وأرواحها	وإعراضك عن مناظرة نفسك	وما لم تناظر نفسك مدة طويلة	ص ١٤٥	س ٢١	ص ١٤٥	س ٢٢

تمت

تذييل شرح العقائد فى تفصيل أهواء أهل المفاسد

بِسْمِ الله الرحمن الرحيم

أما بعد الحمد والصلاة، فلما كان (شرح العقائد النسفية) خاليًا عن عد الفرق الضالة البدعية لقطها عن (شرح المواقف) وربطها به؛ لتميز الموافق من المخالف، من غير تعرض بابطالها تصريحا، لظهور بطلانها، ولاغناء الشارح عنه تحقيقا وتنقيحا، فبحوله أصول وبقوته أقول:......قال الله تعالى: (وأن هذا صراطى مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبيل فتفرق بكم عن سبيله) "الانعام: ١٥٣" وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ستفترق امتى ثلاثا وسبعين فرقة، كلها فى النار الا واحدة، وهى ما أنا عليه وأصحابى. وكان من معجزاته حيث وقع ما أخبر به، كما ستعرف.

اعلم أن كبار الفرق الاسلامية ثمانية:

١۔ المعتزلة ٢۔ والشيعة ٣۔ والخوارج

٤۔ والمرجية ٥۔ والنجارية ٦۔ والجبرية

٧۔ والمشبهة ٨۔ والناجية

الفرقة الأولى المعتزلة

المعتزلة أصحاب واصل بن عطاء، اعتزل من مجلس الحسن البصري، وأخذ يقرر أن مرتكب الكبيرة ليس بمؤمن ولا كافر، ويثبت له المنزلة بين المنزلتين، فقال الحسن: قد اعتزل عنا. ويلقبون بالقدرية؛ لاعتقادهم اسناد أفعال العباد الى قدرتهم وانكارهم القدر فيها. ولقبوا أنفسهم بأصحاب العدل والتوحيد، وذلك لقولهم بوجوب الأصلح ونفي الصفات القديمة، وقالوا بأن كلامه تعالى مخلوق، وبأنه غير مرئي، وبأن الحسن والقبح عقليان، ويجب عليه تعالى رعاية الحكمة والمصلحة في أفعاله وثواب المطيع والتائب وعقاب صاحب الكبيرة۔

ثم انهم افترقوا عشرين فرقة يكفر بعضهم بعضا، منهم:

١۔ الواصلية: أصحاب واصل بن عطاء۔ قالوا بنفي الصفات وبالقدر، وامتناع اضافة خلق الشر الى الله تعالى، وذهبوا الى الحكم بتخطئة أحد الفريقين من عثمان وقاتليه، وجوزوا أن يكون عثمان لا مؤمنا ولا كافرا، وأن يخلد في النار، وكذا علي ومقاتلوه۔

٢۔ ومنهم العمروية: وهم منتسبون الى عمرو بن عبيد، وهم مثلهم الا أنهم فسقوا الفريقين في قصة عثمان و علي رضي الله عنهما .... ٣۔ ومنهم الهذيلية: أصحاب أبي الهذيل بن حمدان العلاف۔ قالوا بفناء مقدورات الله تعالى كجهم الذاهب الى فناء الجنة والنار، وقالوا: ان حركات أهل الجنة وأهل النار ضرورية غير اختيارية، وأنها تنقطع، ويصيرون الى خمود دائم و

سکون يجتمع مع اللذة والألم. ومن ثم سماه المعتزلة جهمی الآخرة. وقالوا: الحجة بالتواتر فيما غاب لا يقوم الا بخبر عشرين، فيهم واحد من أهل الجنة أو أكثر.

۴. ومنهم النظامية: أصحاب ابراهيم بن سيالة النظام. قالوا: لا يقدر الله أن يفعل بعباده فی الدنيا ما لا صلاح لهم. ولا أن يزيد فی الآخرة أو ينقص من ثواب أو عقاب. وقالوا: نظم القرأن ليس بمعجز. وانما صرف الله العرب عن الاهتمام لمعارضته، حتی لو خلاهم لأمكنهم الاتيان بأفصح منه. وقالوا: التواتر يحتمل الكذب. والاجماع والقياس ليس شیء منهما بحجة. ومالوا الی الرفض ووجوب النص علی الامام وثبوته علی علی رضی الله عنه، لكن كتمه عمر رضی الله عنه. وقالوا: من خان بالسرقة فيما دون النصاب وظلم به علی غيره بالغصب والتعدی، لا يفسق.

۵. ومنهم الأسوارية: أصحاب الأسواری. وافقوا النظامية، وزادوا أن الله لا يقدر علی ما أخبر بعدمه، والانسان قادر عليه.

٦. ومنهم الاسكافية: أصحاب أبی جعفر الاسكاف. قالوا: الله لا يقدر علی ظلم العقلاء بخلاف ظلم الصبيان والمجانين، فانه يقدر عليه......۷. ومنهم الجعفرية: أصحاب جعفر بن جعد بن مبشر بن حرب. وافقوا الاسكافية، وزاد عليهم أن فساق الأمة من هو شر من الزنادقة والمجوس، وأن الاجماع علی حد الشرب خطأ، وأن سارق الحبة فاسق منخلع عن الايمان.

۸. ومنهم البشرية: أصحاب بشر بن المعتمر. قالوا بالتوليد،

وقالوا: الله قادر على تعذيب الطفل، ولو عذبه كان ظالما، لكنه لا يستحسن أن يقال فى حقه ذلك، بل يجب أن يقال: لو عذبه لكان الطفل بالغا عاقلا مستحقا للعقاب۔

٩۔ ومنهم المزدارية: أصحاب أبي موسى عيسى بن صبيح المزدار، تلميذ بشر۔ قال: الله تعالى قادر على أن يكذب ويظلم، ولو فعل لكان الهًا كاذبًا ظالمًا۔ تعالى الله عن ذلك علوا كبيرًا۔، وقال: الناس قادرون على مثل القرآن وأحسن منه نظمًا وبلاغة۔

١٠۔ ومنهم الهشامية: أصحاب هشام بن عمر الفوطى۔ قالوا: الأعراض لا تدل على الله تعالى، أى على كونه خالقا لها، ولا تدل على صدق مدعى الرسالة، فلا يكون فلق البحر واحياء الموتى دليلا للنبوة، وانما الدال هو الاجسام، وقالوا: لا دلالة فى القرآن على حلال وحرام، والامامة لا تنعقد مع الاختلاف كامامة على رضى الله عنه، والجنة والنار لم يخلقا بعد، وانه لم يحاصر عثمان ولم يقتل مع كونه متواترة، وان من أفسد صلاته فى آخرها، وقد افتتحها أولا بشروطها، فأول صلاته معصية منهى عنه۔

١١۔ ومنهم الصالحية: أصحاب صالح۔ جوزوا خلو الجوهر عن الأعراض كلها، وجوزوا قيام العلم والقدرة بالميت۔

١٢۔ ومنهم الحابطية: أصحاب أحمد بن الحابط من أصحاب النظام۔ قالوا: للعالم الهان: قديم ومحدث هو المسيح، وهو الذى يحاسب الناس فى الآخرة۔ وانما سمي المسيح؛ لأنه ذرع الأجسام وخلقها۔

١٣۔ ومنهم الحدبية: أتباع فضل الحدبى، ومذهبهم مذهب

الحابطية الا أنهم زادوا التناسخ وأن كل حيوان مكلف،فانه تعالى أبدع الحيوانات عقلاء، بالغين فى دار سوى هذه الدار، وخلق فيهم معرفة وأسبغ عليهم نعمه. ثم كلفهم شكر نعمته. فأطاعه بعض فأقرهم فى دار النعيم، وعصاه بعض فى جميع الأحكام فأقرجهم الى دار العذاب وهى النار، وأطاعه بعض فى بعض دون البعض، فأخرجهم الى الدنيا وكساهم هذه الأجساد الكثيفة على صور مختلفة كصورة الانسان وسائر الحيوانات على قدر أعمالهم، ولا يزال الحيوان فى الدنيا صورة بعد صورة ما دامت معه ذنوبه۔

١٤۔ ومنهم المعمرية: أتباع معمر بن عباد السلمى قالوا: الله لم يخلق غير الأجسام، وأما الأعراض فيخترعها الأجسام طبعا أو اختيارا، وقالوا: لا يعلم الله نفسه۔

١٥۔ ومنهم الثمامية: أتباع ثمامة بن أشرس النميرى، كان فى زمان المأمون، قالوا: ان اليهود والنصارى والمجوس والزنادقة يصيرون فى الآخرة ترابا، ولا يدخلون جنة ولا نارا وكذا الأطفال، وان العالم فعل الله بطبعه۔

١٦۔ ومنهم الخياطية: أصحاب أبى الحسين بن أبى عمرو الخياط۔ قالوا: ان ارادة الله تعالى هو كونه قادرا غير مكره ولا كاره۔

١٧۔ ومنهم الجاحظية: من أصحاب عمرو بن الجاحظ، كان فى أيام المعتصم والمتوكل قالوا: ان الأجسام ذوات طبائع مختلفة، ويمتنع انعدام الجواهر، وان النار يجذب اليها أهلها، لا أن الله يدخلهم فيها، والقرآن جسد ينقلب تارة رجلا وتارة امراة۔

١٨۔ ومنهم الكعبية: من أتباع أبي القاسم بن محمد الكعبي، تلميذ الخياط قالوا: فعل الرب واقع بغير ارادته۔

١٩۔ ومنهم الجبائية: من أصحاب أبي علي محمد بن عبدالوهاب الجبائي۔ قالوا: لا يرى الله في الآخرة، ومرتكب الكبيرة لا مؤمن ولا كافر، واذا مات بلا توبة يخلد في النار، ولا كرامات للأولياء۔

٢٠۔ ومنهم الهشمية: من أصحاب أبي هاشم۔ قالوا: لا توبة عن كبيرة مع الاصرار على فعلها عالما بقبحه، ولا توبة مع عدم القدرة على المعصية۔

الفرقة الثانية من كبار الفرق الاسلامية الشيعة

قالوا: ان عليا رضى الله عنه هو الامام بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وان الامامة لاتخرج عنه وعن أولاده، وان خرجت فاما بظلم يكون من غيرهم أو بتبعية منه أو من أولاده، وهم اثنان وعشرون فرقة يكفر بعضهم بعضا، أصولهم ثلاث فرق: غلاة وزيدية وامامية۔

أما الغلاة فثمانية عشر: ١۔ السبائية: من أتباع عبدالله بن سبا، قالوا: ان عليا هو الاله الحق، ولم يمت ولم يقتل، وانما قتل ابن ملجم شيطانا تصور بصورة علي، وعلي في السحاب والرعد والبرق سوطه وانه ينزل الى الارض ويملأها عدلا وهؤلا يقولون عند سماع الرعد: عليك السلام يا أمير۔ ٢۔ ومنهم الكاملية: قال أبو كامل بكفر الصحابة بترك بيعة علي، وبكفر علي بترك طلب الحق، وقال بالتناسخ۔ ٣۔ ومنهم البنانية: قال

بنان بن سمعان: الله على صورة انسان، وروح الله حلت فی علی، ثم فی ابنه محمد ابن الحنفية، ثم فی ابنه أبی هاشم۔

۴۔ ومنهم المغيرية: قال مغيرة بن سعيد العجلی؛ الله تعالى جسم فی صورة انسان، وقلبه منبع الحكمة، ولما أراد الخلق تكلم بالاسم الأعظم، فطار، فوقع تاجا على رأسه، ثم كتب فی كفه أعمال العباد فغضب من المعاصی، فعرق فحصل منه بحران، أحدهما: ملح مظلم، والآخر حلو نير، ثم خلق الخلق من البحرين، فالكفار من المظلم والمؤمنين من النير۔

۵۔ ومنهم الجناحية: قال عبدالله بن معاوية بن ذی الجناحين: الأرواح تتناسخ، وكان روح الله فی آدم، ثم فی شيث، ثم فی الأنبياء والأئمة، حتى انتهت الى علی وأولاده الثلاثة، ثم الى عبدالله هذا، وقالوا: هو مقيم بجبل أصفهان وسيخرج، وأنكروا القيامة، فاستحلوا المحرمات من الخمر والميتة والزنا وغيرها۔

۶۔ ومنهم المنصورية: هو أبو منصور العجلی قالوا: الامامة صارت لمحمد بن علی بن حسين، ثم انتقلت عنه الى أبی منصور، وزعموا أن أبا منصور عرج الى السماء، ومسح الله رأسه بيده، وقال: يابنی اذهب، فنزل الى الأرض، وقالوا: الرسل لا ينقطعون أبدا، والجنة رجل أمرنا بموالاته، والنار بالضد وهو ضد الامام۔

۷۔ ومنهم الخطابية: هو أبو خطاب الأسدی، قالوا: الأئمة أنبياء، والحسنان أبناء الله، وجعفر الصادق اله، لكن أبو الخطاب أفضل منه ومن علی، وهو لاء يستحلون شهادة الزور لموافقيهم

على مخالفيهم. وقالوا: الجنة نعيم الدنيا والنار آلامها، والدنيا لا يفنى، واستباحوا المحرمات، وتركوا الفرائض.

٨. ومنهم الغرابية: قالوا: محمد بعلى أشبه من الغراب بالغراب، فبعث الله جبرئيل الى على فغلط جبرئيل، فيلعنون صاحب الريش يعنون به جبرئيل.

٩. ومنهم الذمية: ذموا محمدا صلى الله عليه وسلم: لان عليا هو الاله، وقد بعثه ليدعو الناس اليه فدعا لنفسه.

١٠. ومنهم الهشامية: أصحاب الهشام بن الحكم وابن سالم الجواليقى. قالوا: الله جسد، ثم اختلفوا، فقال ابن الحكم: هو طويل عريض عميق، يتلألأ من كل جانب، وله لون وطعم ورائحة، ويقوم ويقعد، وهو سبعة أشبار بأشبار نفسه، وقال ابن سالم: هو على صورة انسان، له يد ورجل، وحواس خمس وأنف واذن وفم، ونصفه الأعلى مجوف، والأسفل مصمت الا أنه ليس لحمًا ودمًا.

١١. ومنهم الزرارية: هو زرارة بن أعين. قالوا: بحدوث الصفات الا الحياة، فلا يكون حيئنذ سميعًا ولا بصيراً.

١٢. اليونسية: هو يونس بن عبدالرحمن البلخى، قال: الله تعالى على العرش تحمله الملائكة، وهو أقوى منهما مع كونه محمولا لهم. ١٣. الشيطانية: هو محمد بن النعمان الملقب بشيطان الطاق، قال: انه تعالى نور غير جسمانى، ومع ذلك هو على صورة الانسان، وانما يعلم الأشياء بعد كونها.

١٤. الرزامية: قالوا: الامامة بعد على لمحمد ابن الحنفية، ثم

ابنه عبدالله ثم علی بن عبدالله ابن عباس، ثم أولاده الی المنصور، ثم حل الاله فی أبی مسلم، وأنه لم یقتل، واستحلوا المحارم وترك الفرائض، ومنهم من ادعی الالهیة فی المقنع۔

۱۵۔ المفوضة: قالوا: الله خلق محمدًا صلی الله علیه وسلم وفوض الیه خلق الدنیا، فهو الخلاق لها ولما فیها، وقیل: فوض ذلك الی علی۔ ۱۶۔ البدائیة: جوزوا البداء علی الله تعالی، ویلزمه أن لا یکون الرب عالما بعواقب الأمور۔

۱۷۔ النصریة والاسحاقیة: قالوا: حل الله فی علی

۱۸۔ الاسماعیلیة: ولقبوا بسبعة ألقاب:

۱۔ بالباطنة: لقولهم بباطن الکتاب دون ظاهره

۲۔ ولقبوا بالقرامطة: لأنه أولهم حمدان قرمط، وهی احدی قری واسط۔ ۳۔ وبالحرمیة: لأباحتهم المحرمات والمحارم۔

۴۔ وبالسبعیة: لأنهم زعموا أن النطقاء بالشرائع سبعة:

۱۔ آدم ۲۔ ونوح ۳۔ وابراهیم ۴۔ وموسی

۵۔ وعیسی ۶۔ ومحمد ۷۔ ومحمد المهدی سابع النطقاء

۵۔ وبالبابکیة: اذا تبع طائفة منهم بابك الجرمی فی الخروج بأذربیجان: ۶۔ وبالحمرة: للبسهم الحمر فی أیام بابك، أو تسمیتهم المخالفین لهم من المسلمین حمیرا۔

۷۔ وبالاسماعیلیة لاثباتهم الامامة لاسماعیل بن جعفر الصادق، وهو أکبر أبنائه۔ ومن مذهبهم: أن الله لا موجود ولا معدوم، ولا عالم ولا جاهل، ولا قادر ولا عاجز، وأصل دعوتهم

على ابطال الشرائع ......١٩۔ وأما الزيدية: وهم المنسوبون الى زيد بن على زين العابدين۔ فثلاث فرق۔

١۔ الجارودية: أصحاب أبي الجارود، قالوا بالنص فى الامامة على على وصفاً لا تسمية، والامامة بعد الحسن والحسين شورى فى أولادهما، فمن خرج منهم بالسيف وهو عالم شجاع فهو امام، وكفروا الصحابة بتركهم الاقتداء بعلى بعد النبى صلى الله عليه وسلم ......٢۔ السليمانية: هو سليمان بن جرير۔ قالوا: أبو بكر و عمر امامان، وان أخطأ الأمة فى البيعة لهما مع وجود على رضى الله عنه، و كفروا عثمان وطلحة والزبير وعائشة رضى الله عنهم

٣۔ البترية: هو أبتر الثومى وافقوا السليمانية الا أنهم توقفوا فى عثمان......٣۔ وأما الامامية: فقالوا بالنص الجلى على امامة على رضى الله عنه و كفروا الصحابة، وساقوا الامامة الى جعفر الصادق، واختلفوا فى المنصوص عليه، والذى استقر رأيهم فيه أنه ابنه موسى الكاظم، وبعده على بن موسى الرضا، وبعده محمد بن على التقى، وبعده حسن بن على الزكى، وبعده محمد بن الحسن، وهو الامام المنتظر، ولهم فى كل من المراتب الذى بعد جعفر اختلافات۔

الفرقة الثالثة من كبار الفرق الاسلامية الخوارج

الخوارج: وهم سبعة فرق:

١۔ المحكمة: وهم الذين خرجوا على على عند التحكيم وكفروه، وهم اثنا عشر الف رجل، و كفروا عثمان وأكثر

الصحابة ومرتكب الكبيرة۔

۲۔ البهيسية: هو بهيس بن الهضيم بن جابر۔ قالوا: الايمان هو الاقرار، والعلم بالله وبما جاء به الرسول، فمن وقع فيما لا يعرف أحرام هو أم حلال؛ فهو كافر، لوجوب الفحص عليه حتى يعلم الحق، ووافقوا القدرية فى اسناد أفعال العباد اليهم۔

۳۔ الازارقة: هو نافع بن الأزرق۔ قالوا: كفر على بالتحكيم، وابن ملجم محق فى شانه، وكفرت الصحابة أى عثمان وطلحة والزبير وعائشة وعبدالله، ولا رجم على الزانى المحصن؛ اذ هو غير مذكور فى القرآن، ولا حد فى القذف على النساء لان المذكور فى القرآن هو صيغة (الذين) وهى للمذكرين، ومرتكب الكبيرة كافر۔

۴۔ النجدات: هو نجدة بن عامر النخعى۔ وافقوا الأزارقة فى التكفير، وخالفوهم فى الأحكام الباقية۔

۵۔ الصفرية: أصحاب زياد بن الأصفر۔ قالوا: المعصية التى لا حد فيه۔ كترك الصلاة والصوم۔ كفر۔ ۶۔ الأباضية: هو عبدالله بن أباض۔ كفروا عليا وأكثر الصحابة، وافترقوا بعد ما زادوا على أباضية فرقًا أربعةً، فكانوا مع الأباضية خمسًا۔

۱۔ الحفصية: وهو أبو حفص بن أبى المقدام

۲۔ اليزيدية: أصحاب يزيد بن أنيسة، قالوا: سيبعث من العجم صاحب كتاب، يكتب فى السماء، وينزل عليه جملة واحدة، ويترك شريعة محمد صلى الله عليه وسلم الى ملة الصابية۔

۳۔ الثالثة الحارثية: أصحاب أبى الحارث الأباضى۔

۴۔ الرابعة: القائلون بأن العبد لو أتى بما أمر به بلا قصد كان طاعةً. ۵۔ العجاردة: وهم آخر السبع، وهم عشر فِرَقٍ:

الأولى: الميمونية هو ميمون بن عمران۔ قالوا بالقدر، ويروى عنهم تجويز نكاح بنات البنين وبنات البنات وبنات أولاد الاخوة والأخوات، وانكار سورة يوسف؛ فانهم قالوا: لا يجوز أن يكون قصة العشق قرآناً۔

الثانية: الحمزية: هو حمزة بن أدرك

الثالثة: الشعيبية: هو شعيب بن محمد

الرابعة: الحازمية: هو حازم بن عاصم

الخامسة: القدرية......السادسة: الأطرافية: ورئيسهم رجل من سجستان، يقال له: غالب۔

السابعة: المعلومية......الثامنة: المجهولية

التاسعة: الصلتية: هو عثمان بن أبي الصلت

العاشرة: الثعالبة: هو ثعلب بن عامر۔ وتفرقوا أربع فرق:

الأخنسية: أصحاب أخنس بن قيس۔ الثانية المعبدية: هو معبد بن عبدالرحمن......الثالثة الشيبانية: هو شيبان بن مسلمة۔ الرابعة المكرمية: هو مكرم العجلى۔

الفرقة الرابعة من كبار الفرق الاسلامية المرجئة

لقبوا به؛ لأنهم يرجون العمل، أى يؤخرونه، ويقولون: لا يضر مع الايمان معصية، وفرقهم خمس:

۱۔ اليونسية: وهو يونس النميرى۔ قالوا: الايمان هو

المعرفة بالله والخضوع والمحبة، فمن اجتمعت فيه هذه الصفات فهو مؤمن، ولا يضر معها ترك الطاعات وارتكاب المعاصى، ولا يعاقب عليها.......٢۔العبيدية: أصحاب عبيد۔ زادوا على اليونسية أنه تعالى صورة الانسان۔

٣۔ الغسانية: أصحاب غسان الكوفى۔قالوا: الايمان هو المعرفة بالله ورسوله وبما جاء من عند الله اجمالا لا تفصيلا، وذلك الاجمال يقول: قد فرض الله الحج، ولا أدرى أين الكعبة؟ ولعلها بغير مكة۔ وبعث محمدًا،ولا أدرى هو الذى بالمدينة أو غيره؟ وحرم الخنزير، ولا أدرى أهو هذه الشاة أم غيرها؟ وغسان كان يحكيه عن أبي حنيفة رحمة الله عليه، ويعده من المرجئة، وهو افتراء عليه، قصد به ترويج مذهبه لموافقة رجل كبير۔

قال الآمدى: ومع هذا أصحاب المقالات قد عدوا أبا حنيفة وأصحابه من مرجئة أهل السنة، ولعل ذلك لأن المعتزلة فى الصدر كانوا يلقبون من خالفهم فى القدر مرجئًا، أو لأنه قال: الايمان هو التصديق ولا يزيد ولا ينقص، ظن به ارجاء بتأخر العمل عن الايمان، وليس كذلك، اذ عرف منه المبالغة فى العمل والاجتهاد فيه۔

٤۔الثوبانية: أصحاب ثوبان۔ قالوا: الايمان هو المعرفة، والاقرار بالله وبرسوله، وبكل مالا يجوز فى العقل أن يفعله، وأما ما جاز أن يفعله فى العقل فليس الاعتقاد به من الايمان۔

٥۔ التومنية: أصحاب أبي معاذ التومنى۔

❁❁❁

الفرقة الخامسة من كبار الفرق:
أصحاب محمد بن الحسين النجار

موافقون للمعتزلة فى حدوث الكلام ونفى الرؤية بالأبصار۔ وفرقهم ثلاثة:

۱۔ البرغوثية ۲۔ والزعفرانية ۳۔ والمستدركية

الفرقة السادسة من تلك الفرق الكبار الجبرية

وهم الجهمية: أصحاب جهم بن صفوان الترمذى۔ قالوا: لا قدرة للعبد أصلًا، لا مؤثرة ولا كاسبة، والله لا يعلم الشىء قبل وقوعه، والجنة والنار يفنيان بعد دخول أهلهما، ووافقوا المعتزلة فى نفى الرؤية وخلق الكلام۔

الفرقة السابعة منها المشبهة

شبهوا الله بالمخلوقات، واختلفوا فى طريقهم، فمنهم: مشبهة غلاة الشيعة، كالسبائية والبنانية والمغيرية وغيرهم كما تقدم، ومنهم: مشبهة الحشوية۔ قالوا: هو جسم من لحم ودم لا كاللحوم والدماء۔ ومنهم مشبهة الكرامية۔ أصحاب ابى عبدالله محمد بن كرام۔ قال: ان الله تعالى مماس للعرش، ويجوز عليه الحركة، وقالوا: محل الحوادث ذاته۔

فهذه هى الفرق الضالة الذين قال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم كلهم فى النار۔

❀❀❀

الفرقة الناجية

المستثناة الذين قال النبى صلى الله عليه وسلم: فيهم ما أنا عليه وأصحابى وهم الأشاعرة والسلف من المحدثين وأهل السنة والجماعة، ومذهبهم خال عن بدع هولاء، وقد أجمعوا على حدوث العالم خلافا لبعض الغلاة القائلين بقدمة، ووجود البارى خلافا للباطنية، حيث قالوا: لا موجود ولا معدوم، وأنه لا خالق سواه خلافًا للقدرية، وأنه قديم متصف بالعلم والقدرة وسائر صفاته خلافًا للمعتزلة ونفاة الصفات، ولا شبيه له خلافًا للمشبهة، ولا ضدله ولا ند خلافا للحابطية حيث أثبتوا الٰهين، ولا يحل فى شيء خلافا لبعض الغلاة، ولا يقوم بذاته حادث خلافًا للكرامية، وليس فى حيز ولا جهة، ولا يصلح عليه الحركة والانتقال، ولا الجهل ولا الكذب، ولا شيء من صفات النقص خلافًا لمن جوزها عليه، كما تقدم، مرئى للمؤمنين فى الآخرة بلا انطباع ولا شعاع۔

ما شاء الله كان، ومالم يشألم يكن، غنى لا يحتاج فى شيء الى شيء، ولا يجب عليه ان أثاب فبفضله وان عاقب فبعدله، لا غرض لفعله ولا حاكم سواء، لا يوصف فيما يفعل، ويحكم بجور ولا ظلم، وهو غير متبعض، ولا له حد ولا نهاية ولا زيادة ولا نقصان۔

والمعاد الجسمانى حق، وكذا المجازاة والمحاسبة والصراط والميزان والجنة والنار والشفاعة حق، وبعثة الرسل بالمعجزات حق، والامام الحق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر ثم

عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم، والأفضلية بهذا الترتيب، ولا نكفر أحدا من أهل القبلة الا بما فيه نفى الصانع القادر العالم، أو شرك أو انكار النبوة أوانكار ما علم مجيئه عليه السلام به ضرورة، وأما ما عداه فالقائل به مبتدع غير كافر۔

وليكن هذا آخر الكلام، ونسائل الله تعالى أن يثبت قلوبنا على دينه، ولا يزيغها بعد الهداية، ويعصمنا عن الغواية، ويوفقنا لاقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه والتابعين لهم بأحسان، ويحيينا عليه ويميتنا ويحشرنا عليه۔

عشرة طروس تلخيص مائة دروس

قال الجامع عفى عنه:

بسم الله الرحمن الرحيم

أما بعد! الحمد والصلاة، فهذه عشرة طروس ملخصة من (مائة دروس) جمعت فى بعضها بين درسين أو أكثر، وهى جامعة لجملة كافية من الحكم والعبر۔

الطرس الأول فى أسرار الأحكام

وبه ينطبق المنقول على المعقول، والقول الجملى فيه: ان الطهارة شرعت لزوال الثقل والكسل وانشراح الروح، وان الصلاة شرعت لذكر الله ومناجاته، والزكاة دفعًا لرذيلة البخل وكفاية لحاجة الفقراء، والصوم لقهر النفس، والحج لتعظيم شعائر الله، والقصاص للزجر عن القتل، والحدود والكفارات شرعت زواجر عن المعاصى، والجهاد شرع لاعلاء كلمة الله وازالة الفتنة، وان أحكام المعاملات والمناكحات شرعت لاقامة العدل فيهم۔

وبعض الأطعمة الذى نهى عنه اما لنجاسته وقذارته أو

بكونه مورثا للاخلاق الرديئة والسبعية والايذاء ونحوها
من المعانى المتضادة للمزاج الانسانى. وحرم المسكر
لافساده العقل الذى خص به الانسان. وحرم بعض اللباس
والزينة والأوانى لما كان المقصود منه الفخر واراءة الغنى أو
بكونه خلاف الفطرة الانسانية. وحرم التصوير لما فيه من
فتح باب عبادة الأصنام. ونهى عن اقتناء بعض الحيوانات
لما فيها من طبائع الشياطين من الخبث والايذاء الى غير
ذلك من المصالح المرعيّة فى الأحكام.

الدرس الثانى فى أصول التعبير

الرؤيا ثلاث: ١. بشرى من الله تعالى ٢. وحديث النفس
٣. وتخويف من الشيطان.

أما البشرى فلها تعبير، والعمدة فيه معرفة الخيال، أى شىء مظنة لأى معنى، فقد ينتقل الذهن من المسمى الى الاسم، ومن الملابس الى ما يلابسه، ومن الوصف الى جوهر مناسب له. وأما سائر الأنواع فلا تعبير لها. والرؤيا جزء من النبوة.

وينبغى كون المعبر ماهرا بالقرآن، حافظا للحديث، عارفا باللغة والاشتقاق، ممارسًا لأحوال الناس وعاداتهم، عفيفًا، تقيًّا، مرضىّ الأخلق، صادقَ اللهجة.

وأصدقها زمانا وقت السحر والقائلة وزمان الربيع، ويختلف التعبير لرؤيا واحدةٍ باختلاف الأشخاص والأوقات والأحوال، وينبغى أن لا يحدّث بالرؤيا الا الحبيب أو اللبيب.

الطرس الثالث فی الرقی والعزائم

أحسنها ما ورد فی القرآن والحدیث، ثم ما نقل عن خیار الأمّة موافقًا للأصول الشرعیة. ولا یجوز فیها رعایة الثابت والمنقلب وساعات الکواکب من أحکام النجوم، ولا یجوز مالا یفهم معناه الا باذن صریح من الشارع. وحق علی صاحب العزیمة التطهر من الأدناس والأرجاس، وأن یکون غذاؤه ولباسه حلالا. ویکون معتزلا عن المعاصی کلها، وأن لا یضجر ان تأخر التأثیر. بل یقوی همّته ویقینه فهو رأس التأثیر. کیف لا؟! وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم حاکیا عن ربه تعالی: أنا عند ظن عبدی بی. ولا یضر أحدا، ولا یتصرف تصرفا لم یأذن به الله تعالی.

ولننقل شیئًا یسیرا مما تمس الحاجة الیه من الرقی:

للغنی: (یامغنی) کلَّ یوم مائة مرّة وألف مرّة.

للتألم: فی أی عضو کان، خذ لوحا طاهرا، وضع علیه رملا طاهرًا، واکتب بمسمار: (أَبجَدَ هَوَّزَ حُطِّی) وشدِّد بالمسمار علی الألف، واقرأ الفاتحة مرة، وصاحب الألم واضع أصبعه علی موضع الألم فلا تصل الی آخر الحروف الا وقد شفاه الله تعالی.

لحفظ الأطفال: اکتب هذه العوذة، وعلقها فی عنق الطفل: (بسم الله الرحمن الرحیم، أعوذ بکلمات الله التآمة من شر کل شیطانٍ وهآمةٍ وعینٍ لآمةٍ).

لخوف الحاکم: یقول: (کهیعص حمعسق) ولیقبض کل أصبع من الید الیمنی عند کل حرف من اللفظ الأول، ومن

الیسری عند کل حرف من الثانی، ثم لیفتحهما جمیعًا فی وجه من یخاف منه.......للحصبة: خذ خیطا أزرق، واقرأ سورة الرحمٰن، وکلما مررت علی قوله تعالی: (فبای الاء ربکما تکذبان) "۶۱" فاعقد عقدةً وانفث فیها، وعلق الخیط فی عنق الصبی۔

لخبط الشیطان: یؤذن فی أذنه سبع مرات، ویقرأ الفاتحة والمعوذات وآیة الکرسی والطارق وآخر سورة الحشر، وسورة الصافات الی (لازب)، وأیضا یقرأ فی أذنه (أفحسبتم) الی آخر سورة المؤمنون۔

ولالمام الشیاطین بالبیت ورمیهم بالحجارة: یقراء هذه الآیة (انهم یکیدون کیدا ○ واکید کیدا ○ فمهل الکفرین امهلهم رویدا ○ "الطارق:۱۵" علی أربعة مسامیر، علی کل واحد خمسا وعشرین مرة، ثم یدفنها فی أربعة أطراف البیت۔

وللعقیمة: تکتب هذه الآیة فی رق الغزال بالزعفران وماء الورد، ثم یعلق فی عنقها (ولو أن قرء انا سیرت به الجبال أوقطعت به الارض أو کلم به الموتی بل لله الأمر جمیعا)۔(الرعد۳۱) وأیضا یقرأ علی أربعین قرنفلًا علی کل واحد سبع مرات (أو کظلمت فی بحر لجی یغشه موج من فوقه، موج من فوقه۔ سحاب ظلمت بعضها فوق بعض اذا أخرج یده، لم یکد یرها ومن لم یجعل الله له نورا فما له من نور ○ "النور:۴۰"

تاکل کل یوم واحدا، وتبتدی من وقت فراغتها من غسل المحیض ویواقعها زوجها فی تلك الایام لا ملاص الجنین یاخذ

خيطا معصفرا على مقدار طولها، ويعقد عليه تسع عقد ينفث فى كل منها (واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن عليهم ولا تك فى ضيق مما يمكرون o ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنونo "النحل: ۱۲۷"..................وليسر الولادة: يكتب فى رقعة (وألقت ما فيها وتخلت اهيا أشراهيا)، ويلف ويعلق فى الفخذ اليسرى، فانها تلد سريعا باذن الله تعالى۔

الطرس الرابع فى رسم الخط ورسم المكاتبة

* التاء التى تكون هاء فى الوقف تكتب بصورة الهاء والا فبالتاء۔.............................. * همزة الوصل تكتب ولا تقرا۔ولا تكتب فى (ابن) بين علمين۔ ويزاد الألف بعد واو فعل جمع۔ (ضربوا) ويزاد الواو فى (عمرو) مرفوعا ومجرورا۔ ويحذف الألف من (الرحمن) معرفا بالام۔ ولا يقاس خط المصحف۔ ويكره الخط الدقيق الالضيق الرق أو الرحلة۔

* ومما يلحق بهذا الباب معرفة مصطلحات العلماء فى الكتابة، ويتكفل هذا الجدول بأكثره:

علامة	أصل لفظ
بقـ	يقال
صح	صحيح
ج	جمع
س	سؤال
ج	جواب
ع	موضع في كتب اللغة
؏ - عم	عليه السلام
رض - رضه	رضي الله عنه
رح - رحه	رحمه الله تعالى
صلعم	صلى الله عليه وسلم
ح	حينئذ
الخ - اه	إلى آخره
كك	كذلك
اه	انتهى
نا - ثنا	حدثنا

علامة	أصل لفظ
أنا	أنبأنا - أخبرنا
ح	التحويل عند المحدثين
ف	فائدة
بطـ	باطل
لـ - له	بدله
هـ	هجرية
مكد	من كل واحد في كتب الطب[1]
مم	ممنوع
لانم	لا نسلم
هف	هذا خلف
عط - عف	عطف
الشـ	الشارح
الظـ	الظاهر
تعـ - تع	تعالى

علامة	أصل لفظ
ن - نـ	نسخة أخرى
جج	جمع الجمع
المصـ	المصنف
ص	أصل
م - مـ	متن
ش	شرح
ع - ؏	عيسوية
١٢	عدد حد الحاشية
—	علامة المتن
ــ[2]	علامة الابتداء
+ - ✦	علامة الانتهاء
هندسة عددية	علامة رجوع الضمير
٧-۷	علامة التتمة
ــه	علامة الحاشية
إلى غيـــر ذلك	

(١) ل علامت مثقال في كتب الطب۔

(٢) وقيل: علامة قطع العبارة؛ لأن البت بمعنى القطع

* وأمارسم المكاتبة فاعلم أن المكاتيب ثلاثة أجزاء: ١. مبادئ من الألقاب والسلام ٢. ومقاصد مما كتب الكتاب لأجله. ٣. ومقاطع من الختم على الدعاء أو الشوق ونحو ذلك. فليراع فى كل من الثلاثة رتبة الكاتب والمكتوب اليه۔

*واعلم أن الكلام أربعة: ١. سؤالك الشيء، ٢. وسؤالك عن الشيء ٣. وأمرك بالشيء. ٤. وخبرك عن الشيء فهذه دعائم المقالات، فاذا طلبت فأسجح، واذا سالت فأوضح، واذا أمرت فاحكم، واذا أخبرت فحقق، ويجب التحرز من الغيبة والنميمة وكل كلمة قبيحة.......... *ويكتب على لسان الذكور الى الذكور كبارا كانوا أو صغارا، فاذا تعذرت كتبت وتجنبت عن وصفهن بالحسن والسخاء وغير ذلك مما يستقبح فى أهل عصرك۔

* واياك أن تتغافل عن رد جواب أحد، فيفرق أمرك ولا ينتظم شملك ويشوش قلب صديقك، الا أن يكون فى رد الجواب فتنة فالسكوت هو المتعين.......... *ولنذكر نبذا من العنوان الذى يخاطب به المكتوب اليه:.........للمشائخ: (حجة الله البالغة على عباده ورحمة الله السابغة فى بلاده) ونحوه۔

للملوك: (سيف الله القاطع وشهابه اللامع) ونحوه۔

للوزراء: (الوزير المعظم والمشير الأفخم)

للقضاة: (شيخ الاسلام ملك العلماء الاعلام)

للمفتى: (وجيه الاسلام وعلامة الأنام)

للعلماء: (قدوة العلماء وخلاصة النبلاء)

للمحدث: (قدوة المحدثين عمدة المدققين)

الى الاخوة الصغار: (الأخ الرضى الشقيق والمحب الوجيه الشفيق)..........الى الأولاد: (روح جسدى قطعة كبدى).

الطرس الخامس فى أقسام الحكمة

الحكمة تحقيق حقائق الموجودات، وهى نظرية وعملية، والعملية علم الأخلاق وتدبير المنزل. والنظرية ثلاثة أنواع.

الأول: هو العلم الأعلى،ويسمى ب(العلم الكلى) و ب(الفلسفة الأولى) ب علم ما بعد الطبيعة والعلم الالهى)، ومن فروعه العلم بكيفية الوحى وأحوال المعاد الروحانى.

والثانى: هو الحكمة الوسطى، ويسمى ب(الرياضى) ومن فروعه علم الجمع والتفريق والجبر والمقابلة والمساحه وجر الأثقال والأوزان والموازين والآلات الجزئية والمناظر والمرايا ونقل المياه والزيجات والتقاويم واتخاذ آلات الألحان والحيل الهندسية..........والثالث: العلم الطبعى، ويسمى ب(العلم الأسفل)، ومن فروعه الطب وأحكام النجوم والفراسة والتعبير والطلسمات والنير نجات والكيمياء وهو تبديل الأجسام المعدنية، والريمياء وهو معرفة قوى الجواهر الأرضيه، والليمياء وهو علم امتزاج القوى العلوية والسفلية، والهيمياء وهو علم تسخير السبعة السيارة، والسيمياء وهو علم نقل الروح.

ومن الريمياء الفن الذى يعرف ب(مسمريزم)؛ لأنه من تصرفات النفس الحيوانية، وهى من الجواهر الأرضية، وبه فارق

الكرامة التى تكون تارة من أفاعيل النفس الانسانية بالقوة القدسية، وتارة تكون بمحض القدرة الالهية بلا دخل للقوة البشرية لا الحيوانية ولا الانسانية. فافهم حتى لا تزل ولا تضلَّ كمن يزعم المماثلة بين الكرامة والمعجزة التى هى من آثار القرب والقبول وبين هذه الخرافات التى هى أدنى شعب الطبعي، ويشترك فيها الحيوان السافل والفاجر المخذول۔

الطرس السادس فى بعض المسائل من الحكمة الحقة

أما مسائل الطبيعة منها:

۔فأجزاء الجسم حادثة، سواء كانت أجزاءً لا تتجزى أو هيولى وصورةً..........المكان حادث وكذا الزمان ۔ لا دليل على استدارة الفلك ولا على بساطته ولا على حركته..........لا يجب الاقتران بين الأسباب العادية ومسبباتها ولا توقفها عليها۔

لا يستحيل الفناء على النفوس البشرية۔ المعاد الجسمانى حق۔..........والثواب والعقاب الحسى واقع مع مشاركة الروح كما فى الدنيا..................كائنات الجو يمكن تكونها بالأسباب المعروفة، لكن مع هذا نعتقد نزول المطر من السماء ولو فى السحاب، والرعد تسبيح الملك ولو باصطكاكه، والبرق لمعان سوطه ولو بصورة هذه النار، والشهاب رجما للشياطين ولو بتأثير الشعاع الكوكبى فى أجسامها النارية دائما أو أكثريا، والزلزلة لحكمة التنبيه على المعاصى مع اقتران تحريك الملك بخروج الأبخرة ولو فى الجملة۔

والملائكة مدبرات لأمور النبات والحيوان، ولو بواسطة القوى الخاصة .... التناسخ باطل

الفلك يقبل الخرق والالتئام والتغير

واما مسائل الالهية منها:

فالعالم حادث. المادة حادثة

لا نتكلم فى حقائق صفات البارئ تعالى، ولا فى ذاته، ونؤمن بها اجمالا .... ان الله تعالى عالم بالكليات والجزئيات، ومختار فى أفعاله ان شاء فعل وان لم يشألم يفعل.

المجردات حادثة ان كانت . الواحد يصح أن يصدر عنه الكثير .... وأما مسائل الهيئة منها:

فأرضنا هذه أحد الأرضين السبع

وهى كروية ناقصة بالمشاهدة.

ولا يدل دليل على حركتها ولا سكونها.

يحيط بها الماء احاطة غير تامة. ويحيط به الهواء، وتحيط به النار. يدل على ذلك كله المشاهدة.

وفوق ذلك كله سماء الدنيا. ثم الثانية ثم الثالثة ثم الرابعة ثم الخامسة ثم السادسة ثم السابعة ثم الكرسى ثم العرش العظيم. ثم لانعلم. غير أنا نعلم اجمالا أن الله تعالى محيط بتلك كله احاطة تليق به.

ولم يثبت استدارة السماوات ولا احاطتها ولا حركتها ولا سكونها. غير أنها طباق بعضها فوق بعض، وبينها فصل بعيد،

وفيهن النيران والكواكب، لكن لم يثبت ركزها فيها ولا كون كل سيارة والثوابت فى فلك خاص بها، بل الظاهر كونها كلها فى سمائنا هذه، وكذا الظاهر كونها متحركة حركة ذاتية، والله تعالى أعلم.

-والبروج القرآنية كواكب عظام، والرياضية أجزاء فرضية.

-وباقى الأرضين السبع بعيدة منا لا نعلم كيف هى

-ولا دليل على قول الحكماء: لا خلاء ولا ملاء، بل ولا معنى له.

-ولا ننكر أسباب الكسوف والخسوف، ونعتقد الحكمة فيه تخويف العباد.

الطرس السابع فى العلوم الضارة والنافعة

العلم من حيث علم لا ينهى عنه، وانما ينهى لأمور عارضة، كاعتقاده حقا وهو باطل، أو ترتب فساد ما على العمل به وان كان حقا، أو خوف الغلو فيه وتنزيله أكثر من منزلته، أو لضياع الوقت فى الاشتغال به، أو لخفاء مداركه ودقة مآخذه أو نحو ذلك. وذلك كالنجوم والرمل والكهانة والعيافة والطيرة والسحر والفراسة والعزائم السفلية وأكثر الفلسفة الطبعية والالهى الا للرد، وعلوم المخالفين لأهل الحق أصلا أو فرعا للضعفاء، ودقائق علم الكلام والتصوف للعوام، والجفر والكيمياء واللغة الانگلشية التى من لوازمها العادية فى زماننا ومكاننا احتقار الدين والتيه والبطر، والتهالك على المال والجاه، ومخالفة الاخوان فى الزى والعادة والدين: هذا!

أما العلوم النافعة المحمودة فللعوام: المسائل الفقهية

حسب ما تمس لهم الحاجة، والعقائد المنصوصة الضرورية التي تحملها عقولهم، وشيء من الترهيب والترغيب، ونبذة من حكايات الأنبياء والصلحاء فقط، ولا يؤذن لهم في دقائق الكلام والتصوف وأدلة الأحكام وترجمة القرآن الكريم والحديث العظيم وأقوال أهل الأسرار وأفعالهم فتفتتن عقولهم.

وأما للخواص: فالصرف، والنحو، والبلاغة، والأدب، وقدر ضروري من المنطق، وشيء من اصطلاحات الفلسفة؛ فأن مسائلها ودلائلها فاسدة مبنية على الفاسدة ولا يحتاج اليها، والفقه، والأصول، والحديث، والقراءة، والتفسير، والسلوك والسير، والتأريخ فحسب. ولا تغتر بطلبة زماننا؛ فانهم يضيعون أوقاتهم فيما لا يعني ولا يغني عنهم شيئاً.

وكما يضر الفلسفة القديمة تضر الفسلفة الجديدة أكثر منها، بل لأمر مايضر اللسان الانكلشي لا محالة، ولا يعتد بعذر توقف طرق المعيشة عليه، فلو فرض. والعياذ بالله تعالى. توقف المعيشة على النصرانية أتطيب أنفسهم بها لأولادهم؟ فأن الله هو الرزاق ذو القوة المتين.

والسبب الظاهري للمعاش المناسب لأهل الصلاح: الطب أو التعليم أو كتابة الكاپي أو التجارة أو عمل اليد، ايا ما تسامحت به النفس. وأسلم خدمات الملك ما كان في الاسكول والريل والڈاك، وأما غيرها من مناصب الحكومة ففي أكثره خطر

❁❁❁

الطرس الثامن فى علم التاريخ والسير

أما فوائده:

.فمنها العلم بالوقائع الكثيرة التى لا تفى بادرا كها حاسة البصر والعقل.......ومنها دفع الكلال ورفع الملال باستحضار الواقعات العجيبة، كأنها رأى عين.

.ومنها العبرة بقصص الأولين، فالسعيد من وعظ بغيره.

.ومنها تقوية العقل واستخراج الرأى الصائب، كشأن التجربة والمشورة مع العقلاء الكثيرى العدد الوافرى العقل الذين لا يمكن اجتماعهم فى زمان واحد ومكان واحد.

.ومنها الاطلاع على أمثال كثيرة وحكم و مواعظ تنقل فى ضمن الحكايات.........ومنها تذكر النعم والنقم الالهية الذى يوجب الرجاء والخوف فيكمل الايمان........ومنها السعى فى جميل الأخلاق وازالة سفسافها اذا عثر على ثمرات كل منها.

.ومنها ثبات الفواد عند الخطوب اذا تذكر الفرج بعد الكروب..ومنها الاستدلال على بدائع صنائع الله تعالى فى خلقه

.ومنها رفع الهمة وقوة العزم فى معالى الأمور.

.ومنها كون الفناء والانقضاء نصب العين، فيكون فى الدنيا كأنه غريب أو عابر سبيل، ولا يتكبر ولا يتجبر ويكون كالعبد الذليل، ولعمرى ان هذا لهو الفوز الجليل! هذا مع كونه سهل المأخذ مبنيا على الحفظ غير محتاج الى الكد والتعب.

وأما السير فمنها أخبار الجن:

خلقوا قبل نوع الانسان، وكلفوا بالشرائع المناسبة لحالهم، وكانو لا يزالون يطيعون مرّة ويعصون أخرى، وكان اسم أبيهم لسوما أو طارتوش، وأسماء الذين ولوا أمر سياستهم وهدايتهم حينًا بعد حين حليايش وهاموس وعزازيل الذى يعرف الآن لابليس وسهلوب ويوسف اللذين بعثهما عزازيل الى القوم.......وكان أفضلهم وأمثلهم علما وعملاً وكمالاً وجمالاً عزازيل، لكن كان الغالب على طويته العجب والكبر والدعوى المضمر والأمن من جلال الله تعالى، فهذه الرذائل هى التى قطعت عليه السبيل، وأوقعته فى هذا العذاب الوبيل، وكانت مدسوسة حتى حركها الأمر الالهى له وللملائكة بسجود سيدنا آدم عليه السلام فأبى واستكبر وكان من الكافرين۔

ومنها ذكر بعض الأنبياء المشهورين عليه الصلوة والسلام:

۔واوّلهم أبو البشر سيدنا آدم عليه السلام توفى بعمر ألف سنة۔........وولد له سيدنا شيث عليه السلام سنه ۲۳۰ من عمره، وتوفى وعمره ۹۱۲۔........ورفع سيدنا ادريس عليه السلام سنة ۳۶۰ من عمره۔........وولد سيدنا نوح عليه السلام ۱۶۴۲ من هبوط آدم عليه السلام وأخذ الطوفان قومه لما مضى من عمره ست مائة سنة، وعاش بعده ۳۵۰ عاما۔........وأرسل سيدنا هود عليه السلام الى عاد، وسيدنا صالح عليه السلام الى ثمود۔

۔وولد سيدنا ابراهيم عليه السلام سنة ۳۳۶۸ من الهبوط، وتوفى سنة ۳۴۹۸، وكان الضحاك وأفريدون۔ فى زمانه

۔ وأرسل سیدنا لوط علیہ السلام الی أھل سدوم، وھو ابن أخی ابراھیم ھاران بن آذر ......۔ وسیدنا اسماعیل علیہ السلام الی قبائل الیمن والی العمالیق، ولد سنۃ ۳۳۰۹، وعاش ۱۳۷ عاما .... وولد سیدنا اسحاق علیہ السلام سنۃ ۳۳۲۳، وفیھا بناء الکعبۃ الحسناء، زاد اللہ تعالی حسنھا۔

۔ وولد سیدنا یعقوب علیہ السلام سنۃ ۳۳۸۳۔

۔ وولد سیدنا یوسف علیہ السلام لمضی ۲۵۱ سنۃ من مولد سیدنا ابراھیم علیہ السلام، وعاش ۱۱۰ سنۃ، وکان وفاتہ قبل مولد سیدنا موسی علیہ السلام بأربع وستین سنۃ۔

۔ وسیدنا أُیوب علیہ السلام من الروم؛ لأنہ من ولد العیص بن اسحاق، کان نبیا فی عھد سیدنا یعقوب علیہ السلام فی قول، وعاش ۹۳ سنۃ ....۔ وأرسل سیدنا شعیب علیہ السلام الی مدین، قیل: انہ من ولد سیدنا ابراھیم علیہ السلام، وقیل: من ولد بعض المؤمنین بہ۔

۔ وولد سیدنا موسی علیہ السلام من ولد لاوی بن سیدنا یعقوب علیہ السلام لمضی ۴۲۵ سنۃ من مولد سیدنا ابراھیم علیہ السلام، وکان عمرہ حین خرج من مصر ۸۰ سنۃ، وأقام فی التیہ ۴۰ سنۃ، وکان عمرہ ۱۲۰ سنۃ۔ وکان غلبۃ أفراسیاب علی الفرس فی زمانہ، وکان أخوہ سیدنا ھارون علیہ السلام أکبر منہ بثلاث سنین أو أربع، وکان من خلفائہ واحدًا بعد واحدٍ ساداتنا:

۱۔ یوشع ۲۔ وحزقیل ۳۔ والیاس ۴۔ والیسع ۵۔ وذوالفکل ۶۔

وشمويل رفيق طالوت عليه السلام.

وكان سيدنا داود عليه السلام بعد خمس مائة من سيدنا موسى عليه السلام، وهو من ولد هوذ بن سيدنا يعقوب عليه السلام، وولد له سيدنا سليمان عليه السلام. وتوفى فى آخر سنة ۵۰۰لوفاة سيدنا موسى عليه السلام، وعمره ۵۲سنة.

وأرسل سيدنا يونس عليه السلام الى نينوى بعد ثمان مائة من وفاة سيدنا موسى عليه السلام.

وكان سيدنا زكريا عليه السلام من ولد سيدنا سليمان عليه السلام، وقتل بعد ولادة سيدنا المسيح بن سيدتنا مريم عليهما السلام، وكان قتل ابنه سيدنا يحيى عليه السلام قبل رفع سيدنا المسيح عليه السلام بمدة يسيرة. وكان ولادته وولادة سيدنا عيسى عليه السلام فى سنة ۵۵۸۴ من الهبوط، وتوفيت سيدتنا مريم البتول عليها السلام أمه بعد رفعه بست سنين. وفيما ذكر من عدد سنين أقوال، اخترنا أحدها، والله أعلم.

ومنها سير سيد الخلق ورسول الحق

حبيب الله المصطفى صلى الله عليه وسلم:

فهو بأبي وأمي خاتم المرسلين زمانًا وشانًا وجمالًا و كمالًا، أولهم نورًا وآخرهم ظهورًا، شرف ساحة الوجود بنوره المبين، ولم يكن عين ولا أثر من السماوات والأرضين، ونبأه الله وآدم بين الماء والطين، ونور عالم الأجسام عام الفيل، فياله من جميل و جليل!..............ولما بلغ سنتين شق صدره، وتوفيت

سیدتنا آمنه وهو ابن ست سنین، وقد توفی سیدنا عبدالله أبوه وقد مضى شهران على حمله، وتوفى جده عبدالمطلب وهو ابن ثمان، فتكفل بتربيته عمه أبو طالب۔

۔وسافر الى الشام وهو ابن اثنتى عشر سنة، و عرفه بحيرا الراهب لما مر على صومعته فى الطريق، فأشار الراهب على رده الى مكة۔..............ثم لما بلغ خمسا وعشرين سنة سافر الى الشام بمال خديجه رضى الله عنها، ولما رجع تزوج خديجة رضى الله عنها بعد أظهرت الرغبة فيه۔........وأوحى اليه وهو ابن أربعين، فشرع فى الدعوة الى الايمان، وآمن من آمن، وآذاهم الكفار، فهاجر بعض المسلمين الى الحبشة سنة خمس من النبوة، وأسلم سيدنا عمر رضى الله عنه سنة ست منها۔

۔وفى سبع اجتمع قريش على قتله صلى الله عليه وسلم، فتحصن أبو طالب معه الىٰ شعب، فقاس هناك من الشدائد الى ثلاث سنين، ثم لان قريش حين أخبرهم بأكل دابة الأرض صحيفة عهدهم۔........وفى سنة عشر توفى أبو طالب، وفى هذا العام توفيت خديجة، فسمى عام الحزن۔

۔ونكح بعدها سيدتنا عائشة رضى الله عنها فى مكة، وزفت فى المدينة، وسيدتنا سودة بنت زمعة زفت فى مكة، وهاجرت معه۔........وذهب صلى الله عليه وسلم الى الطائف للدعوة، فأوذى فرجع، ولما بلغ بطن نخلة لقى الجن فآمنوا۔

۔وفى سنة احدى عشر بايعه ست من الأنصار۔

وفى ثنتى عشرة وقعت بيعة العقبة الأولى، عاهده فيها اثنا عشر رجلا، منهم الست الذين بايعوا فى الأولى، وفى هذه السنة أسرى به .... وفى سنة ثلاث عشرة قدم سبعون رجلا من شرفاء الأنصار وعظمائهم، وعاهدوه على الخدمة والنصرة، وهذا بيعة العقبة الثانية .... ولأجل ايذاء الكفار أذن صلى الله عليه وسلم لأصحابه فى الهجرة الى المدينة۔

ثم هاجر بنفسه النفيسه، وكان سيدنا أبوبكر رضى الله عنه معه، ودخل المدينة لثنتى عشر من ربيع الأول يوم الاثنين، وألقى رحله فى قباء ثم قدم البلدة۔

وفى السنة الثانية من الجهرة وقعت غزوة بدر۔

وفى السنة الثالثة غزوة أحد، وقتل كعب بن أشرف۔

وفى السنة الرابعة سرية رجيع، وبنى لحيان، وعضل، وقارة، وغزوة بدر الثانية، وقصة بئر معونة، وهذيل، وغزوة بنى النضير، وغزوة الخندق، وغزوة بنى قريظة، وقتل أبى رافع اليهودى۔

وفى السنة الخامسة غزوة مريسيع، وتعرف بغزوة بنى المصطلق، ووقع فيها الافك .... وفى السنة السادسة غزوة ذات الرقاع ونزل فيها التيمم، وصلح حديبية، وغزوة خيبر، ونكاح سيدتنا صفية رضى الله عنها۔

وفى السنة السابعة عمرة القضاء، ونكاح سيدتنا ميمونه رضى الله عنها، واسلام خالد بن الوليد وعمرو ابن العاص وعثمان بن طلحة ومعاوية، وكتابته الى الملوك بالاسلام۔

۔وفی السنة الثامنة سریة أبی عبیدة الی سیف البحر، وسریة مؤتة، وفتح مکة، وغزوة حنین، غزوة أوطاس، وغزوة طائف۔

۔وفی السنة التاسعة أرسل الناس وفودهم بالاسلام، وفیها قدوم مسیلمة فی وفد بنی حنیفة وتعلیقه اسلامه علی استخلافه، وغزوة تبوك، وبعث خالد الی أکیدر عظیم دومة الجندل، وهدم مسجد ضرار، وفرض الحج، وتأمیر سیدنا أبی بکر رضی الله عنه علی الحج۔

۔وفی السنة العاشرة حجة الوداع، واختیاره الرفیق الأعلی۔

۔وهو صلی الله علیه وسلم حی فی قبره الشریف، یرزق، وتعرض علیه صلاة أمته وأعمالهم۔

فیا أیها المشتاقون الی رؤیا جماله، صلو علیه وآله
اللهم صل وسلم وبارك علیه وعلی آله وأصحابه
وأما عیلته وخاصته صلی الله علیه وسلم
فأزواجه أمهات المؤمنین:

۱۔ سیدتنا خدیجة رضی الله عنها ۲۔ وسودة رضی الله عنها
۳۔ وعائشة رضی الله عنها وتوفیت سنة ۵۸۔ ۴۔ وحفصة رضی الله عنها۔ ۵۔ وأم حبیبة رضی الله عنها توفیت سنة ۴۴۔ ۶۔ وأم سلمة رضی الله عنها وتوفیت سنة ۶۲۔ ۷۔ وزینب بنت جحش رضی الله عنها وتوفیت سنة ۲۰۔ ۸۔ وجویریة رضی الله عنها وتوفیت سنة ۵۶۔ ۹۔ وصفیة رضی الله عنها وتوفیت سنة ۵۰۔ ۱۰۔ ومیمونة رضی الله عنها وتوفیت سنة ۵۱، وقیل: سنة ۶۶۔

وأولاده صلى الله عليه وسلم

۱۔قاسم۔ ۲۔ وعبدالله، ويلقب بالطاهر، قيل: وبالطيب، وقيل: هو غيره۔ ۳۔ ومن البنات زينب۔ ۴۔ ورقية،۵۔ وأم كلثوم۔

۶۔ وفاطمة وكانت أصغر بناته، كلهم من خديجة رضي الله عنها۔

۷۔ وابراهيم، ولد بالمدينة من مارية رضي الله عنها مات في الرضاع۔

وختنه صلى الله عليه وسلم

۱۔ أبو العاص زوج زينت، ولدت عليا مات وهو صغير، وأمامة تزوجها علي بعد فاطمة، ثم مغيرة بن نوفل ولدت له يحيى۔

۲۔ وعلي زوج فاطمة، ولدت حسنا وحسينا ومحسنا ورقية و زينب وأم كلثوم۔ توفي محسن وهو صغير، ورقية قبل أن تبلغ، وتزوج زينب عبدالله بن جعفر، وولدت عليا، تزوج أم كلثوم عمر ولدت زيدا، لم تزوجها عون بن جعفر، ثم محمد بن جعفر، ثم عبدالله بن جعفر۔۳۔ وعثمان زوج رقية، ولدت عبدالله ومات صغيرا، ولما ماتت تزوج أم كلثوم۔

وأعمامه صلى الله عليه وسلم:

۱۔الحارث، ۲۔ وقثم، ۳۔ وزبير، ۴۔ وحمزة۔ ۵۔ وعباس،

۶۔ وأبو طالب، ۷۔ وعبدالكعبة، ۸۔ وجحل، ۹۔ وضرار،

۱۰۔ وغيداق، ۱۱۔ وأبولهب۔

وعماته صلى الله عليه وسلم:

۱۔ وصفية، ۲۔ وعاتكة، ۳۔ وأروى، ۴۔ وأم حكيم، ۵۔ وبرة،

۶۔ وأميمة، ۷۔ أسلم منهم ثلاثة: حمزة وعباس وصفية۔

وموالیه صلی الله علیه وسلم:

۱۔ زید بن حارثة، ۲۔ وابنه أسامة، ۳۔ وثوبان، ۴۔ وأبو کبشة،
۵۔ وأنیسة، ۶۔ وشقران، ۷۔ ورباح، ۸۔ ویسار، ۹۔ وأبو رافع،
۱۰۔ وأبو مویهبة، ۱۱۔ وفضالة، ۱۲۔ ورافع، ۱۳۔ ومدعم،
۱۴۔ وکرکرة، ۱۵۔ وزید: جد هلال بن یسار، ۱۶۔ وعبید،
۱۷۔ وطهمان، ۱۸۔ ومابور القبطی، ۱۹۔ وواقد أو أبو واقد،
۲۰۔ وهشام، ۲۱۔ وأبو ضمیرة، ۲۲۔ وأبو عسیب، ۲۳۔ وأبو عبید،
۲۴۔ وسفینة، ۲۵۔ وأبو هند، ۲۶۔ وأنجشة، ۲۷۔ وأبو أمامة۔

وجواریه صلی الله علیه وسلم:

۱۔ سلمی أم رافع، ۲۔ ورضوی، ۳۔ وأمیمة، ۴۔ وأم ضمیرة،
۵۔ وماریة، ۶۔ وسیرین، ۷۔ وأم أیمن، وتسمی برکة، ۸۔ ومیمونة بنت سعد، ۹۔ وخضرة، ۱۰۔ وخویلة وست نسوة من بنی قریظة،

وخدامه صلی الله علیه وسلم:

۱۔ أنس بن مالك، ۲۔ وهند، ۳۔ وأسماء: ابنا حارثة، ۴۔ وربیعة بن کعب الأسلمی، ۵۔ وعبد الله بن مسعود، ۶۔ وعقبة بن عامر،
۷۔ وبلال، ۸۔ وسعد، ۹۔ وذو مخمر أو ذو مخبر، ابن أخی النجاشی أو ابن أخته، ۱۰۔ وبکیر بن شداخ، ۱۱۔ وأبو ذر الغفاری۔

وحرسه صلی الله علیه وسلم:

۱۔ سعد بن معاذ، ۲۔ وذکوان، ۳۔ ومحمد بن مسلمة الأنصاری،
۴۔ وزبیر، ۵۔ وعباد بن بشیر، ۶۔ وسعد بن أبی وقاص،
۷۔ وأبو أیوب، ۸۔ وبلال۔

فلما نزلت: (والله يعصمك من الناس) المائدة: ٦٧
قال: انصرفوا، فقد عصمني الله.

ورسله صلى الله عليه وسلم الى الملوك:

١. عمرو بن أمية الى النجاشي أسلم، ٢. ودحية الى هرقل، ٣. وحذافة الى كسرى، ٤. وحاطب الى مقوقس، ٥. وعمرو بن العاص الى جيفر وعبدالله ابني الجلندي كبيري عمان فأسلما. ٦. وسليط بن عمر والى هوذة بن علي رئيس يمامة. ٧. وشجاع بن وهب الى حارث الغساني ملك بلقاء. ٨. ومهاجر بن أمية الى حارث الحميري. ٩. وعلاء بن الحضرمي الى المنذر بن ساوى عظيم البحرين فأسلم، ١٠. وأبو موسى الأشعري ومعاذ بن جبل الى أهل اليمن وأقيالهم فأسلموا.

وكاتبوه صلى الله عليه وسلم:

. الخلفاء الأربعة. وعامر بن فهيرة. وعبدالله بن أرقم. وأبي بن كعب. وثابت بن قيس. وخالد بن سعيد. وحنظلة بن الربيع. وزيد بن ثابت. ومعاوية. وشرحبيل بن حسنة رضي الله عنهم.

وأما أسباطه صلى الله عليه وسلم: فهم أولاد سيدتنا فاطمة الزهراء البتول بواسطة سيدينا: الحسن والحسين.

فأما أولاد الحسن: فأسماؤهم:

١. الحسن، ٢. وزيد، ٣. وعمرو، ٤. والحسن، ٥. وعبدالله،
٦. وعبدالرحمن، ٧. وعبيدالله، ٨. واسماعيل،
٩. ومحمد، ١٠. ويعقوب، ١١. وجعفر، ١٢. وطلحة،

١٣ـ وحمزة، ١٤ـ وأبو بكر، ١٥ـ والقاسم.

وكان العقب منهم للحسن المثنى ولزيد، ولم يكن لغيرهما منهم عقب، وقيل: كانت له بنت تسمى أم الحسن، ومن أولاده رضى الله عنه: الباز الأشهب سيدنا عبدالقادر الجيلى، وينتهى نسبه اليه. هكذا هو ابن موسى بن عبدالله بن يحيى الزاهد بن محمد بن داود بن موسى بن عبدالله بن موسى الجون بن عبدالله المحض بن الحسن المثنى بن الحسن بن على رضى الله عنه.

وأما أولاد الحسين:

١ـ فعلى الأكبر، قاتل بين يدى أبيه حتى قتل شهيدا.

٢ـ وعلى الأوسط، وهو الملقب بزين العابدين.

٣ـ وعلى الأصغر، جائه سهم وهو طفل فقتله.

٤، ٥ـ ومحمد وعبدالله، استشهدا مع أبيهما.

٦ـ وجعفر، توفى فى حياة أبيه، ٧ـ وزينب

٨ـ وسكينة، ٩ـ وفاطمة.

وليس العقب الالزين العابدين، ولد فى المدينة فى الخميس خامس شعبان سنة ٣٨، وتوفى ثامن عشر المحرم سنة ٩٤، وقيل سنة ٩٥. وكان له تسعة أولاد ذكور، ولم يكن له أنثى.

وأسماء أولاده: محمد الباقر، زيد الشهيد بالكوفة، وعبدالله، وعبيدالله، والحسن، والحسين وعلى، وعمر، ويوجد عقب الباقر وزيد كثيرا .... وأسماء أولاد محمد الباقر: جعفر وهو الصادق، وعبدالله، وابراهيم، وأم سلمة.

وأسماء أولاد جعفر الصادق: عبدالله، والحسن، ومحمد الأصغر، وعباس، وعبيدالله، ومحسن، وعيسى، وموسى الكاظم، واسماعيل، ومحمد المأمون، واسحاق المؤتمن، وعلي عريض، وأربع بنات

وأسماء أولاد موسى الكاظم: عليّ الرضاء، وزيد، وابراهيم، وعقيل، وهارون، والحسن، والحسين، وعبدالله، واسماعيل، وعبيدالله، وعمر، واحمد، وجعفر، ويحيى، واسحاق، والعباس، وحمزة، وعبدالرحمٰن، والقاسم، وجعفر الأصغر، ويقال موضع عمر: محمد.

وبناته: خديجة، أُم فروة، اسماعيلية، فاطمة، فاطمة (ثنتان)، أُم كلثوم، أُم كلثوم (ثنتان)، آمنة، زينب الصغرىٰ، أُم القاسم، حكيمة، اسماء الصغرىٰ، محمودة، امامة، ميمونة، وقيل غير ذالك۔

وأسماء أولاد على الرضاء: محمد التقيُّ، والقانع، والحسن، وجعفر، وابراهيم، والحسين، وعائشة۔

وأسماء أولاد محمد النقى على النقى وموسٰى المرقع ويحى وابنتان واسماء اولاد على النقى: حسن العسكرى، وجعفر الزكى، وحسن المثنى، وموسىٰ، ومحمد، وعلى۔

واسم ولد حسن العسكرى: محمد ابو القاسم، ويدَّعى الشيعةُ أنه هو المهديُّ القائم فى آخر الزمان، ويُسمُّونه المُنتَظَر، ويزعمون أنه غاب بسر من رأى، وسيخرج قرب الساعة۔

وردَّ علماء أهل السنة زعمَهم هذا بدلائل اوضحها وأوقعها تكذيبُ الامام جعفر الزكى بن على النقى المذكور هذا القولَ، ومن ثَمَّ يُسمِّيه الشيعة كذابًا حاشاه من ذلك۔

ومن أولاد هذا الزكيّ السيد أحمد الكبير صاحب البقرة عند العوام.
وابنه المعروف بمخدوم جهانيان جهان گشت رضی الله عنهم.

ومنها أيام الخلفاء الراشدين رضی الله عنهم:

• فأوّلهم وافضلهم سيدنا ابوبكر الصديق رضی الله عنه بُويع له بإجماع من المهاجرين والأنصار سنة ١١ من الهجرة. وفتح فی دولته اليمامة، وقتل مسيلمة بها والأسود العنسی بصنعاء وأطراف العراق وبعض مدن الشام، وكان بعض العرب قد ارتدُّوا بعد النّبی صلی الله عليه وسلّم ومنعوا الزكاةَ فقاتلهم، ووجَّه جيشَ أسامة رضی الله عنه الی الروم فقاتلوهم وهزموهم وقتلوهم ورجعوا سالمين، وكانت خلافته سنتين و ثلاثة أشهر وثمانية أيّام.

• ثم قام بالأمر سيدنا عمر بن الخطاب رضی الله عنه بوصيةٍ من أبی بكر رضی الله عنه اليه سنة ١٣، وفتح الله تعالی علی يديه الفتوحات الكبار والبلاد الشاسعة، ففتح رضی الله عنه دمشق ثم الروم ثم القادسية، ثم انتهی الفتح الی حمص و حلوان والرقة والرها وحران ورأس العين وخابور ونصيبين وعسقلان و طرابلس وما يليها من الساحل وبيت المقدس وبيسان واليرموك والأهواز والقيسارية ومصر وتستر ونهاوند والریّ وما يليها وأصبهان وبلاد فارس وأصطخر وهمذان والنوبة والبرلس وغير ذلك. وكانت خلافته رضی الله عنه عشر سنين وستة أشهر وخمس ليال، وقيل: ثلاثة عشر يومًا.

. ثم قام بالأمر سيدنا عثمان بن عفان رضى الله عنه بالشورى من أهل الحل والعقد، بويع له سنة ۲۴، وافتتح فى ايّامه الاسكندرية وسابور وافريقية وقُبُرس و سواحل الروم وأصطخر الأخرى و فارس الأولى وخوزستان و فارس الأخرى وطبرستان و كرمان وسجستان والأساورة وافريقية من حصون قبرس و ساحل الأردن و مرو وغير ذلك۔ وكانت خلافته اثنتى عشرة سنة الا أيّامًا ....۔ ثم بويع لسيدنا على رضى الله عنه سنة ۳۵ بعد أن ردّهم فأبوا، وخرج عليه الخوارج فأجمعوا على قتاله، فخرج عليهم بمن معه ورام رجوعهم فأبوا الا القتال، فقاتلهم بالنهروان، فقتلهم واستأصل جمهورهم والم ينجُ منهم الا القليل، وكانت خلافته أربع سنين وتسعة أشهر ويومًا۔

ومن أعظم الوقائع الهائلة فى زمن خلافته رضى الله عنه وقعة الجمل۔ سمّيت به، لكون عائشة رضى الله عنها يومئذ على الجمل۔ و (وقعة صفين) سمّيت باسم موضع وقعت به۔

ومنشأ هذه الوقائع الذى من وقف عليها لا يطيل لسانه فى طعن الصحابة رضى الله عنهم: أن أهل مصر أتوا عثمان رضى الله عنه فى خلافته يشكون عامله عبدالله بن أبى سرح، فبعث محمد بن ابى بكر مكانه، وعزله بمشورة على رضى الله عنه فرأوا فى الطريق راكبًا رابهم مشيتُه، وسمتُه، ففتّشوه فوجدوا عنده كتابًا من عثمان الى عبدالله، وفيه الأمر بقتل محمد بن أبى بكر اذا قدِمَ، فرجعوا الى المدينة مغضبين و شَكَوا ذلك الى على رضى الله عنه،

فأتى بهم عثمان رضی الله عنه وسأله، فعرف الراكب والخاتم ولم يعرف الكتاب ولا الكاتب، فصدّقوه واتّهموا به مروانَ لما رأوا من شبه خطّه، فطلبوه منه فأبى خِيفةَ أن يقتلوه من غير حجّة شرعية، فازدادوا غيظًا وساء ظنّهم بعثمان رضی الله عنه وبغوا عليه، وقتلوه بعد ما حاصروا بداره وضيّقوا عليه۔

ثم اجتمع أهل الحل والعقد مع هولاء البُغاة على علیّ رضی الله عنه للبيعة، فلم يجد مساغًا من القبول، ثم سأله رضی الله عنه أكابرُ المسلمين أن يقتص دم عثمان، فاعتذر لما بهم من الشوكة ولما يخاف منهم اثارة الفتنة، فسكتوا الا طلحة والزبير رضی الله عنهما، فانه أسخطهما ذلك، وأتَيَا مكة عند عائشة رضی الله عنها وكانت قَدِمَتْ للحج، فأخبراها الخبرَ واستَعَانَا بها، لكونها أُمّ جميع المؤمنين، فاعتذرت۔ فأَبَيَا اِلاّ أن تسعى فيه، واجتمع، فی أثناء ذلك عليها الجموع الكثير۔

وبلغ الخبرُ المدينةَ، فحمل عليًّا رضی الله عنه جنودُه الذين كان فيهم هولاء البغاة، ومنهم أتباع ابن السبا، لدفع هذا الجمع، ولم يزالوا به حتی سافر، وأرسل رسولاً الی عائشة رضی الله عنها يسألها: عمّا تريد؟ قالت: لا أريد القتالَ، وانما أريد القصاص، فاعتذر رضی الله عنه بما اعتذر به اوّلاً فعَذرَتْهُ، وعزم كُلّ من الطائفتين أن يرجعا غدًا بلا قتال، فشقّ ذلك على اولٰئك الذين كان أقصى بُغْيَتِهم الفسادَ فی الارض، فتسارُّوا وتشاوروا أن يرموا جنودَ عائشة مصبحين بسهام عائرة، وفعلوا، فرأى جنودُها

ذلك غدرًا من عليّ، فتشاوروا وتساوروا كأشد القتال، ثم انجلى الأمرُ بعد ذلك، فاعتذرت الطائفتان وتصالحوا۔

وأمّا وقعة صفين فانه لـمّا بلغ قتلُ عثمان معاويةَ رضي الله عنهما، وكان اميرًا بالشام، وكان ذا نسب من عثمان، ولم يُحِطْ بِكُنْهِ الأمرِ لبعد المسافة، وردَّ عليه عليّ رضي الله عنه طلبه القصاص، بل وقيل: أوعده بالعزل: أنزل معاويةُ ذلك على رضاء عليّ بقتله نبغى عليه ووقع بينهما ما هال، حتى آل ولاية عليّ الى الانتقاص الى الكوفة ونواحيها، وارتحل اليها من المدينة واستُشهِدَ بها۔

ووقع فى ذلك أمرُ التحكيم، وملخَّصه أنه لـمّا اشتدَّ الأمرُ وامتدَّ الخطب تصالح الفريقان على تحكيم الحكمين: أبي موسٰى الأشعرى من عليّ رضي الله عنهما، وعمرو بن العاص من معاوية رضي الله عنهما فى ذلك، فاجتمع رأيهما بعد كلام طويل على أن يعزل كلُّ واحد صاحبه ويجعلا الأمر شورى، فصَعِدَ أبو موسٰى المنبرَ وقال: عزلتُ عليًّا من الخلافة۔ ثم صَعِدَ عمرٌ والمنبرَ وقال: قد عزل هذا صاحبَه، وانى لا أعزل صاحبى، لِمَا رآه على الحقّ، لثار الناسُ وتفرَّقوا على غير جماعة۔

ثم قام بالأمر بعده سيدنا الحسن رضي الله عنه، وسلَّم الخلافة لمعاوية رضي الله عنه بعد ستة أشهر، وهى تكملة ما ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلّم۔

ومنها الدول الاسلامية

أما الدولة الأموية: فأوّلهم أمير المؤمنين معاوية رضى الله عنه، وكان قد بُويع له بالخلافة يوم التحكيم، بايعه أهل الشام، واختلف عليه أهل العراق الى أن صالحه الحسن رضى الله عنه، فأجمع الناس على بيعته سنة ۴۱، فسُمّى عام الجماعة، وكانت خلافتُه منذ خلص له الأمرُ تسع عشرة سنة و ثلاثة أشهر وخمسة أيّام ـ ثم قام ابنُه يزيد شرَّ قيام، و مات سنة ۶۴، ثم قام ابنُه معاوية، وخلع نفسَه بعد أيّام قلائل، وتُوفّي رضى الله عنه، بعد أربعين ليلة أو سبعين ليلة، ثم قام مروانّ بن الحكم الذى كان كاتب السرِّ لعثمان، توفّى سنة ۶۵ بو ثوب زوجته عليه ـ

ثم قام بالأمر ابنُه عبدالملك، وتمكّن عبدالله بن الزبير، وكان قد أبى قبل ذلك من بيعة يزيد، وتحصّن بالحرم المكى، فبايعه أهلُ الحرمين واليمن والعراق، وتفرّقت الكلمة، فبقى فى الوقت أميران، أكبرهما ابن الزبير رضى الله عنهما ـ ثم لم يزل عبدالملك الى ان ظفر به وقتله بعد حروب عظيمة، توفّى سنة ۸۶ ـ ثم قام الوليد بن عبدالملك، وتوفى سنة ۹۶ ـ ثم قام أخوه سليمان بن عبدالملك، وتوفى سنة ۹۸ ـ ثمَ قام الخليفة الراشد والامام العادل عمر بن عبدالعزيز رحمه الله، ومناقبه كثيرة، توفى سنه ۱۰۱ ـ

ثم قام يزيد بن عبدالملك وتوفى سنة ۱۰۵ ـ ثم اخوه هشام بن عبدالملك توفى سنة ۱۲۵ ـ ثم ابن أخيه الوليد بن يزيد الفاسق، لُقِّبَ به، لأجل استخفافه بالدين و شربه الخمر واشتهاره

[illegible] أهل [illegible] وقتل [illegible] ١٢٦ ثم يزيد بن الوليد بن [illegible] الوليد، وكان ذا دين وورع في الأعمال. لكن [illegible] تولى في السنة المذكورة ثم أخوه ابراهيم [illegible] وقتل بعد شهرين وأيام ثم مروان بن محمد الجعدي [illegible] الحمار. وفي أيامه ظهر السفاح بالكوفة، وبويع له بالخلافة [illegible] وجهز عمّه عبد الله بن علي بن عبد الله بن عباس رضي الله عنهم لقتال مروان. فالتقى الجمعان وانهزم مروان، وقتل سنة [illegible] وهو آخر خلفاء بني أمية، وبه انقرضت الدولة الأموية.

وجاءت الدولة العباسية. وبمروان هذا تمَّ ما أخبر به رسول الله صلى الله عليه وسلّم في حديث أخرجه في (التيسير) عن الخمسة الا النسائي نصُّه: لا يزال هذا الدين عزيزًا منيعًا الى اثنى عشر خليفة، كلُّهم من قريش، الحديث: و شرح معناه أن الصحابة غير داخلين في هذا الحديث، لانتفاء احتمال ضعف الاسلام في عهدهم، وكذا من لم يكن خليفة حسب القواعد الشرعية. فلمّا عددنا وجدناهم الى انقضاء الدولة الأموية اثنى عشر سواءً، لان بعد معاوية رضي الله عنه الى آخر خلفائهم أربعة عشر خليفة. لكن ابن الزبير صحابي، ومروان الذي بويع له بعد ابن الزبير غاصب فخرجا، كما ذكرنا. فبقي اثنا عشر، وأسماؤهم هذه:

(١) يزيد بن معاوية (٢) معاوية بن يزيد (٣) عبد الملك
(٤) ولد بن عبد الملك (٥) سليمان (٦) عمر
(٧) يزيد بن عبد الملك (٨) هشام (٩) وليد بن يزيد

(۱۰) یزید بن الولید (۱۱) ابراهیم (۱۲) مروان بن محمد

وقد ذكروا آنفًا. ثم انقسمت الخلافة فى محلّين فى بنى عباس، وفى بنى أمية بالأندلس، فتفرقت كلمة المسلمين، فظهر ضعف فى الدين، ففى هذا الحديث اخبر عن انتفاء هذا الضعف فى زمن هولاء الخلفاء، ولا يلزم منه مدح هولاء كلّهم فى الدين۔

وأما الدولة العباسية: فاوّلهم السفاح المذكور، وهو أبو العباس عبدالله بن محمد بن على بن عبدالله ابن عباس رضى الله عنهما، وكانت خلافته، أربع سنين وتسعة أشهر، ثم قام أخوه أبو جعفر المنصور، تُوفّى سنة ۱۵۸، وكانت خلافته احدى و عشرين سنة و أحد عشر شهرًا وأربعة عشر يومًا۔ ثم ابنه محمد المهدى سنة ۱۶۹، ثم ابنه موسى الهادى الى سنة ۱۷۰، ثم أخوه هارون الرشيد الى سنة ۱۹۳۔ ثم ابنه محمد الأمين الى أربع سنين، ثم أخوه عبدالله المأمون الى سنة ۲۱۸، ثم أخوه ابو اسحاق ابراهيم المعتصم، ثم ابنه هارون الواثق بالله الى سنة ۲۳۲، وكانت خلافته خمس سنين و أشهر۔

ثم أخوه جعفر المتوكل الى سنة ۲۴۷، ثم ابنه محمد المنتصر بالله الى ستة اشهر، ثم ابن عمه أحمد المستعين بالله الى سنة ۲۵۲ھ ثم ابن عمه محمد المعتزّ بالله الى سنة ۲۵۵، ثم ابن عمه جعفر المهتدى بالله الى سنة ۲۵۶، ثم ابن عمه أحمد المعتمد على الله الى سنة ۲۷۹۔ ثم ابن أخيه أحمد المعتمد بالله الى سنة ۲۹۰۔ ثم ابنه ابو محمد على المكتفى بالله الى سنة ۲۹۳، ثم أخوه جعفر المقتدر

[illegible] ٣١٠، وفي اثناء الخلافة خلع مرتين: مرةً لعبد الله بن [illegible] المرتضى بالله، ولم يتم له أمر غير يوم وليلة، ومرة [illegible] مقدمه جديده، ثم عاد الى الخلافة ثاني يوم خلعه

ثم أخوه محمد القاهر بالله فخلع سنة ٣٢٢، ثم ابن أخيه ابو [illegible] احمد الراضي بالله الى سنة ٣٢٩، ثم أخوه ابراهيم المتقي [illegible] وخلع سنة ٣٣٣، ثم ابن عمه عبدالله المستكفي بالله وخلع سنة ٣٣٤، ثم ابن عمه أبو الفضل المطيع بالله وخلع نفسه طائعًا سنة ٣٦٣. ثم ابن عبدالكريم الطائع لله وخلع سنة ٣٨١، ثم أحمد [الم]قتدر بالله الى سنة ٤٢٢، ثم ابنه عبدالله القائم بأمر الله الى سنة ٤٦٧ ثم ولد ولده ابو القاسم المقتدي بالله الى سنة٤٨٧ ثم ابنه المستظهر بالله الى سنة٥١١، ثم ابنه الفضل المسترشد بالله الى سنة٥٢٩، ثم ابنه جعفر الراشد بالله وخلع سنة٥٣٠.

...ثم عمه محمد المقتفي لأمر الله الى سنة ٥٥٥، ثم ابنه يوسف المستنجد بالله الى سنة ٥٦٦، ثم ابنه على المستضئ بنور الله الى سنة ٥٩٥، ثم ابنه أحمد الناصر لدين الله الى سنة ٦٢٢، ثم ابنه محمد الظاهر بأمر الله الى سنة ٦٤٠، ثم عبدالله المستعصم بالله آخر خلفاء العباسيين بالعراق، قتل في أيام هلاكو بن قيلاي خان بن جنگز خان بمواطاة وزيره ابن العلقمي سنة ٦٥٦، فلا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

ومنها دولة العبيديين الفاطميين بالمغرب من سنة ٢٩٧، اوّلهم المهدي، ثم بمصر من سنة ٣٥٣ الى سنة ٥٦٧،

اوّلهم معزُّ بن منصور، وآخرهم عاضد، وكان فى أثناء هذه الأيّام بعض العباسيين بمصر بعد انقراضهم عن العراق، ثم كان بنو ايوب فى مصر، اوّلهم صلاح الدين وآخرهم توران شاه، ثم كان بعض الأتراك۔

ومنها الدولة الطاهرية من سنة ٢٠٠ الى سنة ٢٥٧، وأوّلهم طاهر، وآخرهم محمد......ومنها الصفارية من انقراض الطاهرية الى سنة ٢٩٦، أولهم يعقوب، وآخرهم معدل۔

ومنها السامانية من سنة ٢٦١ الى سنة ٣٩٥، اوّلهم نصر، و آخرهم منتصر......ومنها دولة الديالمة من سنة ٣٦٣ الى سنة ٤٣٨، اوّلهم على بن بويه، وآخرهم منصور۔

ومنها السلجوقية النيسابورية من سنة ٤٥٤ تقريباً الى سنة ٦٢٢، اوّلهم طغرل، وآخرهم مظفر الدين۔

ومنها السلجوقية الكرمانية من سنة ٤٣٣ الى سنة ٦٠٠ تقريباً، اوّلهم قادر، وآخرهم محمد شاه۔

ومنها السلجوقية الرومية من سنة ٥٣٨ تقريباً الى سنة ٧٠٠ تقريباً، اوّلهم داؤد، وآخرهم كيقباد۔

ومنها الخوارزم شاهية من المائة السادسة الى ثلاث مائة سنين، اوّلهم قطب الدين، وآخرهم حاجى شاه۔

ومنها الأتابكية من سنة ٥٢٢، الى منتصف المائة الثامنة، اوّلهم عماد الدين زنگى، وآخرهم مظفر الدين۔

ومنها الغزنوية من سنة ٣٦٧ الى سنة ٥٨٢، اوّلهم أمير

سبکتگین، وآخرهم خسرو ملك......ومنها دول الدكن من البهمنيّة من سنة ۷۴۸ الى سنة ۹۳۴، اوّلهم علاؤ الدين، وآخرهم كليم الله. والعادل شاهية من سنة ۸۹۶، اوّلهم يوسف من آل عثمان، والنظام شاهية من سنة ۸۹۵، اوّلهم نظام الملك. والقطب شاهية من سنة ۹۱۸، اوّلهم قطب شاه، والعماد شاهية من سنة ۸۹۲، اوّلهم عماد الملك. والبريد شاهية من سنة ۹۹۹، اوّلهم قاسم بريد، ولم نعرف يوم انقراضهم.

ومنها الگجراتية من سنة ۸۰۴ الى سنة ۹۹۱، اوّلهم ظفر خان، و آخرهم مظفر......ومنها المالوية من سنة ۸۰۲ الى سنة ۹۶۹. اوّلهم دلاور خان، وآخرهم باز بهادر.

ومنها الفاروقية البرهان پورية من سنة ۸۰۱ الى سنة ۱۰۰۹. اوّلهم نصير خان، وآخرهم بهادر خان.

ومنها البنگالية من سنة ۷۳۹ الى ما بعيد الألف، اوّلهم فخر الدين، وآخرهم داؤد خان............ومنها الشرقية من سنة ۸۰۲ الى سنة ۸۸۱، اوّلهم مبارك شاه، وآخرهم حسين شاه

ومنها السندية من بعد سنة ۶۰۰ الى سنة ۱۰۰۱، اوّلهم ناصر الدين، وآخرهم محمود............ومنها الملتانية من سنة ۸۴۷ الى سنة ۹۳۲، اوّلهم قطب الدين، وآخرهم حسين شاه.

ومنها الكشميرية من سنة ۷۳۷ الى سنة ۹۹۲، اوّلهم شمس الدين، وآخرهم يوسف شاه..........ومنها التيمورية الدهلوية، وتاريخها مذكور على الألسن، فلا حاجة الى ذكرها.

ومنها الدولة العثمانية والبخارية والايرانية والكابلية. وهي كلّها باقية الى يومنا. أبقاها الله تعالى، ونصربها الاسلام والمسلمين.......ومنها وفيات بعض أعيان الدين المتبوعين في الاسلام علمًا وعملاً ومواليدهم فالفقهاء۔

منهم سفيان الثورى، مات بالبصرة سنة ١٦١، ومولده سنة ٩٧.

ومالك بن أنس، مات بالمدينة سنة ١٧٩، وولد سنة ٩٠۔

وأبو حنيفة النعمان بن ثابت، مات ببغداد سنة ١٥٠، وهو ابن سبعين سنة۔.......وأبو عبدالله محمد بن ادريس الشافعي، مات بمصر آخر رجب سنة ٢٠٤، وولد سنة ١٥٠۔.......وأبو عبدالله أحمد بن حنبل، مات ببغداد في ربيع الآخر سنة ١٦٤۔

والمحدّثون:

ابو عبدالله البخارى: ولد يوم الجمعة لثلاث عشر خلت من شوال سنة ١٩٤، ومات ليلة الفطر سنة ٢٥٦۔.......ومسلم، مات بنيسابور لخمس بقين من رجب سنة ٢٦١ وهو ابن خمس و خمسين۔.......و ابوداؤد، مات بالبصرة في شوال سنة ٢٧٥۔

وابو عيسى الترمذى، مات بترمذ لثلاث عشر مضت من رجب سنة ٢٧٩۔.......وأبو عبدالرحمٰن النسائى، مات سنة ٣٠٣۔

وأبن ماجه، ولد سنة ٢٠٩، وتوفى سنة ٢٧٣۔

والصوفية:

سيدى عبدالقادر الجيلانى، ولد سنة ٤٧٠، وتوفى سنة ٥٦١۔

وسيدى معين الدين حسن السنجرى، ولد سنة ٥٣٧،

وتوفی سنة ۶۳۲........وسیدی بهاؤ الدین نقشبندی، ولد سنة ۷۰۸، وتوفی سنة ۷۹۱........وسیدی شهاب الدین السهروردی، ولد سنة ۵۹۳، وتوفی سنة ۶۳۲، رحمة الله علیهم أجمعین، ونفعنا ببرکاتهم وأنوارهم۔

ومنها حکایة عوائد العرب فی الجاهلیة

البحیرة:ناقة کانت اذا نتجت خمسة ابطن، وکان الاخیر ذکرًا، بحروا آی شقُّوا اذنها، وامتنعوا من ذکاتها، ولا تمنع من ماء ولا مرعی، وکان الرجل اذا أعتق عبدًا وقال: هو سائبة، فلا عقد بینهما ولا میراث........وأما الوصیلة: ففی الغنم کانت الشاة اذا ولدت أنثی فهی لهم، وان ولدت ذکرًا جعلوه لآلهتهم، وان ولدت ذکرًا وانثی قالوا: وصلت أخاها، فلا یذبح الذکر لآلهتهم۔

وأما الحام: فالذکر من الابل کانت العرب اذا نتج من صلب الفحل عشرة أبطنٍ قالوا: حمی ظهره، فلایحمل علیه ولا یمنع من ماء ولا مرعی..............الأزلام: سهام کانت لهم مکتوب علی بعضها: (امرنی ربی) وعلی بعضها: (نهانی ربی) فاذا اراد الرجل سفرًا او امرًا یهتمُّ به ضرب بتلك القداح، فاذا خرج الأمرُ مضی لحاجته، واذا خرج النهی لم یمض۔

کانت النصرانیة فی ربیعة وغسان و بعض قضاعة، وکانت الیهودیة فی نمیر و بنی کنانة وبنی الحارث بن کعب و کندة۔ وکانت المجوسیة فی بنی تمیم، منهم زرارة بن عدی وابنه علیؓ، وکان تزوّج ابنته ثم ندم، ومنهم الأقرع بن حابس کان،

مجوسيًا. وكانت الزندقة فى قريش أخذوها من الجزيرة. وكانت بنو حنيفة اتخذوا فى الجاهلية صنمًا من حيسٍ، فعبدوه دهرًا طويلاً ثم أدركتهم مجاعةٌ فأكلوه۔

وقد قيل: ان أوّل من غيّر الحنيفية عمرو بن لحيى، اشترى صنمًا يقال له: هبل، من العماليق فى رحلته الى الشام. وكانت لقريش وبنى كنانة العزّى، وكان حجّابها بنى شيبة. وكانت اللّات لثقيف وكان حجّابها بنى مغيث من ثقيف، وكانت مناة للأوس والخزرج. وكانوا فى الجاهلية اذا رزق أحدهم أنثى وَأدها. وكانوا اذا خرج أحدهم الى سفر عمد الى شجرة من الرتم فيعقد غصنًا منها. فاذا عاد من سفره ووجده قد انحلّ، قال: قد خانتنى امرأتى، وان وجده على حالته قال: لم تخنّى۔

الرتيمة: ناقة، كانوا اذا مات واحد منهم عقلوا ناقته عند قبره، وسدُّوا عينيها حتى تموت، يزعمون أنه اذا بعث من قبره ركبها........التعمية والتفقئة: كان الرجل اذا بلغ ابلُه الفًا قلع عين الفحل، يقولون: ان ذلك يدفع عنها العين، فاذا زادت على الألف فقأ عينَه الأخرى........العرداء: يصيب الابل شبهُ الجرب، كانوا يكوون السَّليمة ويزعمون أن ذلك يبرئ داء البعير۔

ضرب الثور عن البقر: كانت البقر اذا امتنعت عن الشرب ضربوا الثور، يزعمون ان الجنَّ يركبون الثيران، فيصدُّون البقر عن الشرب........الهامة: كانوا يزعمون أن الانسان اذا قتل ولم يؤخذ بثأره: يخرج من رأسه طائر يسمى الهامة، وهو كالبومة، فلا

يزال يصيح على قبره: اسقونی، حتى يؤخذ بثأره۔

الصفر: زعموا أن الانسان اذا جاع عضَّ على شُرْ سُوفِه الصفرُ، وهی حيَّة تكون فی البطن.......تثنية الضربة: زعموا أن الحية تموت فی أوّل ضربة،فاذا ثنَّيت عاشت۔

وأما بكاء المقتول: فكانت النساء لا يبكين المقتول حتّٰى يؤخذ بثأره، فاذا أخذ بثأره بكينه.......وكان من غرائبهم: رمی السنّ، وخضاب النحر، وتعليق كعب الأرنب، ونهيق الحمير للوباء، ونكاح المقت، والسحر، والكهانة، والنجوم، وقيافة البشر بالاستدلال بصفات أعضاء الانسان، وتختصُّ ببنی مدلج، وقيافة الأثر بالاستدلال بالأقدام والحوافر والخفاف، ومنهم من كان يخُطُّ الرمل فی الأرض فيخبر عن الآتی، وكانت فيهم الزجر والعيافة والطيرة والفال، وكان مما يتطيّرون به العطاس والغراب والابل الی غير ذلك من الغرائب۔

وقد أبطلها رسول الله صلی الله عليه وسلّم و كشف عن وجه الحقائق، فلله الحمد علی أن نجّانا من هذه الخرافات ببركة هذا الرسول الأمين، ختم الله تعالیٰ لنا علی اتباعه وحشرنا عليه، آمين۔

ومنها أخبار المعمرين

قال ابن الجوزی: ان آدم عليه السلام عاش ألف سنة، وعاش ابنه شيث عليه السلام تسع مائة سنة۔ وعاش ابنه مهلائيل ثمان مائة وخمسًا وتسعين سنة۔ وعاش ابنه ادريس ثلاث مائة سنة و خمسًا و تسعين سنة۔ وعاش ابنه تسع مائة

واثنتین وستین سنة۔ وأما ابنه نوح علیه السلام فروی عن عبدالله بن عباس رضی الله عنهما أنه قال:

(عاش نوح علیه السلام ألفًا وأربع مائة وخمسین عامًا)

وأما الخضر علیه السلام فهو أطول بنی آدم عمرًا۔

وذکر أن لقمان علیه السلام عاش ثلاثة آلالف وخمس مائة سنة۔ وعاش أکثم بن صیفی ثلاث مائة وستین سنة، وأدرك الاسلام۔ وعاش سطیح الکاهن سبع مائة سنة۔ وعاش لبید الشاعر مائة وعشرین، وأدرك الاسلام، وعاش درید بن الصمة مائة وسبعین سنة، حتی سقط حاجباه علی عینیه، وأدرك الاسلام ولم یسلم۔ ومن المعمرین عدیٌّ بن حاتم، وزهیر بن جنادة، وذو الأصابع العذری حکیم العرب، عاشوا مائتین و عشرین سنة۔ وسلمان الفارسی رضی الله عنه، وعبد المسیح۔

قلت: وقد رأیتُ رجلًا قویًّا سمینًا أسود الشعر فی الکانفور، یزعمون أنه تجاوز المائة بل و خمسین وسمعتُ رجلاً فی کافرستان قد رأی النّبی صلی الله علیه وسلّم، وجرحه علیٌّ رضی الله عنه، والله اعلم۔

الطرس التاسع فی آداب مختلفة

فمنها آداب الطعام والضیافة:

اغسل یدك۔ وسَمِّ الله تعالیٰ۔ وکل بیمینك ومما یلیك۔ وضُمَّ شفتیك عند المضغ، ولا تلتفتن یمینًا ولا شمالاً۔ ولا تلقمنَّ بسکّین۔ ولا تجلس فوق من هو أشرف منك وأرفع منزلةً۔ ولا تبصق فی الأما کن النظیفة۔ ولا تنفخ فی الطعام والشراب۔ ولا تأکل

بارید الحرارة ولا تعب طعامًا وكل ما سقط عنك وأمِط عنه الأذى ولا تترع بصرك لقمة أخيك ولا تكثر من الأكل والشرب

وأكرم ضيفك وادع من حضرك واخدم أضيافك وأظهر لهم الغنى وبسط الوجه. ويتفقّد دابتهم قبلهم ويحدثهم بما تميل اليه نفوسهم. ويراعي خواطرهم. ولا ينام قبلهم. ولا يغضب على أحد بحضورهم، ويريهم مكان الخلاء. ولا يتأخر فى الطعام، بل يُحضِر ما وجد. ويشيع الى باب الدار.

ومن آداب الضيف

أن لا يعتذر بشبع، بل يأكل ولو قليلاً. ولا يسأل عن غير القبلة و موضع قضاء الحاجة. وأن لا يتطلع الى ناحية الحريم. ولا يخالفه اذا أجلسه فى مكان وأكرمه. ولا يمتنع من تغسيله يديه. ولا يأخذ معه ولده الصغير. ويجتنب قبح المؤكلة وفضول الأمور. ولا يتأمر عليه. ولا يعطى السائل من مائدة غيره ولا يردُّه. ويحمد الله تعالى بعد الأكل. ولا ترفع يدك قبل صاحبك.

ومنها آداب التذكير والاستماع

أما المذكِّر فلا بدَّ أن يكون عدلاً محدِّثًا مفسّرًا عالمًا بجملة كافية من أخبار السلف وسيرتهم، ويستحب مع ذلك أن يكون فصيحًا لا يتكلّم مع الناس الا قدر فهمهم، وأن يكون ذا وجهٍ ومروَّةٍ. وينبغى أن لا يذكّر الا غبّا. ولا يتكلّم وفيهم ملال، بل اذا عرف فيهم الرغبةَ، ويقطع عنهم وفيهم رغبة. وأن يجلس فى مكان طاهر. وأن يبدأ بحمد الله تعالى والصلاة

على رسول الله صلى الله عليه وسلّم ويختم بهما. ويدعو للمؤمنين عمومًا وللحاضرين خصوصًا. ولا يخص فى الترغيب والترهيب فقط. وأن يكون ميسّرًا لا معسّرًا.

ويعم بالخطاب. ولا يخص طائفةٌ دون طائفة. وأن لا يشافه بذمِّ قوم أو الانكار على شخص. ولا يتكلّم بسقط ولا هزل. ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكر. ولا يكون امَّعة. ويعلّم صغار العلوم قبل كبارها. وليكن استمداده من الكتاب والسنّة على التأويل الظاهر وأقاويل الصحابة وغيرهم من الصالحين. ولا يذكر الروايات الموضوعة والقصص المجازفة وقصة كربلا والوفاة ونحو ذلك، والمبالغة فى الترغيب والترهيب. وليُعد كلامه مرّتين او مرّات. وليجتنب دقَّة الكلام واجماله.

وأما آداب المستمعين

فأن يستقبلوا المذّكر. ولا يلعبوا ولا يلغطوا، ولا يتكلّموا فيما بينهم. واذا عرض خاطر فليسكت عنه فى المجلس الحاضر، حتى اذا انقضى كلامه سأله، وان كان دقيقًا سأله فى الخلوة.

ومنها آداب المشورة

قال جعفر بن محمد: لا تكوننّ اوّل مشير، واياك والرأى الخطير، وتجنّب ارتجال الكلام، ولا تشيرنَّ على مستبدٍّ برأيه ولا على متلوِّن ولا على لحوح، وقيل: ينبغى ان يكون المستشار صحيح العلم مهذّب الرأى. وكان اليونان والفرس لا يجمعون وزراءهم على أمر يستشيرونهم فيه، وانما يستشيرون الواحد منهم من

غير أن يعلم الآخر، لأن في الاجتماع منافسةً وتطاعنًا وتحاسدًا ومعارضةً و تعريضًا للسر للاذاعة. وقيل: اذا أشار عليك صاحبك برأى ولم تحمد عاقبته فلا تَلُمْه.

ولا تشاور الجائع ولا العطشان ولا معلِّمًا ولا كثير القعود مع النساء ولا صاحب حاجة يريد قضاءها ولا خائنًا ولا حاقنًا ولا جاهلاً ولا حسودًا ولا مرائيًا ولا جبانًا ولا بخيلاً.

ومنها آداب المجلس

هي البشاشة، وحسن الخلق والأدب، والمصافحة وقت اللقاء، والاعانة على الحوائج، والرمق بطرفه الى صاحبه اذا أقبل، والتوسيع له اذا جلس، والاصغاء له اذا حدّث، وينبغي أن لايقبل بحديثه على من لا يقبل عليه، ويتعين عليه أن يحدِّث المستمع على قدر عقله، ولا يبتدع كلامًا لا يليق بالمجلس، واذا ورد عليه من المتكلِّم ما كان مَرَّ بسمعه اوّلاً أن لا يقطع عليه ما يقوله، بل يسكت الى أن يستوعب القول منه، وعدُّوا ذلك من باب الأدب، ولعلّه اذا صبر وسكت استفاد من ذلك زيادة فائدة لم تكن في حفظه، وليراع الفاظ حديثه.

واذا حدثت القوم فلا تقبل على واحد منهم، ولكن اجعل لكلِّ واحد منهم نصيبًا، ولا تنظر في عطفيك، ولا تكثر الالتفات، ولا تقف على الجماعات، واذا جلست فلا تتكبَّر على احد، وتحفظ من تشبيك اصابعك، ومن العبث بلحيتك، ومن اللعب بخاتمك، وتخليل أسنانك، وادخال أصبُعك في انفك،

وكثرة بصاقك، ولا تجالس العامّة. فان فعلتَ فأداب ذلك ترك الخوض فى حديثهم وقلّةُ الاصغاء الى أراجيفهم والتغافل عما يجرى من سوء ألفاظهم، وإيّاك وكثرة المزاح.

ومنها آداب الموت

يُوجّه المحتضر الى القبلة ان لم يتعسّر والا فكما يتيسر، ويلقّن بذكر الشهادتين عنده من غير أمره بهما، لئلا يضجر، ويندب قرأة يس عنده، ولا يذكر عنده شيءٌ من أمور الدنيا الا مالا بدّ منه شرعاً من ردّ الودائع والديون وغيرها، ولا أحدٌ من أهله الا أن يهوى لقاءِ أحدٍ فيحضره عنده ثم يبعده عنه، ولا شيءٌ من الخوف والعذاب، بل يذكره الرحمة والمغفرة، ولا يجتمعون عليه، ولا يرفعون أصواتهم بالبكاء فيشوِّش قلبه، بل يبقى عنده عدد قليل من الصلحاء، ويدعون له بسلامة الايمان والحفظ عن الشيطان، ولا يُشِيعون ما ظهر عنه مما لا يرضى حملاً على زوال عقله.

ثم اذا مات يعجّل فى تجهيزه ودفنه، ولا يجصّص قبره، ولا يبنى عليه، ولا يكسى بالثوب والرياحين ولا يتخذ الأطعمة الموسومة فى اليوم الثالث والعاشر وغيرهما، لأن مبنّاها على الرياء نعم، ما كان بغير رياء ولا من مالِ صغير ولا غائب ولا التزام قيد أورسم: فلا بأس به.

ومنها آداب الأستاذ

يتسوّك ويتنظّف اذا حضر عنده، ويتأدّب معه ويوقِّره، ويُصغى اليه بشراشر قلبه، ويعيه وينسب التقصير الى نفسه فيما

لا يفهم. ولا يذكر عنده قولاً مخالفًا له. ويذبّ عنه. وان لم يقدر يعتزل، ويخصّصه بالسلام بعد السلام العامّ الا فى أثناء الكلام. ولا يكثر الضحك عنده ولا الكلام. ولا يتوجه الى غيره فى مجلسه، ويتحمل جفاءه، ولا يتركه لغلظه، ولا يسيء الاعتقاد معه، بل يؤوّل اقواله وافعاله، ولا يكلّفه الدرس اذا ملّ او همّ او نعس او ضجر او لم يحضر قلبه لشيء أو جاع او عطش، ولا ينسى حقوقه بظهر غيبه، ويسرُّ قلبه بالهدايا والمكاتبات أحيانًا، ويدعو له حيًّا وميّتًا، ويزوره بعض حين.

ومنها آداب شيخ الطريقة

هى جميع ما للأستاذ مع زيادة منها: أن يتيقّن بحصول المطلوب به، وان رمق الى غيره يحرم فيوضه، ويطيعه، ويخدمه بنفسه و ماله، يحبُّه حبًّا عشقيًّا، ولا يقلّده فى فعله الا بأمره، ويواظب على ما لقّنه ولا يزيد عليه الا بأذنه، ولا يقوم حيث يقع ظلُّه على ظلِّ الشيخ، ولا يطأ مصلاه، ولا يتوضأ حيث يتوضأ هو، ولا يستعمل متاعه، ولا يأكل فى حضوره ولا يشرب ولا ينام، ولا يلتفت عنده الى غيره، ولا يمدُّ رجله الى مجلسه وان غاب، ولا يبصق اليه، ولا يعترض عليه بقلبه ولا لسانه، ولا يطلب منه الكرامة والكشف، ويعرض عليه ما خطر بباله، فان لم يجب او لم يفهم جوابه نسب القصور الى نفسه، ويقصُّ عليه رؤياه وما ورد على قلبه من الخير والشر، ولا يفارقه بلا اذنه، ولا يرفع صوته عليه، ولا ينقل سرّه الى غيره، ولا يردُّ قوله وان كان على الحق، ولا

يشتغل فی الأوراد عنده، وكلّ ما يفيض عليه رآه منه ولو وصل من غيره. هذا كله اذا كان الشيخ كاملاً جامعاً للشريعة والحقيقة، والا فالحذر الحذر من الشيطان فی صورة البشر۔

الطرس العاشر فی بعض ما تمس الحاجة على التنبيه عليه فی زماننا وفی مكاننا أما المصنفون:

فأنفعهم تصنيفًا للعوام مولانا قطب الدين خان الدهلوی رحمه الله، له رسائل كثيرة، كلها مفيدة، بعضها، أفيد من بعض و مولانا خرم على البلهوری رحمه الله، و مولانا المفتی عنايت احمد رحمه الله، وللخواصّ مولانا الحاج محمد قاسم النانوتوی رحمه الله آية كبرى من آيات الله تعالى من الخلفاء الامدادية، و مولانا رشيد احمد المحدث الفقيه العارف الگنگوهی و مولانا عبدالحی اللكهنوی رحمه الله فريد عصره.................وأضرّهم تصنيفًا النيچريون الكبار منهم والصغار، وغير المقلِّدين، والمبتدعون۔

وأما المدارس

فاعمّها فائدة واتّمها عائدة المدرسة الاسلامية فی الديوبند، وفی السهارنپور، و مدرسة جامع العلوم فی الكانپور، وأضرُّها كالج على گڑه، وعلى رجل طائر دارالعلوم فی لكنؤ التی بناها مجلس ندوة العلماء الذی لم يستقرَّ بعدُ على حالة، تثلج منها الصدور، فانتظروا انّا منتظرون۔

وأما المذاهب

فأهل الحق منهم أهل السنة والجماعة، المنحصرون باجماع من يعتدُّ بهم فى الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة، وأهل الأهواء منهم غير المقلدين الذين يدّعون اتّباعَ الحديث، وأنّى لهم ذلك؟! وجهلةُ الصوفية وأشياعهم من المبتدعين وان كان بعضهم فى زى العلم، والروافض، والنيچرية الذين يضاهون المعتزلة، فايّاك وايّاهم فتدنّس بهواهم.......وأمّا فرق الكفّار فى الهند فأشدُّهم عداوةً وعنادًا الآرية من الهنود، والپادريون من النصارىٰ، اللّٰهم ﴿اهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝﴾

وأما المزارات

فاشهرها و انورها مرقد سيدى خواجه معين الدين فى الاجمير، وسيدى علاء الدين الصابر فى كورة كلير قريبًا من روڑکی، وسيدى قطب الدين الكاكى، والسلطان نظام الدين فى الدهلى، والشيخ فريد الدين فى پاك پٹن من الفنخاب، وقطب العالم عبدالقدوس فى الگنگوه، و شاه مينا فى لكنؤ، والشيخ محب الله فى اله آباد، والشيخ عبدالحق فى ردولى، والشيخ مجدد الألف الثانى فى سر هند، لكن ايّاك ان تزور فى ايّام الأعراس فتتضرّر أكثر مما تنتفع۔

❁❁❁

أما الآفات وطريق النجاة منها

فالآفات الظاهرة: منها الافلاس الذى أحاط بأكثر المسلمين، وسببه قلّة العلوم و كثرة العار من الحرف والصنائع وحبُّ الدَّعَة واتباع الشهوات وحبُّ الشهرة والاسراف، ومنها فساد ذات البين والتحاسد والتباغض، وسببه الحرص والكبر، ومنها قلّة المطر، وسببها منع الزكاة والصدقات۔ ومنها حدوث الأمراض الصعبة من الطاعون والوباء، وسببه كثرة الزنا وعدم تغطية الأوانى بالليل و كثرة ألوان الطعام مع اختلاف الأوقات۔ ومنها الابتلاء بظلم الظالمين، وسببه مخالفة مولاه رب العالمين، والعلاج فى الكل ازالة الأسباب۔

وأما الآفات الباطنة: فمنها عموم الجهل، وسببه الاكباب على الدنيا وايثارها على الآخرة والمباعدة عن العلماء، والنجاة منه استحضار فناء الدنيا والتزام مجالسة العلماء الزاهدين۔ ومنها التدليس بالأخلاق الذميمة من الحسد والكبر والرياء والغضب والعجلة والحرص وطول الأمل، والنجاة منه التقرب الى أهل الله تعالىٰ الذين جمعوا بين الشريعة والطريقة، ومطالعة كتب الأخلاق وسير الصالحين۔

ومنها سؤال العوام عن الدلائل ودقائق المسائل التى لا تبلغها عقولهم، وسببه قلّة الأدب والاعراض عن العمل، و علاجه الزجر وأن لا يجابوا۔ ومنها شدّة اعتقادهم فى جهلة الصوفية، وسببه الجهل، وعلاجه العلم، ومنها غلوُّ الطلبة فى

الفلسفيات وعلوم الآلات، وسببه الجهل عن غاية العلم، و علاجه التنبيه على الغاية وأن لا يعلموا ما أرادوا.

وملاك تلك الآفات كلّها وغيرها الغيبةُ عن الله تعالى، وعلاجه الاشتغال والمراقبة، ومما يعين على النجاة عن جميع الورطات والنجاح جميع الحاجات: التضرُّعُ الى رب الأرض والسماوات، والتشفع بسيد الكائنات فى الخلوات والجلوات.

فلنختم صحيفتنا هذه ببعض تلك الأبيات، ونسأله تعالى أن يوفقنا للخيرات والحسنات، وينجينا عن السيّئات، ويختم لنا بالايمان والسّعادات، فانه مجيب الدعوات وقاضى الحاجات.

فأبيات التضرع هذه:

يامن يرى ما فى الضمير ويسمع ... أنت المعدُّ لكلّ ما يتوقع
يامن يرجى للشدائد كلّها ... يامن اليه المشتكى والمفزع
يامن خزائنُ رزقِه فى امركُنْ ... امنن فان الخير عندك اجمع
مالى سوا فقرى اليك وسيلة ... فبالافتقار اليك فقرى أدفع
مالى سوى قرعى لبابك حيلة ... فلئن رددت فائّ باب أقرع
ومن الذى أدعو وأهتف باسمه ... ان كان فضلك عن فقيرك يمنع
حاشا لجودك أن تقنّط عاصيًا ... الفضل أجزل والمواهب أوسع
ثم الصلاة على النبى وآله ... خيرالأنام ومن به يُتشفّع

وأشعار التشفُّع هذه:

يا حبيب الإله خذ بيدى ... ما لعجزى سواك مستندى
كن رحيمًا لذلتى واشفع ... يا شفيع الورى الى الصمد

اعتصامی سوی جنابك لی ليس يا سيّدی الی أحد
غير عرواك ليس فی الدارين لعليل ذليل معتمدی
صلواتی عليك فی الملوين كان متجاوزًا عن العدد
وعلی أهل بيته طرًّا وعلی آله الی الأبد
وعلی الصحب كلّهم أجمع هم نجوم الهدی الی الرشد
وعلی التابعين هم كانوا لخيام السداد كالوتد
استعينوا لعاجزٍ مضطرٍّ شمّروا ذيلكم الی المدد

ويوم الختام كان يوم الأحد سبع عشرة من جمادی الأولی
سنة ۱۳۱۷ من الهجرة فی تهانه بهون فقط۔

وبختامها اختتمت مجموعة التلخيصات آخر سنة ۱۳۲۱ھ

حقوق العلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

علومِ دینیہ سے بے رغبتی کے اسباب

یہ احقر اشرف علی رقم طراز ہے کہ جس مبحث پر میں اس وقت لکھنا چاہتا ہوں اجمالی تعیین اس کی عنوانِ بالا سے ظاہر ہے۔ اور تفصیلی تعیین اس کی یہ ہے کہ اس زمانہ میں علومِ دینیہ کی طرف سے عام بے رغبتی کی جو حالت ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں، اور سبب اس کا تأمل سے کام لینے سے دو امر معلوم ہوئے:

ایک کا عام لوگوں سے تعلق ہے دوسرے کا علماء سے۔

امرِ اول

عام لوگوں کی بے خبری ان تعلقات سے جو علومِ دینیہ کو عام معاملات سے ہیں، یا ان کے وہ خیالات وشبہات ہیں جو علومِ دینیہ کے نتائج و اغراض یا طالبین و محصلینِ علوم یا حال کے مقتدایانِ دین کے خاص حالات کی نسبت ان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً خواہ تہذیب کے ساتھ یا مطلق العنانی کے ساتھ ان کی زبان اور قلم سے ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

امرِ ثانی

اہلِ علم مشتغلین یا فارغین کے بعضے نامناسب افعال و ناموزوں اعمال ہیں جو بوجہ نقصِ علم یا فقدانِ تہذیب و تربیت بعض سے صادر ہو جاتے ہیں اور عام لوگ ان پر مطلع ہو کر بقیہ کو بھی ان پر قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگا کر علوم سے نفرت قائم کر لیتے ہیں، یا اگر عام کو بھی احساس نہ ہو تب بھی بعض اعمال کے خود مفاسد ایسے ہوتے ہیں جو جمہور میں کوئی ایسا برا اثر جو شرعاً ناپسندیدہ ہے پیدا کر دیتے ہیں۔ چوں کہ یہ بے رغبتی جوان دو امر سے مسبب ہے، سبب بن رہی ہے، یوماً فیوماً علوم کی کمی اور جہل کی زیادت کا جو کہ اس کے لوازم سے اس کا عین ہے، اور اس کا ثمرہ ہے بربادی آخرت کی بالذات اور بربادی دنیا کی بواسطہ، جیسا کہ ارشاداتِ حقہ سے ثابت ہے کہ عقائد و اعمال فاسدہ سے دنیا کا بھی خسارہ ہوتا ہے گو بوجہ فسادِ مدرکہ کے فی الحال محسوس نہ ہو، لیکن مدرکہ سے کام لینے سے فوراً مدرک ہو جاتا ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ: اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃً او مرتین ثم لا یتوبون ولاھم یذکرون٥**

کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ ہی وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ (توبہ:۱۲۶)

وغیر ذٰلک من الآیات الکثیرۃ والأحادیث الوافرۃ

(چناں چہ کسی قدر بسط کے ساتھ یہ مضمون میرے رسالہ ''جزاء الاعمال'' میں مذکور ہوا ہے)۔ اور اس صورت میں کون عاقل ہوگا کہ اس خسارۂ دارین کے تدارک کی ضرورت میں اس کو کلام ہوگا؟ اور تدارک کا حاصل ہے رفع اسباب فساد۔ اور اس فساد کا سبب علم کی کمی تھی، اور اس کا سبب وہ دو امر بالا تھے۔ پس لامحالہ ان دو امروں کا ازالہ مرجع اخیر ہوا اہتمام تر اصلاحات کا۔

پس یہ تحریر مختصر انہیں دونوں امورِ مذکور کی اصلاح ہے یہ تفصیل تعیین ہے اس مبحث

کی۔ پس بنا بر تقریر ہذا اس تحریر کے دو جز ہوں گے: ایک عام اصحاب کو ان کی ان اغلاط پر متنبہ کرنا جو در باب علم و اہل علم ان کو واقع ہو رہی ہیں۔ دوسرا خاص حضرات اہلِ علم کو ان کے بعض امور اصلاحیہ کی طرف متوجہ کرنا جو علم وعمل کے متعلق ہیں۔

اور چوں کہ یہ سب اصلاحاتِ عامیہ وخاصیہ علم دین کے حقوق مہتم بالشان سے ہیں اس لئے اس تحریر کا نام حقوق العلم اور اس کے پہلے جز کا عنوان "حقوق العلم علی العوام من اھل الاسلام" اور دوسرے جز کا لقب "حقوق العلم علی العلماء الاعلام والطلبة الکرام" تجویز کرتا ہوں۔ اور ان دونوں جزوں کو دو باب پر، پھر ہر جز کے مجموعی مضامین کو ایک ایک فصل پر منقسم کرتا ہوں۔

محرک اس کے (کہ وہ اس حیثیت سے مستحق دعائے خیر کے ہیں) مشفقی مکرمی منشی فضل حسین صاحب مالک رسالہ "ضیاء الاسلام" مراد آباد ہیں۔ اور سببِ تحریک (کہ وہ اس حیثیت سے مستحق دعائے برکت و اعانت ہے) ان کا ایک نیا پرچہ مسمی بہ "المشیر" ہے جس کا موضوع خاص علومِ دینیہ کی خدمت ہے۔ اس کے جس پہلو کے بھی متعلق ہو جس کا سلسلہ انہوں نے اپنے پرانے پرچہ "ضیاء الاسلام" ہی سے بقدر ضرورت شروع کر دیا تھا، مگر بیئۃً اور استقلال میں ماہیۃً واثراً جو تفاوت ہے اس نے ایک نئے پرچہ کی ضرورت کو بھی ثابت کر دیا، اور اسی ضرورت سے مجھ کو اس کی تحریک کی۔ پس امتثالا لأمر الممدوح واحتسابًا وخدمت دین میں اس تحریر کو اس پرچہ کی نذر کرتا ہوں۔ اور اس تحریر کے ختم پر عجب نہیں کہ دوسرے مبحث کے ذریعہ سے اور کوئی خدمت دین تجویز کر کے اس پرچہ کی نذر کر سکوں۔ واللہ الموفق

الباب الاوّل

فِيْ حُقُوْقِ الْعِلْمِ عَلَى الْعَوَامِ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ

پہلی فصل

دین کے اجزا

بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ علم دین کا تعلق صرف نماز وروزہ سے ہے، اور اس کے لئے چند اردو رسائل مسائل کا یا معمولی مولویوں کا وجود کافی ہے۔ جس کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اور وجہ اس سمجھنے کی یہ ہے کہ اصل میں ان صاحبوں کو یہی خبر نہیں کہ دین کے کیا کیا اجزا ہیں۔ اس لئے دین کو صرف روزہ، نماز میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور اول غلطی یہی ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے اجزائے کلیہ پانچ ہیں: عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، تہذیب اخلاق یا تربیت نفس۔

چناں چہ دلیل وتفصیل اس دعویٰ کی میرے رسالہ "تعلیم الدین" کے خطبہ میں موجود ہے (اور یہ رسالہ انہی پانچ اجزا کی مختصر شرح ہے)

اور جو شخص ہر وقت اپنے جمیع اقوال وافعال واحوال کو تفصیل وار دیکھتا رہے گا اور ہر جزیئے کے متعلق احکام شرعیہ کی تفتیش کی فکر میں ہوگا، اس کو معلوم ہوگا کہ نہ مختصر رسالے اس کے لئے کافی ہیں اور نہ معمولی مولوی۔ اس میں کس درجہ وسعت ہے اور اس کے ماہر کس قدر قلیل ہیں اور کس درجہ جماعت کی اور حاجت ہے جن کو اس کا احاطہ ضرور یہ حاصل ہو۔ پھر اس جماعت کی تیاری کے لئے کس قدر سامان اور اہتمام کی ضرورت ہے اور موجودہ سامان اس کے مقابلہ میں کتنا کم ہے۔

دوسری فصل

علم دین کے دو مرتبے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی بننے میں اس قدر وقت صرف ہوتا ہے کہ پھر علوم معاش کے تحصیل کی گنجائش نہیں رہتی۔ پھر اگر علومِ معاش کو حاصل نہ کیا جائے اور اولاد کو مولوی بنادیا جائے تو پھر کھائیں پئیں کہاں سے؟ پس اس کا انجام بجز ذلت اور پریشانی کے اور کچھ نہیں ہے اس لئے مولوی بننا ذاتی وقومی ترقی کو مضر ہے۔ ان صاحبوں سے اس میں چند غلطیاں ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ علماء کے علم دین کو ضروری کہنے کے معنی یہ سمجھے کہ ہر شخص کو پورا مولوی بنانا واجب ہے۔ سوخوب سمجھ لیا جائے کہ علما کا ہرگز یہ مقصود نہیں، کیوں کہ علم دین کا ضروری ہونا اور بات ہے اور پورا مولوی ہونا اور بات ہے۔ علم دین کی دو مقدار ہیں۔ ایک مقدار یہ کہ عقائد ضروریہ کی تصحیح کی جائے۔ عباداتِ مفروضہ کے ارکان وشرائط واحکام ضروریہ معلوم ہوں۔ مثلاً یہ کہ نماز کن کن چیزوں سے فاسد ہوجاتی ہے۔ کن کن صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر سفر پیش آوے کتنے سفر میں قصر ہے، اگر امام کے ساتھ پوری نماز نہ ملے تو بقیہ کس صورت میں کس طرح پوری کرے، قضا کے کیا احکام ہیں، زکوٰۃ کن اموال میں واجب ہے، اور اس کے ادا میں کیا کیا شرائط ہیں۔ علی ہٰذا حج اور صوم کے احکام۔ اور یہ کہ نکاح کن کن عورتوں سے حرام ہے۔ کن الفاظ سے نکاح جاتا رہتا ہے۔ عدت وولایت نکاح کے کیا احکام ہیں۔ رضاعت کے اثر سے کون کون سے رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔

مبادلۂ اموال میں کیا کیا رعایت واجب ہے؟

کسی جائیداد یا آدمی کی اجرت ٹھہرانے میں کون کون سی صورتیں جائز ہیں، کون سی ناجائز ہیں۔ فیصلہ قضایا کا (اگر یہ شخص صاحب حکومت ہے) حسب قوانین شرعیہ کس

طرح ہوتا ہے (گو ان کے انفاذ پر قادر نہ ہو مگر جاننا اس لئے واجب ہے کہ دوسرے فیصلوں کے حق ہونے کا اور شرعی فیصلوں کے ناحق ہونے کا اعتقاد نہ کر بیٹھے)۔ کون کون لباس حلال ہیں، کیا کیا حرام ہیں۔ نوکریاں کون جائز ہیں کون ناجائز ہیں (اگرچہ بدقسمتی سے ناجائز ہی میں مبتلا ہو مگر علم احکام سے اس کو قبیح تو سمجھے گا۔ اور دو جرموں کا مرتکب تو نہ ہوگا۔ (ایک مباشرت فعل ناجائز دوسرے اس کو ناجائز نہ سمجھنا) ماکولات ومشروبات میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔

اسباب تصریح میں کس کا استعمال درست ہے کس کا نادرست ہے۔ اخلاق باطنی میں محمود و مذموم کا امتیاز ہو، اس کے معالجہ کا طریق معلوم ہو۔ مثلاً ریا و کبر و غضب و حرص وطمع وظلم وغیرذالک کی حقیقت جاننا ہوتا کہ اپنے اندر ان کا ہونا نہ ہونا معلوم ہو پھر بعد ہونے کے ان کے ازالہ کی تدبیر کر سکے اور کوتاہی پر استغفار کیا کرے۔ یہ سب مقدار علم کی عام طور پر ضروری ہے، کیوں کہ بدون ان کے جانے ہوئے اکثر اوقات معصیت اور ناخوشی حق تعالیٰ میں مبتلا ہوگا۔

ہم نے ان احکام سے ناواقف اور علوم معاش کے اعلیٰ درجے کے واقف لوگوں کو سخت غلطیاں کرتے دیکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ متنبہ کرنے سے بھی متنبہ نہیں ہوتے، کیوں کہ ان علوم سے مناسبت ہی نہیں۔ ایسے نمازیوں کو وطن میں عارضی قیام کے طور پر آنے میں قصر کرتے دیکھا ہے۔ زکوٰۃ چندۂ حجاز ریلوے میں دیتے ہوئے پایا ہے۔ روزہ میں سگریٹ پینے کو بعضے مفسدِ صوم نہیں سمجھتے۔

حج میں بے سیے ہوئے اور بنیان کے طور پر بنے ہوئے کپڑے کو گو وہ پاجامہ کرتہ ہی ہو پہننے کو بعضے امرا نے جائز سمجھا۔ حقیقی بھانجے کی دختر سے نکاح حلال جاننے والا میں نے دیکھا ہے۔ چاندی سونے کے مبادلہ میں یا حبوب وغلات کے معاملہ میں یا ریلوے وڈاک خانہ کے قوانین میں بے احتیاطی کرنے کو کوئی بھی خلاف شریعت نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ۔ سرکاری نرخ پر اگرچہ مالک سواری کا راضی نہ ہو جبر کرکے کسی سے

کام لینے کو برا سمجھنے والے شاذ و نادر ہیں۔ نوکری اور لباس اور اسباب تفرتح میں تو ایسے صاحبوں کے نزدیک کوئی جزئی ممنوع ہے ہی نہیں۔

اخلاق میں بجز تفاخر و تحقیر مسلمین و حرصِ دنیا کے جس کا نیا لقب اس وقت ترقی ہے سیکھا ہی نہیں جنہوں نے بعض علوم کو فرض عین فرمایا ہے اس بعض سے یہی مقدار مراد ہے۔ اور فرض عین کا یہی مطلب ہے کہ یہ سب کے لئے عام طور پر ضروری ہے۔

اور دوسری مقدار یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے مجموعہ قوم کی ضرورتوں پر لحاظ کر کے و نیز دوسری معترض قوموں کے شبہات سے اسلام کو جس مضرت کے پہنچنے کا اندیشہ ہے اس پر نظر کر کے ایک ایسا وافی ذخیرہ معلومات دینیہ کا مع اس کے متعلقات ولواحق و آلات و خوادم علوم کے جمع کیا جائے جو سابقہ ضرورتوں کے لئے کافی ہو۔ یہ مقدار فرض علی الکفایہ ہے۔

علم کے ہر مرتبہ کو سیکھنے کا شرعی حکم

فرض عین کا حکم یہ ہے کہ ہر ہر شخص بانفرادہ اس کا مکلف ہے، جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ اور فرض الکفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ہر مقام پر ایک ایسی جماعت قائم رہے کہ ان ضرورتوں کو پورا کر سکے تو سب مسلمان گناہ سے بچے رہیں گے، ورنہ سب گناہ میں شریک ہوں گے۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علما علم دین کو بایں معنی ضروری نہیں کہتے کہ ہر شخص اصطلاحی مولوی بنے، پھر علوم معاش میں جرح واقع ہونا کیوں کر لازم آیا جس کا وسوسہ عوام کو مانع ہو رہا ہے۔ تکمیل علوم دینیہ سے البتہ یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ کافی تعداد میں ایک معتد بہ جماعت ایسی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل و مکمل محقق متبحر ہوں، اور ایک بڑا حصہ عمر کا تحصیل میں اور تمام عمر اس کی اشاعت و خدمت میں صرف کریں اور اس کے سوا ان کو کوئی کام نہ ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس جماعت کا ذکر ہے:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔ (آل عمران: ۱۰۴)

حدیثوں میں حضرات اصحابِ صفہ کی یہی شان آئی ہے۔

علماء سے علم حاصل کرنے کا طریقہ

اور عام مسلمان اس جماعت سے تقریراً وتحریراً اپنی ضروری دینی حاجتیں رفع کیا کریں۔ ان میں جو پڑھنے کے قابل ہیں جیسے کم عمر بچے یا وہ جو چندے یا قدرے معاش سے فارغ ہیں ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس جماعت سے سبقاً سبقاً کچھ رسالے عقائد ومسائل ابواب مختلفہ کے پڑھ لیں کہ اس طریق سے تھوڑے زمانہ میں بڑا ذخیرہ معلومات کا جمع ہو جاتا ہے۔ پھر نئے واقعات کے متعلق وقتاً فوقتاً اس جماعت سے پوچھتے رہیں۔ اور جو کسی سبب سے اس طرح پر نہیں پڑھ سکتے وہ اگر کم از کم ہفتہ میں ایک روز گھنٹہ دو گھنٹہ نکال کر ایک معین وقت پر جمع ہو کر کسی سمجھ دار ذی علم سے درخواست کریں کہ وہ ان کو ایسے رسائل پڑھ کر سنایا کرے اور سمجھایا کرے تو قریب قریب فائدہ مذکورہ کے ان کو بھی حاصل ہو۔ اور ضرورت کے وقت پوچھتے رہنا یہ تو تمام عوام بلکہ خواص وعلماء کے لئے بھی مشترک الوجوب ہے۔ پھر ان طریقوں سے احکام پر مطلع ہو کر زبانی یا کتاب کے ذریعہ سے اپنے اپنے گھر کی مستورات کو پڑھاتے رہیں یا سناتے رہیں یا بتلاتے رہیں۔

دو شبہات کے جواب

اب اس مقام پر محبین دنیا کو دو شبہوں کی گنجائش ہے: ایک یہ کہ ایسی جماعت جو ضروراتِ دینیہ کے لئے کافی ہے ہر جگہ موجود ہے اور سلسلہ بھی اس کا جاری ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کو بھی اس میں مشغول کریں بلکہ مولوی لوگ دین کی ترقی کیا کریں اور ہم اپنی اولاد کو دنیا کی ترقی کے لئے تیار کریں۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اگر مولوی بنائیں تو پھر یہ لوگ کھائیں کہاں سے؟ اور یہی ہے ان صاحبوں

کی دوسری اور تیسری غلطی من جملہ ان غلطیوں کے جن کے صدور کا دعویٰ اس فصل کے شروع کے مقولہ منقولہ کے جواب میں کیا گیا ہے۔

چناں چہ جواب شبہ اول کا یہ ہے کہ خود یہ غیر مسلم ہے کہ ہر جگہ ایسی جماعت موجود ہے۔ ہندوستان کے علمی خطے چھوڑ کر آگے بڑھ کر جو حالت ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے تو دو قسم کے مسلمان ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں نظر آئیں گے۔ایک وہ شہر کے شہر انگریزی میں ایسے منہمک ہیں کہ پورے شہر میں کوئی حلال وحرام کا بتلانے والا موجود نہیں۔دوسرے وہ جن کو نہ انگریزی سے مَس ہے نہ علوم دین سے، بالخصوص صدہا دیہات ایسے ہیں جہاں نماز جنازہ کا پڑھانے والا کوئی نہیں، نکاح کا پڑھنا کوئی نہیں جانتا، ذبح کے شرائط کوئی نہیں جانتا، پڑھی ہوئی چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ان کے بزرگوں کے وقت سے بعضے خاندانوں سے تعلق پیری مریدی کا چلا آتا ہے جن کی اولاد میں اس وقت محض جاہل اور طماع اور مکار رہ گئے ہیں وہ فصل پر بھی اور خاص خاص مواقع پر بھی دورہ کرتے ہیں اور اپنی جیب بھر لے جاتے ہیں اور غلط سلط باتیں بتلا کر جن میں اپنی مصلحتوں کی سرتاسر رعایت ہے مصداق ضلوا فاضلوا (خود گم راہ ہوئے دوسروں کو گم راہ کیا) کے بنتے ہیں۔بعض جگہ ایسے جھوٹے رہنما بھی نہیں ہیں وہاں کے لوگ بالکل ہندوؤں کی رسموں کے معتقد بھی ہیں اور عامل بھی۔بعضی جگہ عمر بھر بھی کسی عالم کا گذر نہ ہوا ہوگا اور اگر کوئی جا پھنسا ہوگا تو جان سے تنگ آ گیا ہوگا۔تو اب اس کہنے کی کب گنجائش رہ گئی کہ ہر جگہ ایسی جماعت علماء کی موجود ہے۔

جماعت در کنار ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہوتا تو کیا مسلمانوں پر واجب نہیں کہ وہاں کے لئے ایک جماعت تیار کریں؟ پھر وہ جماعت بجز مولویوں کی جماعت کے اور کون ہو سکتی ہے۔غیر علماء اگر کبھی ہمت کر کے ایسے مقامات پر جاتے ہیں یا جاہل و بدعمل واعظوں کو بھیجتے ہیں تو تجربہ سے ان لوگوں کا ضرر نفع سے زیادہ ہوتا ہے۔جب مولویوں کا وجود ضروری ہوا تو اس کا اہتمام بھی واجب ہوا، تو پھر عام

مسلمان خصوصاً امرا کا طبقہ کس بھروسہ پر بے فکر بیٹھ سکتا ہے؟

بعضے اہتمام کو ضروری بھی سمجھتے ہیں اور مکتب و مدارس بھی قائم کرتے ہیں اور خیر خواہی اسلامی وقومی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کام کے لئے اپنی اولاد کو کبھی تجویز نہیں کرتے۔ اولاد کے لئے تو ڈپٹی کلکٹری و منصفی وسب ججی وبیرسٹری تجویز کی جاتی ہے اور مولویت کے لئے جس کو بزعم خود ایک ذلیل کام سمجھتے ہیں ذلیل لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جس کام کے لئے ذلیل لوگ منتخب کئے ہیں اس کام کی وقعت ان مجوزین کے قلب میں کیا ہوگی، کیوں کہ طبعی امر ہے کہ معزز کام کے لئے معزز لوگ تجویز کئے جاتے ہیں اور ذلیل کام کے لئے ذلیل لوگ منتخب ہوتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کا تجویز کرنا خود دلیل اس کی ہے کہ ان حضرات کے قلب میں خدمت دین ذلیل کام ہے۔

بس یہی ان کی بڑی شکایت ہے اور یہ علامت اس کی ہے کہ اس کو ضروری نہیں سمجھتے، اگر یہ کام ضروری ہے اور باوقعت ہے اور اس کا اہتمام کرنا قومی و اسلامی ہمدردی و خیر خواہی ہے تو اس شرف کے لئے اپنی اولاد کو کیوں تجویز نہیں فرمایا جاتا؟ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قدرتی بات ہے کہ جو کام معزز طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ عالم انظار میں معزز وضروری سمجھا جاتا ہے، تو امراء کے ذمہ بہ نسبت غربا کے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس خدمت کے لئے وقف کریں پھر اولاد میں بھی اس کو تجویز کریں جو ذہین وفطین وسلیم وفہیم ہو، نہ یہ کہ جو سب میں کودن (بے وقوف) ہو، صاحب اس کو مولوی بنائیں گے جیسا کہ واقع ہو رہا ہے۔

رہا دوسرا شبہ کہ ہم اپنی اولاد کو اگر مولوی بنائیں گے تو وہ کھائیں گے کہاں سے؟ اگر یہ شبہ ان حضرات کو ہے جو اپنی اولاد کو تعلیم میں بیس بیس بلکہ چالیس چالیس ہزار روپیہ صرف کرتے ہیں تب تو یہ جواب ہے کہ اسی روپیہ کی اگر جائیداد خرید کر اسی فرزند کے نام کر دیا جائے تو وہ قناعت اور راحت کے ساتھ اس کی آمدنی سے اپنی گزر کر لے گا، پھر یہ سوال ہی متوجہ نہ ہوگا۔ اور اگر یہ شبہ متوسط درجہ والوں یا غیر متمول لوگوں کو ہے

تو جواب ان کا قرآن مجید میں موجود ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ؁

(صدقات)...... اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ناواقف ان کو مال دار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے، تم ان لوگوں کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے، اور جو مال خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ (بقرہ:۲۷۳)

جس سے ایک قاعدہ مفہوم ہوتا ہے جس کو فقہاء نے سمجھ کر اس پر بہت فروع متفرع کئے ہیں۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی منفعت کے لئے محبوس ہوا اس کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہے۔ نفقہ زوجہ کا زوج پر، قضاۃ وولاۃ کا نفقہ بیت المال میں جس کا حاصل وجوب جمیع مسلمین پر ہے اسی قاعدہ پر متفرع ہے۔

پس جواب کی تقریر یہ ہوئی ہے کہ جب یہ جماعت خدمت دین کے لئے جو مدلول ہے ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ کا، محبوس اور وقف ہے جو مدلول ہے ﴿اُحْصِرُوْا﴾ کا، تو ان کے حوائج کی کفایت کی قدر جو مدلول ہے فقرا کا، ان کا حق مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے جو مدلول ہے لام استحقاق کا۔ تو جمہور مسلمین کو چاہئے کہ ان کے مصارف کی کفالت کریں خواہ تعیین کے ساتھ جیسے مدرسین وواعظین کی تنخواہ، خواہ بلاتعیین جیسے متوکلین کی خدمت۔ پس وہ شبہ منقطع ہو گیا اور اس آیت سے علاوہ فائدہ مذکورہ اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے جن کو اس بحث میں گو دخل نہیں مگر تعلق ہے اس لئے ذکر کئے دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ ایسی جماعت کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے۔ ﴿لایستطیعون ضربا فی الارض﴾ وہ لوگ (طلب معاش کے لئے)

کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادتاً امکان نہیں رکھتے۔ (بقرہ ۲۷۲)
اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا جو عوام الناس علماء پر دنیوی معاش میں اپاہج ہونے کا الزام دیتے ہیں، اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے، خصوصاً جب کہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو بالید یا باللسان یا بالقلب۔ اور خدمت دین ایسا ہی کام ہے اور تدریس علوم دینیہ یہ ذرائع معاش میں داخل نہیں بلکہ وہ تنخواہ بوجہ خدمت دین میں محبوس ہونے کے ہے، مگر تعیین کے ساتھ ہے اور تعیین مصلحت قطع نزاع کے لئے ہے۔
ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کسی دنیادار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہئے بلکہ اغنیاء کی طرح مستغنی رہیں ﴿یحسبھم الجاھل اغنیآء من التعفف﴾ ناواقف ان کو ان کے سوال سے بچنے کے سبب مال دار خیال کرتے ہیں۔ (حوالہ بالا)
اس پر دال ہے۔ ایک یہ کہ اموال کا سوال کسی سے نہ کرے۔ یدل علیہ ﴿لایسئلون الناس الحافًا﴾ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ (حوالہ)
چندہ کی ترغیب اس میں داخل نہیں، وہ دعا الی الخیر ہے۔ اس میں اور سوال میں یہ آیت فرق بتلا رہی ہے: ﴿لایسئلکم اموالکم﴾ الی قولہ ﴿ھٰانتم ھٰؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ﴾ وہ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے۔ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں سب خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں الخ۔ (محمد: ۳۶۔۳۸)
ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں مگر دوسروں کو چاہئے کہ اس کی تجسس رکھیں اور فراست و قرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کریں یدل علیہ قولہ تعالیٰ:

﴿تعرفهم بسیمٰهم﴾ تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو۔ (حوالہ بالا)
ایک یہ کہ ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں کیوں کہ وہ اپنے نفع کے لئے ہے یدل علیہ قولہ تعالیٰ: ﴿وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم﴾ جو مال خرچ کرو گے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔ (حوالہ بالا)

تیسری فصل

کیا مولوی بننے سے پست خیالی اور کم ہمتی پیدا ہوتی ہے؟

بعض دنیا داروں کا یہ اعتراض ہے کہ مولوی ہو کر پست خیالی اور کم ہمتی اور ذلت پسندی اور تنگ چشمی و دناءت اور قوتِ انتظامیہ کی کمی وغیرہ صفاتِ رذیلہ پیدا ہو جاتی ہیں، چناں چہ طلبۂ عربی کے حالات دیکھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

اس لئے ان صاحبوں کو علومِ دینیہ سے بددلی و بے رغبتی ہوگئی اور اپنی اولاد کے لئے ان رذائل کے اندیشہ سے مولویت کو پسند نہیں کیا۔ یہ ہے حاصل ان صاحبوں کے حال اور خیال کا درباب علم دین وعلمائے دین کے۔ مگر ان صاحبوں نے ان احکام میں حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا بالکل سطح نظر سے نہایت عجلت کے ساتھ بلا ثبوت فیصلہ کر دیا، جس کی بنا پر خود ان صاحبوں پر اگر ناواقفی و بے تحقیقی و توہم پرستی وظاہر بینی وکوتاہ نظری کا الزام لگایا جائے تو بالکل صحیح ہے۔

اب میں حقیقتِ واقعیہ عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ان الفاظ کے (جن کو صفاتِ رذیلہ کا معبر ٹھہرایا ہے) اول صحیح مفہومات کی تعیین ضروری ہے تاکہ اس کا فیصلہ ہو تا کہ آیا ان حضرات معترضین نے انہیں مفہومات میں ان کا استعمال کر کے اہل علم میں ان کا تحقق تحقیق کر لیا ہے، یا ان مفہومات صحیحہ کو چھوڑ کر دوسرے معنی اپنی اصطلاح میں ٹھہرائے ہیں۔ سو جہاں تک ان حضرات معترضین کے اقوال وافعال میں غور کرنے سے سمجھ میں آیا ہے، یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں مال کی ترقی نہ کرنے

کو پست خیالی اور ترقی کی فکر و تدبیر نہ کرنے کو جو کہ قناعت ہے کم ہمتی اور اخلاق میں جاہ و کبر کی تحصیل نہ کرنے کو اور وضع میں سادگی اختیار کرنے کو ذلت پسندی اور اپنے پرائے کے حقوق کے امتیاز کو تنگ چشمی اور اسراف نہ کرنے کو دناءت اور دنیوی فضولیات میں انہماک اور دلچسپی نہ ہونے کے سبب اپنے بعض مصالح میں فروگذاشتوں کو فقدانِ قوت انتظامیہ نام رکھ لیا ہے، اور اکثر اہل علم میں ان امور کو دیکھ کر ان کی طرف صفات رذیلہ کو منسوب کیا ہے۔

سو واقعی ان امور کا اکثر اہل علم میں ہونا مسلم۔ مگر کیا یہ امور واقعی رذائل ہیں یا خلاف ان کے زعم کے فضائل ہیں؟ تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو قرآن و حدیث اس کے فیصلے کے لئے کافی ہے۔ آیت کریمہ:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِo قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌم بِالْعِبَادِo

خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، سونے اور چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی۔ یہ سب دنیوی زندگی کی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو ان چیزوں سے بہتر ہو، ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، ان کے مالک کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آل عمران:۱۴، ۱۵)

اور آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔ (کہف:۱۰۴)

اور آیت کریمہ ﴿ان اللہ لا یحب کل مختال فخور﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ (لقمان:۱۸)

اور آیت کریمہ: ﴿وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجھلون قالوا سلٰماo﴾ (فرقان:۶۳)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔

اور﴿ لاتاکلوآ اموالکم بینکم بالباطل﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ۔ (بقرہ:۱۸۸)

اور﴿ان المبذرین کانوا اخوان الشیطٰن﴾

بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ (بنی اسرائیل:۲۷)

اور حدیث: المؤمن غر کریم والمنافق خب لئیمٌ"

مومن بھولا بھالا شریف ہوتا ہے اور منافق دھوکہ باز مکار ہوتا ہے۔

وغیر ذٰلک من الأیات والروایات کو غور کر لیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ صفاتِ مذکورہ جو اہل علم میں پائے جاتے ہیں آیا رذائل ہیں یا فضائل، اور معترضین نے ان کا نام رذائل قرار دے کر ان کے مقابل میں جو فضائل ٹھہرائے ہیں نصوص میں ان پر وعیدیں وارد ہیں اور شریعت میں ان کے یہ نام ہیں:

حرص وطولِ امل، کبر، عجب، اتلافِ حقوق، اسراف وتبذیر، حب الدنیا غفلت عن الآخرۃ۔ تو اب شریعت کے فیصلے کو مانیں یا ان مخترعین کے۔

اور اگر کوئی صاحب اسلامی فیصلہ پر راضی نہ ہوں تو حکمت واخلاق کی کتابوں کو دیکھ لیجئے کہ جن مفہومات کے مقابلے میں وہ الفاظ قبیحہ موضوع کئے ہیں آیا ان کو

اخلاق حمیدہ میں ذکر کیا گیا ہے یا اخلاق ذمیمہ میں۔ اور اگر کتب اخلاق بھی حجت نہیں بلکہ خود یہ اپنے قول ہی کو حجت سمجھتے ہیں تو ہم کو بھی مقابلے میں یہ کہنے کا حق ہے کہ نہیں ہمارا ہی قول حجت ہے، خاص کر جب کہ مؤید بارشاداتِ انبیاء وحکما بھی ہو۔

اب ان صفات کو سنئے جو علوم دین نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور اس حالت میں اور زیادہ پیدا ہوتی ہیں جب علم دین نہ ہونے کے ساتھ دوسرے علوم باطلہ یا صحبت اہل باطل نے بھی اثر کیا ہو۔ ان کے یہ عنوانات ہیں: قارونیت، فرعونیت، ظلم، حمق، خربرہ جن کا حاصل بلفظ دیگر حرص وطول امل وغیرہ ہے جن پر وعیدیں وارد ہیں۔ تو اگر علمائے دین کو پست خیال ذلیل وغیرہ کہا جائے گا تو اس سے زیادہ ضروری ہے کہ ان کے مقابل دوسری جماعت کو قارون، فرعون کہا جائے۔

اور اگر ان الفاظ کے صحیح معنی لئے جائیں یعنی پست خیالی یہ کہ فقط اپنی تن پروری وشکم پروری سے مطلب ہو اور دوسروں کو نفع پہنچانے کا خیال نہ ہو، اور کم ہمتی یہ کہ مشقت سے گھبراوے اور آرام کی فکر میں رہے اگرچہ حقوق ضروریہ تلف ہونے لگیں، اور ذلت یہ کہ مال کو آبرو پر مقدم رکھے اور اس کی تحصیل میں غیرت اور حیا کو طاق میں رکھ دے، اور تنگ چشمی یہ کہ ذرا ذرا چیز میں بخل کرے اور شریعت اور مروت کو چھوڑ دے، تعلقات واجبۃ الحفظ کی کچھ پرواہ نہ کرے، اور دناءت وہی جو حاصل ہے ذلت وتنگ چشمی کا، اور فقدان قوت انتظامیہ یہ کہ اوقات کا پابند نہ ہو جن ضوابط وآداب معاشرت کے ساتھ دوسرے کی مصالح وابستہ ہوں ان میں اختلاف کرے جس سے دوسرے کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں۔ سو اگر یہ مراد ہے تو بلاشبہ یہ اخلاق رذیلہ ہیں، اور یہ بھی مسلم ہے کہ بعض محصلین علم میں یہ اخلاق رذیلہ پائے جاتے ہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ علم دین کا خدانخواستہ اثر ہے یا کسی اور چیز کا ہے۔ سو اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اخلاق رذیلہ سب اہل علم میں ہیں یا بعض میں ہیں بعض میں نہیں۔ شق اول تو بالمشاہدہ غلط

ہے،صرف دوسری شق متعین ہے۔تو اتنا تو ثابت ہوا کہ یہ علم دین کا اثر نہیں ہے ورنہ سب میں ہوتا، تو ضرور کسی دوسری چیز کا اثر ہے سو وہ دوسری چیز میری تحقیق میں خاندان اور صحبت کی کمی ہے۔یعنی بعضے لوگ خاندانی حیثیت سے پست خیال ودنی ہوتے ہیں اور اخلاق میں خاندان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔بعض اوقات یہ لوگ اپنے شوق سے یا اسباب اتفاقیہ سے یا بعضے کھانا کپڑا چلنے کی غرض سے علم دین میں مشغول ہوجاتے ہیں اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ محض تعلیم تبدیل اخلاق کے لئے کافی نہیں تاوقتیکہ یا وہ فطری ہو یا اس کے لئے خاص تدابیر اختیار کی جائیں۔جن تدبیروں کو حضرات اہل طریقت نے مدون فرمایا ہے،اور جن کا نفاذ حضرات مشائخ کی صحبت میں ہوتا ہے(اور یہی راز ہے بیعت وخدمت مشائخ کا) تو یہ شخص فطری طور پر خاندانی اثر سے خسیس ودنی ہے۔اور صحبت کا اتفاق ابھی ہوا نہیں اور نری تعلیم اس کے لئے کافی نہیں تو اب لامحالہ اس شخص میں یہ رذائل موجود ہوں گے اور وقتاً فوقتاً اس کے افعال میں ان اخلاق رذیلہ کے آثار ظاہر ہوں گے۔اب دیکھنے والے ان کو دیکھ کر تمام اہل علم کو ان پر قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگاتے ہیں۔ان کے مقابل ان اہل علم کو کیوں نہیں دیکھتے جو خاندان سے عالی ہیں یا فطرۃً سلیم ہیں یا صحبت نے ان کو درست کر دیا ہے،ان کو دیکھیں تو معلوم ہوجائے کہ ان رذائل کے اسباب دوسرے ہیں۔

اور افسوس ہے کہ اس وقت چوں کہ عالی خاندان لوگوں نے سرتاپا انگریزی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور عربی کثرت سے ایسے ہی لوگ پڑھنے لگے جو خاندان سے دنی دیہات میں رہنے کے سبب صحبت وتہذیب سے عاری اور اسباب تبدیل ابھی مجتمع نہیں ہوئے،تو لامحالہ بہت سے لوگ ایسے ہی نظر آویں گے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم دین نے کسی قدر ان کو مہذب بنادیا ہے۔اگر علم دین بھی نہ ہوتا تو اور زیادہ بے تہذیب ہوتے،جیسا کہ ان لوگوں میں بے علموں کو دیکھا جاتا ہے تو علم دین نے پھر بھی کچھ نہ کچھ تہذیب ہی کی ہے۔پس علم دین کا اثر بے تہذیبی ہونا کیسے صحیح ہوسکتا

ہے۔اور اگر ایسی طبیعت کے لوگ انگریزی پڑھتے تو ان سے بھی زیادہ رذائل ان میں پائے جاتے کیوں کہ علوم دینیہ میں تعلیم تو ہے تہذیب کی، وہاں تو یہ بھی نہیں۔

اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس الزام کا زیادہ مورد معزز اصحاب کا طبقہ ہے، ان کے اعراض کے سبب دوسرے خاندان کے لوگ اہل علم میں زیادہ پائے گئے، ان کو دیکھ کر بقاعدۂ للاکثر حکم الکل سب پر یہ گمان ہوا اگر یہ خاندانی لوگ علوم دینیہ کی طرف توجہ کرتے اور اپنی اولاد کو اس میں کامل بناتے تو کثرت سے علما ان میں پائے جاتے اور بوجہ علو خاندان کے ان میں فضائل طبیعیہ زیادہ ہوتے اور رذائل مذکورہ مفقود ہوتے۔تو جب اکثر علما ایسے نظر آتے تو للاکثر حکم الکل کے قاعدہ سے علماء کو جامع فضائل اخلاقیہ سمجھا جاتا اور علم دین پر اس اثر کا گمان نہ ہوتا۔چناں چہ جو علماء خاندانی ہیں پھر خصوص اگر ان کو اہل طریق کی صحبت میسر ہو گئی ان میں سے تو کسی کو پست خیال، کم ہمت، تنگ چشم دکھلایئے گو کپڑے اور سامان ان کے پاس امیرانہ نہ ہوں مگر اس میں بھی شان ان کی یہ ہے:

بہیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم شہان بے کمر و خسروان بے کلہند
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں کہ ناز برفلک و حکم برستارہ کنم
موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمین است بنیاد توحید و بس

بلکہ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علم دین کے فضائل اخلاقیہ وسیر چشمی و بلند نظری و عالی دماغی تہذیب و اعتدال افعال و انتظام اقوال میسر ہونا ممکن نہیں۔چناں چہ بے علم امرا میں ان اخلاق کا کہیں نام بھی نہیں ہوتا، لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے اور وہ تحسین کرتے رہتے ہیں اس لئے ان عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے۔بقول مولانا:

خواجہ را مال است و مالش عیب پوش

لیکن محققین کی نظر میں وہ پردہ ساتر نہیں۔وہ اس حالت میں بھی ان کو قابل قدر

نہیں سمجھتے، بلکہ بعض اخلاق تو ایسے مذموم ہوتے ہیں کہ عوام بھی نفرت کرتے ہیں مگر ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتے، اور بعض اوقات پیچھے کہتے بھی ہیں۔ اور جس روز یہ پردہ اُٹھ جائے گا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فکشفنا عنک غطآء کَ﴾

سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا۔ (ق:۲۲)

اس روز سب حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿یوم تبلی السرآئر﴾ جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی۔ (طارق:۹)

وقیل: فسوف ترٰی اذا انکشف الغبارُ
افرسٌ تحت رجلک ام حمارُ

عن قریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ تیرے پاؤں کے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا۔........ پس بفضلہٖ تعالیٰ اس شبہ کا کہ علم دین سے بعض اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں بالکلیہ قلع وقمع ہو گیا۔

باب اوّل کی تیسری فصل کے بعض اجزا کی ضروری توضیح اور تفریع

صفات دینیہ مذکورہ فصلِ بالا میں سے بعض کا جو شبہ اہل علم میں ہو جاتا ہے منشائے اشتباہ ان کا بعض واقعات جزئیہ ہیں جن کے عمق تک نظر نہ کرنے سے معترضین کو غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً بعض طلبا وعلماء کو دیکھا جاتا ہے کہ لکھے ہوئے لفافے دوسری طرف سے الٹ کر گوند سے جوڑ کر کام میں لے آتے ہیں۔ لوگ ان کو دناءت وخست سمجھتے ہیں، حالانکہ غور کر کے دیکھا جائے تو حقیقت اس کی مال کو اضاعت سے بچانا ہے گو اس درجہ تک کی حفاظت واجب نہ ہو، لیکن محمود اور اولیٰ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ متمدن اقوام کی عموماً ان پر مدح کی جاتی ہے کہ کوئی چیز بے کار نہیں چھوڑتے، ہر چیز سے گو وہ کیسی ہی ناکارہ نظر آئے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ چیتھڑے سے گودڑوں کا کاغذ بنتے ہوئے خود احقر نے دیکھا ہے۔ تعجب ہے کہ اس پر تو مدح ہو اور اس کی نظیر پر خردہ گیری کی جاوے نہایت ہی انصاف سے بعید ہے۔

اور مثلاً بعض اہل علم جب اپنے نام کے آئے ہوئے خطوط میں ایک سادہ کاغذ پڑھا ہوا دیکھتے ہیں۔ جس کا آج کل عام رواج ہو گیا ہے تو وہ اس کو جدا کر کے رکھ لیتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں۔ اس میں بھی اعتراض کی، اور جواب کی تقریر مثل مثال اول کی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ اوپر کا فعل واجب نہ تھا اور یہ واجب ہے، کیوں کہ اوپر کی صورت میں لفافہ سے انتفاع تو ہو چکا ہے تو مکرر انتفاع کا اہتمام نہ ہونا اضاعت منہی عنہا نہیں ہے۔ اور یہاں اس کوتل کاغذ سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا گیا تو اس سے کام نہ لینا بالکلیہ اضاعتِ مال ہے جس سے نہی آئی ہے:

نھی رسول اللہ ﷺ عن قیل وقال وکثرة السوال واضاعة المال (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل وقال (فضول بحثوں سے) اور زیادہ سوالات کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

اور اس کے مقابلے میں ان کوتل کاغذ لگانے والوں کو بلا شک وشبہ مسرف ومبذر کا لقب دیا جاوے گا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ چھدام کے کاغذ میں کیا اسراف ہوگا۔ اہل قانون خوب جانتے ہیں کہ جب غبن جرم ہے تو ہزار روپے کا غبن جیسا جرم ہے ویسا ہی ایک پائی کا غبن بھی جرم ہے، اور اس کا مرتکب بھی اسی طرح مستحق سزائے فوج داری کا ہوتا ہے جیسا کہ زیادہ غبن کا مرتکب۔ پھر کیا وجہ کہ قانونِ شرعی میں چھدام کے کاغذ کے برباد کرنے کو جرم اسراف میں داخل کرنے پر تعجب کیا جائے۔

تنبیہ: بعض مدارسِ اسلامیہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا ہے احتیاط واجب ہے۔ فقط

مال خرچ کرنے میں احتیاط بخل نہیں ہے

اور مثلاً بعض اہل علم پیسہ پیسہ کو سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں، ہر چیز کم خرچ کرتے ہیں بے دریغ خرچ نہیں کرتے اور اس سے بخیل مشہور کر دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بطور لطیفہ کے مشہور ہے کہ مولوی لوگ تو پہلے ہی ''صرف ونحو'' پڑھ لیتے ہیں، یہ نہ ہو خرابی ہے نحو کی۔ مگر اس کو بخل سمجھنے والوں کی حالت یقیناً مصداق ہے اس مصرعہ کی:

حَفِظْتَ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ أَشْيَاءُ

ایک چیز یاد کرلی اور بہت سی چیزیں کھو دیں۔

یعنی ان کا ایک نوع کا واقعہ تو دیکھا کہ وہ کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اور تین نوع کے واقعے اس سے زیادہ مہتم بالشان نہ دیکھے۔ ایک یہ کہ جہاں اپنے پیسہ پیسہ کی حفاظت کرتے ہیں وہاں دوسرے کی ایک ایک کوڑی کا پاس کرتے ہیں۔ یعنی ایک کوڑی کسی کی اپنے پاس رہ جانا گوارا نہیں کرتے۔ ایک ایک پیسہ کے لقطہ کے مالک کو سخت اہتمام سے تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ اتفاق سے کبھی مدرسہ میں بیٹھ کر کوئی اپنا خط لکھ لیتے حالاں کہ متولی وقیم کے لئے ایسے انتفاعات میں تنگی نہیں مگر وہ اس کو بھی گوارا نہ فرماتے اور خط لکھنے کے بعد ایک پیسہ مدرسہ میں داخل فرما دیتے کہ مدرسہ کی روشنائی خرچ ہوئی ہے۔ ہم نے بعض کو دیکھا ہے کہ انہوں نے خط کا یا اس سے بھی کم تعویذ کا کاغذ مانگا اور کسی نے حاضر کیا اور معلوم ہوگیا کہ کسی نابالغ بچے کی ملک ہے تو ہرگز نہیں لیا واپس کر دیا۔ تو ان کو پیسہ سے محبت ہوتی تو ایسے انتفاعات سے کیوں احتیاط کرتے، حب مال کے لئے تو حرص وطمع لازم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخل اور حب مال اس کا سبب نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر کرتے ہیں اور حقیقت حقوق کی سمجھتے ہیں اور حدود شرعیہ وعقلیہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جہاں ایک ایک پیسہ سوچ کر دیتے ہیں وہاں جس جگہ خرچ کرنا شرعاً یا عقلاً ضروری ہو وہاں ہزاروں روپے کو ایک خس کے برابر نہیں سمجھتے اور سب سے زیادہ تقاضا خرچ کا ان کے قلوب میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف میں تردد وتوقف کا سبب بخل نہیں، ورنہ جو شخص ایک پیسہ میں بخیل ہوگا وہ ہزاروں روپے میں کیسے سخی ہو جائے گا بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ علم وعقل اس کے کامل ہو جاتے ہیں۔ اور ان دونوں کا مقتضا یہ ہے کہ جب تک کسی فعل کی غایت سمجھ میں نہ آئے اس فعل کو نہ کرے۔ پس اسی لئے صرف کرنے کی

غایت کو بھی وہ سمجھا جاتا ہے، جب تک سمجھ میں نہیں آتی خرچ سے رکتا ہے اور جب سمجھ میں آجاتی ہے سب سے زیادہ خرچ کرنے والا یہی ہوتا ہے۔

رہا یہ کہ بے علم اور دنیادار بھی تو کچھ غایت سمجھ ہی لیتے ہیں کیوں کہ بدون اس کے تو صدور فعل اختیاری کا محال ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غایت ایسی دقیق نہیں جس میں تأمل سے کام لیا جائے، پھر اہل علم صرف سے کیوں رکتے ہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا کے نزدیک جو غایت ہے وہ ان صاحبوں کے نزدیک غایت ہی نہیں یعنی نام ونمود وشہرت وتفاخر وغیرہ، بلکہ غایت وہ ہے جس کے لئے مال موضوع ہے عقلاً وشرعاً،سو وہ بعض بعض مواقع پر دقیق وغامض ہوتی ہے کہ اس میں تأمل سے کام لیا جاتا ہے۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ جہاں صرف میں کمی کرتے ہیں تحصیل میں بھی کمی کرتے ہیں، اور یہ نہیں کہ ان کو زیادہ ملتا ہی نہیں۔ ہمارے چشم دید واقعات ہیں ان کو بہت بہت ملتا ہے اور وہ عذراً انکار کردیتے ہیں کہ ہمارے پاس کافی ہے زیادہ کیا کریں گے۔نیز اگر اتفاق سے ان کے پاس زیادہ سامان ہوجاتا ہے وہ اس سے متوحش ہوکر اپنے پاس سے جدا کردیتے ہیں۔ کسی جگہ تھوڑی سی تنخواہ ملتی ہے اور دوسری جگہ سے زیادہ پر بلائے جاتے ہیں مگر نہیں جاتے کہ زیادہ کیا کرنا ہے،تو کیا یہ بخل کے آثار ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ عاقل ہیں، ہر شے میں ضرورت پر نظر ہے، آمدنی میں بھی خرچ میں بھی۔

صرف عربی زبان جاننے کا نام مولوی نہیں ہے

اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اخیر کا واقعہ تو ظاہری مولویوں میں نہیں دیکھا جاتا صرف درویشوں کے ساتھ خاص ہے۔سو اول تو پہلے دو واقعے ہی جواب کے لئے کافی ہیں تیسرا نہ سہی۔ دوسرے مولویوں سے مراد عالم باعمل ہے آپ اس کا نام درویش رکھ لیجئے، جو ایسا نہ ہو وہ ہمارے نزدیک مولویوں میں داخل نہیں صرف لفاظ ہے۔ہم صرف عربی زبان جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔مصر اور بیروت میں بہت سے عیسائی اور یہودی عربی دان ہیں تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہیں گے؟اور یہاں

ہی سے جواب ہو گیا ایک دوسرے شبہ کا بھی کہ بعضے مولوی اول کے دو واقعے سے بھی معرا ہوتے ہیں، پرائے مال میں ذرا احتیاط نہیں کرتے، دوسرے کے حقوق کو ٹالتے ہیں، کسی کی کتاب لے کر نہیں دیتے یا بے پروائی سے ضائع کر دیتے ہیں۔ سو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ یہ سب اقتضائے علم کے خلاف ہے ایسا شخص ہمارے نزدیک علماء میں داخل نہیں۔ پھر یہ کہ جس شخص میں یہ بے احتیاطیاں ہوتی ہیں اکثر ان کو حقوق کے درپے بھی نہیں دیکھا وہ ان میں بھی لاابالی ہوتے ہیں، ان پر بخل کا شبہ ہی نہیں واقع ہوتا۔ جو جواب دیا جائے گو اس سے بڑھ کر اس میں عیب ہو یعنی **عدم مبالاۃ فی الحق الواجب** (حق واجب میں لاپروائی) مگر اس وقت کلام شبہ بخل میں ہے۔

باریک لکھنے پر اعتراض کا جواب

اسی شبہ بخل کی ایک فرع ہے بعضے مولویوں کا بہت باریک قلم سے کارڈ پر بہت سی عبارت لکھ دینا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا واقعہ اس کے جواب کے لئے کافی ہے وہ یہ کہ جس جگہ مخالفتِ قانون کے سبب شریعت اجازت نہیں دیتی وہاں ایک حرف لکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مثلاً ایک طالب علم کا ارادہ کسی دوست کو اپنی خیریت کا ایک کارڈ لکھنے کا تھا جو اس کے پاس سے ابھی دوسرے شہر چلا گیا تھا۔ اتنے میں ڈاکیا آیا اور اس نے اسی دوست کے نام کا ایک کارڈ جو اس طالب علم کی معرفت تھا اس کو دیا اور اس کے موجود نہ ہونے کی اطلاع پر ڈاکیے نے درخواست کی کہ آپ اس کا پتہ بدل کر ڈاک میں چھوڑ دیجئے۔ اب میدان خالی ہے اور یہ طالب علم قادر ہے کہ اسی کارڈ کے بین السطور میں اپنی خیریت لکھ دے اور ڈاک میں چھوڑ آئے اور اس طرح سے اس کا کارڈ بچ جائے، لیکن چوں کہ قانون سے یہ ممنوع ہے اور ان مسائل میں قانون کے خلاف کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے یہ شخص کبھی ایسا نہیں کرے گا۔

اسی طرح بہت دفعہ خود میرے پاس ایسے خطوط آجاتے ہیں جن کا ٹکٹ ڈاک خانہ کی مہر سے صاف بچ جاتا ہے۔ میں اس خط کے پڑھنے سے بھی پہلے یہ کام کرتا ہوں

کہ اس ٹکٹ کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں۔ حالانکہ اگر کوئی شخص اس کا استعمال کرے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلے مگر تدین اس کی اجازت نہیں دیتا اس لئے ایسا نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح سب اہل علم اس تدین پر عمل کرتے ہیں۔

ان واقعات سے ہر عاقل اندازہ کرسکتا ہے کہ کارڈ پر باریک قلم سے لکھنے کا سبب بخل نہیں ہے ورنہ دوسرے مواقع پر آثار اس بخل کے کیوں نہیں ظاہر ہوتے، بلکہ منشا اس کا بلاضرورت زیادہ صرف نہ کرنا ہے جو عین مقتضائے دانش مندی ہے، البتہ اس کے امثال میں اتنا غلو کرنا کہ نگاہ پر زور پڑے یا وقت زیادہ صرف ہو جس میں دوسرا ضروری اور مفید کام کرسکتا تھا یہ بے شک مذموم ہے کہ دھیلا (آدھا پیسہ) کا تو فائدہ کیا اور نگاہ اور وقت کا کہ لاکھوں روپے کی چیزیں ہیں نقصان کیا۔

تواضع کو تذلل سمجھنا غلط ہے

اور مثلاً اکثر وضع ولباس اہل علم کا سادہ اور کبھی اپنے گھر کا دھلا ہوا اور کبھی پیوند وغیرہ لگا ہوا کبھی بند یا بٹن کھلا ہوا دیکھا جاتا ہے، اس سے ان پر تذلل کا شبہ کیا جاتا ہے، لیکن اس شبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تذلل کی حقیقت ہی یہ حضرات نہیں سمجھے جو تواضع کو تذلل سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عزت کا مدار استغنا اور تذلل کا مدار اظہارِ احتیاج ہے، لباس ووضع کو اس میں اصلاً دخل نہیں۔ اگر کپڑے پرانے ہوں مگر ہفت اقلیم سلطان کا بھی دست نگر نہیں وہ معزز ہے۔ اور اگر لباس ووضع نوابوں کا سا ہے، ہزار روپے تنخواہ ہے، ہزار روپیہ جائیداد کی آمدنی ہے، سامان امیرانہ بھرا ہے۔

مگر نظر اس پر ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ مل جائے، فلاں معاملہ میں کچھ ہاتھ آجائے جو کہ رشوت ہے وہ شخص بالکل ذلیل ہے۔ پس اہل علم کی یہ وضع کبھی تو محض تواضع کے سبب ہے کہ اپنے کو بڑا آدمی نہیں سمجھتے اور یہی بڑائی کی علامت ہے اور کبھی غایت مشغولی مہمات وامور عظام میں اس کا سبب ہوتا ہے۔ چناں چہ مشاہدہ اور امر طبعی ہے کہ جو شخص کسی مہتم بالشان اور جلیل القدر کام میں منہمک ومستغرق ہوگا اس کو

صاحبو! یہ شخص قومی انجمن کا ڈرائیور ہے۔ ڈرائیور کو غسل اور صابن ملنے کی اور کوئلوں کے جھاڑنے کی فرصت کہاں، اگر فرسٹ وسیکنڈ کلاس کے متنعم اس پر اعتراض کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم ولایت اسی کی بدولت پہنچے ہیں اور وہاں سے ڈگریاں حاصل کر کے فرسٹ وسیکنڈ کا سفر کر رہے ہیں تو نادانی نہیں ہے تو کیا ہے؟ مگر یہ ڈرائیور نہایت متانت سے ان کے سب اعتراضوں کے جواب میں اتنا کہہ دیتا ہے:

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

اور جتنی کم ہمتی ہے اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اپنا اصلی کام ان کو اس قدر تھکا دیتا ہے کہ پھر آرام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یہ حالت انگریزی طالب علموں کو بھی پیش آتی ہے، مگر وہ اکثر خوش حال ہوتے ہیں۔ ان کے نوکر چاکر ایسے کام کر لیتے ہیں اس لئے وہ عالی ہمت نظر آتے ہیں۔

طلبہ کے کپڑوں پر شبہ کا جواب

اور طالب علموں کو سر دھوئے یا غسل کئے ہوئے بہت بہت زمانہ گزر جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں صفائی نہیں رہتی۔ اس کے متعلق بھی بحث اور تحقیق مثل اوپر کے ہے۔ اور تعیین منشائے مذکور کا مؤید ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے بکثرت دیکھا ہے کہ جو طلبہ مسکن اور ملبس کی تزئین میں زیادہ رہتے ہیں وہ کمال سے محروم رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ منشا اس کا انہماک فی المقصود تھا، جب توجہ تزئین کی طرف ہوئی تو مقصود میں مشغولی نہ ہوگی اس کے لئے حرمان لازم ہے، البتہ نظافت کا بالکل اہمال خود خلافِ شرع ہے اس لئے اس کا انتظام بقدرِ ضرورت ضروری ہے۔ اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ منتظم مدرسہ خواہ بذریعۂ ملازم یا خود طلبا کو تصریحاً حکم دے کر اپنی نگرانی میں ہفتہ وار ضروری صفائی کرا دیا کرے۔

طلبہ کا بے ڈھنگا پن

اور مثلاً اہل علم کے افعال منضبط کم ہوتے ہیں۔ چناں چہ طالب علموں کا بے ڈھنگا

پن تمام انتظامی امور میں دیکھا جاتا ہے۔ اس اعتراض میں بھی کچھ واقعیت ضرور ہے، مگر واقعیت کے ساتھ غلو بھی ہے۔ اس کی تحقیق منشا کی اور اس کا انسداد مثل بالا کے ہے اور ایک سبب ان اخیر کی مذکورہ کوتاہیوں کا یہ بھی ہے کہ بکثرت طالب علم خاندان سے گرے ہوئے ہیں اور سلیقہ کی کمی ان میں عام ہے، پھر جو خاندانی ان میں مل جاتا ہے بحکم الغلبۃ للاکثر وہ بھی ان کا ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ پس ذمہ داران کوتاہیوں کا علم دین نہیں ہے بلکہ خاندان اور صحبت کی کمی ہے۔

چوتھی فصل

کیا مولوی بدتہذیب ہوتے ہیں؟

تیسری فصل میں دنیاداروں کے وہ شبہات تھے جو ایسے اخلاق کے متعلق ہیں جن کا دوسرے سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ ان کے بعضے شبہات وہ ہیں جو ایسے اخلاق کے متعلق ہیں جن کا دوسروں سے تعلق ہے اس فصل میں ان کا بیان ہے۔ پس اہل علم کی نسبت بعض کا یہ اعتراض ہے کہ اکثر اہل علم کو دیکھا جاتا ہے کہ سوال کے وقت غصہ کرتے ہیں جس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں: یا تو جواب نہیں آتا، یا تعصب کا غلبہ ان کو جوش میں لاتا ہے۔ چناں چہ اس کے بعض اور بھی آثار پائے جاتے ہیں، مثلاً اپنی بات پر اصرار کرنا دوسرے کی بات کو سمجھنے کا قصد نہ کرنا۔ اور یہ اعتراض ہے کہ ان میں تہذیب کم ہوتی ہے جس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے، حیا کم ہوتی ہے۔ اور یہ اعتراض کہ ان میں باہم حسد اور نفسانیت ہوتی ہے جس سے دوسروں کو تنگی ہوتی ہے کہ ایک کے پاس جاویں تو دوسرے کی شان میں گستاخی کریں یا سنیں، دوسرے کے پاس جا کر پہلے کے لئے یہی معاملہ کریں۔ اور یہ اعتراض کہ ان میں جواب خطوط کی پابندی نہیں ہوتی ہے، دوسرے کو تکلیف انتظار کی ہوتی ہے۔ اس کا الزامی جواب تو یہ

ہے کہ یہ شبہ عربی خوانوں کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے، انگریزی کے فاضلوں میں یہ اخلاق بدرجہا زائد مقدار میں پائے جاتے ہیں، ذرا خلاف بات ہو جائے غصہ سے بے خود ہو جاتے ہیں، سخن پروری بوجہ کبر کے بہت کچھ کرتے ہیں، تہذیب کی کمی تو ایسا امر مشاہد ہے جس میں بیان ہی کی حاجت نہیں جس کی طرف چاہا پشت کرلی جس کی طرف چاہا پاؤں مع جوتوں کے پھیلا دیا، بزرگوں کا ذرا ادب نہیں کیا جاتا، ماں باپ کے ساتھ مساوات بلکہ تحقیر کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس سے زیادہ کیا بے حیائی ہوگی حسد اور نفسانیت بلکہ تو تو میں میں ایک عہدۂ جلیلہ کے طالبوں میں گو اس پر تنخواہ بھی نہ ملے قابل دیکھنے کے ہے۔ جس شخص کو قابل خطاب نہیں سمجھتے اس کا خط بے پڑھے ہی اگر چہ اس میں ٹکٹ بھی ہو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر اس میں عربی کی کیا تخصیص ہے؟ بس اتنا فرق ہے کہ اگر اہل علم میں ان اخلاق کا کوئی اثر ہے اکثر منشا اس کا دین ہے اور اہل ترقی میں جتنا کچھ اثر ہے منشا اس کا دنیا ہے۔ مثلاً مولویوں کو دین کی بات پر غصہ آئے گا اور ان حضرات کو دنیا کی بات پر آئے گا۔ چوں کہ دین کی خود وقعت ہی ان کے قلب میں نہیں اس کے لئے ان کو جوش بھی نہیں آتا۔ اس سے اپنے کو حلیم اور مولویوں کو تند خو قرار دیا ہے۔ وعلیٰ ہذا اور امور اعتراضیہ میں بھی۔ یہ تو جواب الزامی تھا۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بالکل غلط ہے کہ علماء کو نفس سوال پر غصہ آتا ہے۔ جو شخص ان کی صحبت طویلہ اختیار کرے اس کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات سوال میں کتنا غصہ کرتے ہیں۔ غصہ اگر آتا ہے تو وہ دوسری بات پر آتا ہے۔

وہ یہ کہ سوال ایک تو بطور استفادہ کے ہوتا ہے یعنی سچ مچ کسی شبہ کا رفع ہی کرنا ہے اور وہ سوال بھی ضرورت کا ہے۔ اس پر تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص کسی عالم کا غصہ لانا ایک جگہ بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ اور ایک سوال بطور تعنت یا تمسخر و مشغلہ یا محض اعتراض والزام کے ہوتا ہے۔ چوں کہ اس میں شریعت کی توہین ہوتی

ہے تو جس کے دل میں شریعت کی عظمت ہوگی وہ اس توہین کو کب گوارا کرے گا اور اس ناگواری کے سبب اس کو غصہ کیسے نہ آوے گا۔

اسی طرح بعض اوقات سوال میں مخاطب کی اہانت ہوتی ہے۔ اس پر ناگواری بھی امرِ طبعی ہے اور یہ مذموم نہیں۔ اسی طرح اگر فضول سوال کیا یا فضول ہونے کے ساتھ سائل کے فہم کے لائق بھی نہ ہوا اور سائل کے سمجھانے پر بھی کہ یہ سوال لایعنی ہے باز نہ آیا تو اس وقت غصہ آجانا طبع سلیم کا مقتضا ہے جو کہ بجائے خود ایک کمال مطلوب ہے۔ چناں چہ سید العلماء والحکماء حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود بعضے لایعنی سوالوں پر غصہ فرمانا احادیث کثیرہ میں وارد ہے۔ کیا اگر کوئی شخص عدالت کی توہین کرے یا عدالت سے کچھ فضول سوال کرے، ادنیٰ سی بات ہے کہ درخواست پر ٹکٹ لگانا اس کی نسبت سے پوچھنے لگے کہ ایسا قانون کیوں مقرر کیا گیا درخواست بلاٹکٹ کیوں نہیں لی جاتی؟ یا اس فیس سے نصف فیس کیوں نہ مقرر ہوئی؟ کیا توہین کو جرم اور اس فضول سوال کو ناگوار اور اگر باز نہ آئے تو کیا موجب غضب حاکم نہ کہا جائے گا؟ کیا اس غضب کو اخلاق رذیلہ میں داخل کریں گے؟ پھر کیا ایک عالم شریعت کو اہانت شریعت پر یا فضول سوال کے اصرار پر چشم نمائی یا زجر کا بھی حق حاصل نہیں؟ اور کیا اس کو اخلاق رذیلہ میں شمار کیا جائے گا یا افعال جمیلہ میں؟

رہا تعصب اور عجز عن الجواب سو اول تو جب غصہ کا مبنیٰ بتلا دیا گیا تو ان میں مبنی ہونے کا شبہ ہی نہ رہا، لیکن اگر ان کو کوئی شخص مستقل شبہ قرار دیں تو جواب تعصب کا یہ ہے کہ اوّل تعصب کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے تاکہ اس سے اعتراض کے صحیح غلط ہونے کا اندازہ ہوسکے۔ سو تعصب کے معنی ہیں ناحق کی پچ کرنا۔ پس کسی پر تعصب کا حکم لگانا موقوف اس پر ہے کہ پہلے اسکے دعوے کا باطل ہونا ثابت کیا جائے۔ سو جن مواقع پر حضرات معترضین اہل علم پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں ان میں خود اکثر معترضین ہی متمسک بالباطل ہوتے ہیں اور اہل علم کو ابطال باطل پر متعصب قرار دیتے ہیں۔ سو

ظاہر ہے کہ اس صورت میں معترضین ہی متعصب کہلانے کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر تعصب سے مراد مطلق غضب وتشدد ہے اور مطلق غضب وتشدد کو بھی اخلاق رذیلہ میں شمار کیا جاتا ہے تو یہ ایک سخت غلطی اور علم اخلاق سے ناواقفی ہے۔

کیا غصہ اور سختی کا کوئی موقع علم اخلاق میں محمود نہیں بتلایا گیا؟ کیا اگر کسی کو عفیفہ ماں کے متعلق براہ شرارت سوال کرے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ ایک زمانہ میں چکلہ میں بیٹھا کرتی تھیں تو کیا کوئی شخص ٹھنڈے دل سے اس سوال کو سن کر ٹھنڈے دل سے اس کی تغلیط کر کے اس تغلیط پر دلائل قائم کرے گا، یا اگر ایسا کیا تو شرفا اس کو بے غیرت قرار نہ دیں گے، یا وہ شخص بے خود ہو جاوے گا اور غضب وشدت کو کام میں لاوے گا، اور عقلا کے نزدیک وہ غیور اور باحمیت قرار دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غضب کی جگہ غضب محمود ہے۔ حکما کا قول ہے:

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

تعجب ہے کہ ماں کے لئے تو اگرچہ وہ واقع میں کبھی ایسی رہی بھی ہو بے تاب ہو جانا اخلاق حمیدہ میں داخل ہو اور دین کے لئے اس پر اعتراض سن کر حالاں کہ وہ واقع میں قابل اعتراض بھی نہیں ہے ذرا متغیر ہو جانا اخلاق رذیلہ میں داخل ہو، خاص کر جب کہ معترض مسلمان بھی ہو اس کی اور زیادہ شکایت پیدا ہو کر زیادہ تغیر ہو جانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار سے مناظرہ کرنے کے وقت میں اعتراض سن کر اتنا غصہ نہیں آتا بلکہ اگر واقعات کو تتبع کیا جاوے تو جتنا ماں کی گالیاں سننے والا بے تاب ہو جاتا ہے اہل علم باوجود اس کے کہ ماں سے زیادہ دین ان کو پیارا ہے اور اس میں تو احتمال لوث کا ہوسکتا ہے اور دین میں کہ احتمال ہی نہیں، اور اس حیثیت سے اہل علم کو حق تھا کہ دین کے متعلق کچھ بے ہودگی سن کر اس شخص سے زیادہ بے تاب ہو جاتے، مگر پھر بھی وہ بہت ضبط کرتے ہیں اور بجز تیزی لہجہ کے کوئی ناملائم لفظ ان کے منہ سے نہیں نکلتا، اس سے زیادہ صبر وتحمل کیا ہوگا؟ انصاف شرط ہے۔ رہا عجز عن الجواب سو

کہیں تو سوال جہالت کا ہوتا ہے اس کے لئے حکما کا قول ہے:

جواب جاہلاں باشد خموشی

اور کہیں سائل کے فہم سے برتر ہوتا ہے اس کے لئے حکما کا قول ہے:

فہم سخن تا نکند مستمع قوت طبع از متکلم مجوئے

کیا اگر آپ سے آپ کا سائیس درخواست کرے کہ مجھ کو اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل جو مامونی کہلاتی ہے اس طرح سمجھا دو کہ نہ اس میں اشکالِ سابقہ کا حوالہ ہو اور نہ اصول موضوعہ و علوم متعارفہ کا، تو کیا آپ اس کو سمجھانے بیٹھ جاویں گے یا یہ فرما دیں گے کہ بھائی! یہ تیری سمجھ سے باہر ہے۔ اور اگر وہ پھر بھی اصرار کرے تو کیا آپ اس کو گدھا الو نہ کہیں گے، اور کیا ایسا کرنے سے آپ کو کوئی شخص عاجز عن الجواب کہے گا یا عین حکمت پر عمل کرنے والا کہا جائے گا۔

البتہ جیسا اسی مجلس میں کوئی طالب علم اقلیدس کا فرض کیجئے اسی شکل کو سمجھنے آ جاوے تو اس وقت آپ کی زبان فوراً کھل جاوے گی۔ اسی طرح اگر اسی مجلس میں کوئی طالب علم اس مسئلے کے متعلق پوچھنے آ جائے اس وقت دیکھ لیا جائے کہ علماء کیا کیا جواہر تحقیقات کے نثار کرتے ہیں، اور پہلا سائل ان تحقیقات کو اس وقت سن کر یہ بھی اندازہ کر لے گا کہ حقیقت میں یہ میرے فہم سے بالاتر تھا اور اس کے اعراض و سکوت کی وجہ بھی سمجھ لے گا کہ اس شعر کا مصداق ہے:

ہر کہ آواز ہمزبانی شد جدا بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

اور اس شعر کے مدلول کا مشاہدہ کر لے گا:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

اور شبہ کی تقریر میں جو بعض آثار تعصب کے بیان کئے گئے ہیں کہ اپنی بات پر اصرار کرنا اور دوسرے کی بات کو سمجھنے کا قصد نہ کرنا، سو اگر وہ بات حق ہے تب تو حق پر

مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اور اس کے مقابلے میں لغو باتوں کی طرف التفات نہ کرنا عین مطلوب ہے پھر اس کو تعصب سے کیا علاقہ؟

اور اگر وہ بات باطل ہے تو اس اعتراض کا عموماً علماء کو مورد بنانا محض ناواقفی اور قلت اختلاط مع العلماء ہے اور اگر بعض کی نسبت ایسا حکم کیا جاتا ہے تو ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے، لیکن اس کا سبب علم دین نہیں بلکہ علم کے ساتھ تربیت نہ ہونا ہے کہ وہ بھی ایک قسم کی علم کی کمی ہے تو قلت علم اس کا سبب ہوا نہ کہ علم۔

ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں تہذیب کم ہوتی ہے۔ اس میں بھی اول تہذیب کا کوئی معیار قرار دیجئے، سو تتبع خیالات وحالات معترضین سے معلوم ہوتا ہے کہ معیار تہذیب کا آج کل یورپ کا رسم ورواج سمجھا گیا ہے۔ سو خود اس معیار کے صحیح ہونے ہی کی کون سی دلیل ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اہل یورپ کی کوئی رسم تہذیب سے گری ہوئی نہیں۔ کیا خود بعض اہل یورپ اپنی قوم کی بعض رسوم کو قبیح نہیں بتلاتے؟ اور کیا ان سے تنگ نہیں؟ کیا غیر مردوں سے ہاتھ ملانے اور ہنسنے بولنے کی رسم کو بھی خلاف تہذیب نہ کہا جائے گا۔ وعلیٰ ہذا اور بہت سی رسوم، عادات۔ پس معلوم ہوا کہ محض یورپ کی رسم کو معیارِ تہذیب قرار دینا باطل محض ہے۔

پھر وہ معیار کیا ہے؟ سو وہ دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں: یا عقل سلیم، یا کوئی مذہب صحیح۔ مگر سلیم ہونے کے لئے پھر کسی معیار کی ضرورت ہوگی کیوں کہ عقول خود متفاوت ہیں۔ پس معیار ہونے کی صلاحیت صرف مذہب صحیح میں ہو سکتی ہے کیوں کہ اس کی صحت پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ اور مذاہب صحیحہ میں ایسے امور میں ناسخ ومنسوخ کا تفاوتِ اختلاف بھی نہیں ہو سکتا۔ پس جب معیار تہذیب کا مذہب صحیح اور دین الٰہی قرار پایا تو خلاف تہذیب کا مصداق خلاف دین ہوا۔ اب دیکھ لیجئے کہ دین کے خلاف علماء میں زیادہ افعال واخلاق پائے جاتے ہیں یا غیر علماء میں، اور اسی سے معلوم ہو جاوے گا کہ بے تہذیب کہلانے کا زیادہ مستحق کون ہے۔ اور اگر کسی میں کوئی

امر خلاف تہذیب واقعی پایا جاتا ہے تو اس کا سبب قلت تربیت ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔ اسی طرح شبہ قلت حیا کا ناشی اس سے ہے کہ حقیقت حیا کی تحقیق نہیں کی گئی، سو حقیقت اس کی یہ ہے: **انقباض النفس عما یکرہ**۔ اب اس کراہت میں معیار کی ضرورت ہوگی کہ رسم ہے یا عقل سلیم یا دین صحیح اور مثل بحث تہذیب کے یہاں بھی دین صحیح میں معیار کا انحصار ثابت کیا جاوے گا، اس کے بعد آسانی سے فیصلہ ہو جاوے گا کہ حیا کس میں کم ہے۔ لوگ عموماً آج کل علماء کی بے حیائی اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات شرم ناک مسائل فقہیہ کھلے کھلے لکھ دیتے ہیں۔ اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ میڈیکل کالج میں عورتوں کو تشریح کی تعلیم دینے میں جتنی بے حجابی ہوتی ہے یہاں تو اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں، یہاں صرف الفاظ ہیں اور وہاں ان الفاظ کے معانی کا مصداق۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

تعجب ہے کہ یہ تو بے حیائی ہو اور گوارا نہ کیا جاوے اور وہ بے حیائی نہ ہو اور گوارا کیا جاوے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر معترض صاحب ان مسائل کو دین نہیں سمجھتے یا دین کے محفوظ رہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تب تو قبل اس کے کہ مسئلہ مجوث عنہا میں کلام کیا جائے اول خود انہی دو مقدموں کو ان کے سامنے ثابت کیا جائے، اور اگر اس کو دین بھی جانتے ہیں اور دین کے بقا کو بھی ضروری جانتے ہیں تو ان سے درخواست کرتا ہوں کہ پھر اور کوئی طریقہ ان مسائل کے محفوظ رہنے کا ارشاد فرما دیں کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ البتہ آدابِ دین میں ہم کو یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ زبانی تعلیم میں اگر عورتوں کو ایسے مسائل بواسطہ بتلانا ممکن ہو تو بلا واسطہ خطاب نہ کرے، سو اہل علم اس کا شدت سے التزام رکھتے ہیں کہ ایسے مسائل بواسطہ اپنی بیبیوں کے بتلاتے ہیں بلکہ احتیاط کے لئے اس وقت ایسے مسائل کے متعلق رسائل دینیہ میں تصریحاً اس مشورہ کو چھاپ بھی دیا گیا ہے کہ شرم ناک مسائل لڑکیوں کے درس کے وقت نشان بنا کر چھوڑ دے، یا تو مستورات اس کو سمجھا دیں، یا بعضے مسائل خود وہ سیانی ہو کر سمجھ لیں گی۔ اب بے حیائی کا کیا شبہ رہا۔

ایک شبہ یہ تھا کہ اہل علم میں باہم تحاسد وتنافس دیکھا جاتا ہے۔سو اس کا مورد اگر عموماً سب علماء کو قرار دیا جائے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا،اور بعض کی نسبت کہا جاتا ہے تو ہم بھی اس میں متفق ہیں،لیکن اس کا سبب آیا علم ہے یا قلت تربیت۔اس کو سمجھ کر پھر اس اعتراض کی صحت وبطلان کو دیکھا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر بضرورت تحصیل معاش یا حفظ صحت خاندان کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے طبیب بننے کو ضروری قرار دے کر اس کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی ساتھ اطبائے شہر میں تحاسد وتنافس بھی دیکھے تو کیا محض اس سبب سے وہ اپنی رائے کو بدل دے گا یا رائے کو بحال رکھ کر اس کی کوشش کرے گا کہ میرے بیٹے کے ایسے اخلاق نہ ہوں۔اسی طرح یہاں بھی چاہیئے کہ علم دین کا اہتمام کرو اور اخلاق کو درست کرو۔اور یہ امر کہ ہر جگہ پہنچ کر دوسرے کے لئے گستاخی کرنا پڑتی ہے یہ کوئی مجبوری نہیں،خدا تعالیٰ ذرا قوت تدبیر یہ عطا فرمادے تو بہت سہولت کے ساتھ اس سے بچ سکتے ہیں۔وہ یہ کہ خود تو ایسے مضمون کی ابتدا نہ کرے اور اگر صاحب مجلس ایسا کرے تو کچھ جواب نہ دے بلکہ فوراً کوئی مسئلہ پوچھنا شروع کردے۔بس یہ شخص محفوظ رہے گا بلکہ خود وہ بزرگ مولوی صاحب چوں کہ صاحب علم ہیں ان کو سمجھ جائیں گے اس لئے اپنی حرکت سے شرمندہ ہوں گے۔غرض یہ ایسے امور نہیں کہ ان کی وجہ سے خود علوم دینیہ سے اعراض یا انقباض اختیار کیا جائے۔

ایک شبہ یہ تھا کہ خط کا جواب نہیں دیتے۔اس کا جواب بھی یہی ہے کہ سب پر تو یہ اعتراض غلط ہے۔آپ اگر کام کرنے والوں کو دیکھیں تو آپ تعجب کریں کہ ایک ایک آدمی اتنا کام کیسے کرتا ہے۔حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اب تک لوگوں کو یاد ہیں کہ کس التزام سے خط کا جواب دیتے تھے۔ایک بار میں نے کچھ سوالات لکھ کر بھیجے تھے اور اس وقت حضرت آشوبِ چشم میں علیل تھے۔اسی حالت میں نہایت تکلیف اٹھا کر سب کا جواب لکھا۔غالباً بیس تیس کے درمیان سوالات کا عدد تھا۔اور آخر میں یہ

بھی تحریر فرمایا تھا کہ روایات اس لئے نہیں لکھیں کہ آشوب میں مبتلا ہوں، اب بھی چشم بند کردہ لکھتا ہوں۔ اور اگر ایسے بزرگواروں کے پاس سے جواب نہ آوے تو یا تو اصل خط ان کے پاس نہیں پہنچا، یا جواب ان کا ضائع ہوگیا، یا اصل سوال کے ساتھ جواب کے لئے ٹکٹ نہ گیا ہوگا۔ سو اگر جواب پر ٹکٹ لگادیں تو کہاں تک لگائیں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس سولہ خط روزانہ کا اوسط ہو (چناں چہ احقر کے پاس اس اوسط سے کم ڈاک نہیں آتی) وہ اپنے پاس سے ٹکٹ لگایا کرے تو بارہ آنے یومیہ یعنی تیئس روپے ماہوار خاص اسی مد میں اس کو خرچ کرنا پڑے، تو اول تو اہل علم کو اتنی وسعت نہیں۔ پھر اگر کسی کو وسعت بھی ہو تو ہمت مشکل ہے جب کہ فرض وواجب بھی نہ ہو۔ اور اگر بیرنگ بھیجیں تو تجربہ ہوا ہے کہ بہت لوگ بیرنگ جواب واپس کردیتے ہیں بعضے واپس تو نہیں کرتے مگر بدون انتظارِ جواب اور بلا انتظام ڈاک خود کہیں چل ہی دیتے ہیں۔

جب ڈاکیہ کو نہیں ملتے تو وہاں سے خط واپس آتا ہے اور محصول مضاعف دینا پڑتا ہے اور اگر فرضاً سولہ کے سولہ خط واپس آیا کریں تو ڈیڑھ روپیہ روز یعنی پینتالیس روپے ماہوار، اور اگر نصف ہی واپس ہوں تو تیئس ہی روپے ماہوار اس مد میں خرچ ہوا کریں تو ان پر کس قاعدہ سے واجب ہے کہ وہ اتنا بڑا بار اپنے اوپر اٹھائیں۔ البتہ خصوصیت کی جگہ ہر شخص بآسانی اس قسم کے بار کو اعتدال کے ساتھ برداشت کرتا ہی ہے بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہر سوال کے ساتھ بطور فیس کچھ پیش کیا جاتا کہ اہل علم کی اعانت ہوتی خواہ ان کی ذات کی یا صرف آلاتِ افتا کی، کیوں کہ جواب کے لئے وقت بھی چاہئے، کتب بھی چاہئے، کبھی معین (دوست) بھی درکار ہوتا ہے، خادم کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ڈاک وقت پر لائے لے جائے، وعلیٰ ہذا۔ چناں چہ بعض اہل علم نے اس کا قاعدہ بھی مقرر کردیا ہے جس میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو۔ سو اگر کہیں ایسا نہ ہو تو اسی کو غنیمت سمجھیں کہ ہم پر بار نہیں پڑا نہ کہ اہل علم سے مالی بار اٹھانے کے متوقع رہیں کہ ظلم عظیم ہے۔

پانچویں فصل

متفرق شبہات کے جوابات

اس میں بعض شبہاتِ متفرقہ کا جواب ہے اور اس باب کی یہ اخیر فصل ہے۔

علماء کے درمیان عناد و حسد ہونے کا شبہ

ایک شبہ دنیا داروں کا اہل علم کی نسبت یہ ہے کہ ان میں باہم ردوقدح خوب ہوتا ہے، کبھی زبانی گفتگو میں اور کبھی رسالہ بازی کے ذریعہ سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم عناد وحسد ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کو گھٹانا اور مٹانا چاہتا ہے، تو ایسے لوگوں سے اسلام کو بجائے نفع کے الٹا ضرر ہوتا ہے۔

پس اس سے تو یہی بہتر ہے کہ مولویت کا سلسلہ ہی موقوف کیا جائے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو خدا تعالیٰ نہ کرے سب اہل علم ایسے کیوں ہونے لگیں، پھر ایک دو کو دیکھ کر سب پر ایک حکم لگا دینا انصاف اور حقیقت شناسی کے بالکل خلاف ہے۔ جن لوگوں میں یہ مرض ہے ان کو خود محققین اہل علم بھی ناپسند کرتے ہیں۔

آپ ایسے حضرات سے استفادہ کیجئے جو ان امور سے منزہ ہیں، اور دوسرے ہر ردوقدح کو حسد اور عناد پر محمول کرنا یہ بھی غلطی ہے۔ بعض دفعہ دونوں کی نیت بخیر ہوتی ہے مگر اختلاف تحقیق کے سبب ایک دوسرے کے قول کو رد کرتے ہیں۔ کیا وکلا کا ہر مناظرہ نفسانیت پر محمول کیا جائے گا یا حاکم بالا کا حکم ماتحت کے فیصلہ کو منسوخ کر دینا اور اس کا رد لکھنا نفسانیت ہی پر محمول ہوگا۔

بعض دفعہ ایک کی نیت درست ہوتی ہے کہ ایک باطل قول کو محض مسلمانوں کے بچانے کے لئے رد کر دیا اس کے قول حق کو کسی ایک صاحب باطل نے رد کیا تھا اس نے

اس کا جواب دے دیا۔ اس میں شرعاً یا عقلاً کیا قباحت ہوگی۔

بلکہ بعض اوقات یہ واجب ہوگا۔ کیا اگر کوئی باغی جماعت پبلک میں باغیانہ خیالات پھیلا دے اور وائسرائے اور لیفٹیننٹ گورنر ایک عام جلسہ میں ان خیالات کو بدلائل رد کر دے تو کیا اس کو سلطنت کی خیر خواہی نہ کہا جاوے گا؟ پھر کیا وجہ کہ ایسے رد کو اسلام کی خیر خواہی اور ضروری نہ کہا جاوے۔ تیسرے اگر بالفرض خدانہ کرے وہ سب علماء ایسے ہوتے تب بھی کیا یہ اثر علم دین کا ہوتا جس کو سبب نفرت عن العلوم بنایا جائے، یا یہ اثر علم دین میں سے ایک جز پر عمل نہ کرنے کا ہوتا، اور وہ جز تربیت و اصلاح نفس ہے جس کی نہایت اہتمام سے تعلیم دی گئی ہے۔ پس اس سے تو علوم دینیہ کی اور بھی ضرورت ثابت ہوئی کہ اس سے تھوڑا سا بُعد بھی کیسا مضر ہوا۔

پھر یہ کہ اگر کوئی عالم ایسا ہو بھی تب بھی وہ اپنے لئے ضرر رساں ہے یا دوسرے کم فہموں کے لئے کہ اس کی حقیقت نہ سمجھ کر مولویت کو مضر سمجھیں جس کو ابھی بیان کیا گیا ہے، باقی فہیم تو سمجھ سکتا ہے کہ اس عالم کی مثال بد پرہیز طبیب کی سی ہے۔ کیا اس کی بد پرہیزی ان نسخوں کو بھی غیر مفید کر دے گی جو اس نے اپنی حذاقت و مہارتِ فن سے کسی مریض کے لئے تجویز کئے ہیں۔ کیا اس حالت میں اس سے نسخہ نہ پوچھا جائے گا۔ وہ اگر ماہر ہے تو نسخہ تو مفید ہی بتلائے گا۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی عالم حسد اور عناد کی بلا میں مبتلا ہو مگر تم کو تو مسئلہ صحیح بتلا دے گا، پھر تم اس سے منتفع ہونے میں کیوں حیلے نکالتے ہو۔

علماء کا آپس میں اختلاف کرنا

ایک شبہ یہ ہے کہ ان مولویوں میں اکثر مسئلوں میں باہم اختلاف ہوتا ہے، جس سے عام لوگوں کو عمل کرنے میں سخت حیرت ہوتی ہے کہ کس پر عمل کریں کس کو ترک کریں۔ پس یہ مولویت کا سلسلہ بڑھانا اس اختلاف کو اور زیادہ وسعت دینا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کیا اطبا میں باہم تشخیص مرض و تجویز تدبیر میں اختلاف

نہیں ہوتا۔ کیا اس اختلاف سے بھی ایسی ہی تنگی ہوتی ہے، اور کیا اس تنگی کے بعد کوئی شخص اپنے مریض کو بدون علاج ہی چھوڑ دیتا ہے کہ اختلاف کی حالت میں کس کا علاج کریں، تو لاؤ سب ہی کو چھوڑ دیں۔ یا ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون طبیب زیادہ تجربہ کار اور ماہر فن ہے اور کس کے ہاتھ سے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں۔ اگر اختلاف اطبا سبب نہیں ہوتا تنگی و ترک معالجہ کا تو اختلاف علماء کیوں سبب ہوتا ہے تنگی اور ترک عمل کا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس امر کو ضروری سمجھتا ہے اس میں ایسے خیالات سنگ راہ نہیں ہوتے اور جس کو ضروری نہیں سمجھتا اس کے ترک کے لئے ادنیٰ سا حیلہ گو بے ہودہ ہی ہو کافی ہو جاتا ہے۔ جس طرح وہاں ایک طبیب کو (ایک خاص علامت سے جو اوپر مذکور ہوئی) ترجیح دے کر اس کا علاج اختیار کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ایک عالم کو اسی کی نظیر علامت سے (کہ کس عالم کو اہل فہم اور اہل دین علم اور عمل سے زیادہ سمجھتے ہیں اور کس کی تحقیقات نظر انصاف میں زیادہ اطمینان بخش ہوتی ہیں) ترجیح دے کر اس کے فتاویٰ کا اتباع کریں۔

اسی اختلاف علماء کے متعلق ایک اور رائے بھی دی جایا کرتی ہے کہ علماء کے لئے باہم اختلاف رکھنا بہت مذموم ہے ان کو اتفاق رکھنا چاہئے لیکن غور کیا جائے تو اس رائے کا لچر اور مہمل ہونا نہایت بین ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہر اختلاف ہر شخص کے لئے مذموم ہے؟ اگر یہ ہے تو چاہئے کہ عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہو جس میں ایک کا دعویٰ دوسرے کا جواب دعویٰ داخل ہو تو عدالت بجائے اس کے کہ تنقیح و تحقیق کا بار اپنے ذمہ لے اول ہی وہلہ میں محض اس بنا پر کہ یہ لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں اور اختلاف مطلقاً مذموم ہے فریقین کو ہمیشہ سزا کر دیا کریں کہ ایسے جرم اخلاقی کے کیوں مرتکب ہوئے۔ یا اگر اس جرم کو اس درجہ کا نہ سمجھے تو کم از کم ہر مقدمہ کو خارج ہی کر دیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ تحقیق واقعات کی کر کے ایک ڈگری دیتی ہے، کیا

وہ ایک مجرم اخلاقی کی طرف داری وحمایت کرتی ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اہل اختلاف میں سے ہر ایک کو الزام دینا اور دونوں کو مشورۂ اتفاق دینا غلطی ہے۔ بلکہ اول تحقیق کر کے متعین کریں کہ ان اہل اختلاف میں حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے، جو حق پر ہو اس کی طرف ہو کر صاحب باطل کو مجبور کریں اور رائے دیں کہ تم کو اختلاف کرنا جائز نہیں تم فلاں شخص کے ساتھ اتفاق کرو۔

ورنہ قبل تعیین حق اگر وہ اتفاق بھی کرنا چاہیں تو آخر اس اتفاق کا کوئی مرکز بھی تو ہونا چاہیے اور وہ متعین نہیں تو اتفاق کی کیا صورت ہوگی۔ اگر زید نے عمرو کو اپنے قول پر لانا چاہا اور عمرو نے زید کو، تو یہی اتفاق نہ ہوا۔ اور زیادہ رنگ طبائع کا یہی ہے بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اتفاق کے استحسان پر اتفاق ہے پھر اتفاق نہیں ہوتا، کیوں کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے نقطۂ خیال پر لانا چاہتا ہے، اسی طرح دوسرا بھی۔ اور اگر زید نے عمرو کا قول لے لیا اور عمرو نے زید کا قول لے لیا تو پھر باہم اختلاف رہا گو صورت دوسری ہوگئی، اور اگر نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا بلکہ اول مرجح کی تلاش ہوئی کہ اس کا اتباع دونوں کریں گے تو اس کا حاصل وہی ہوا جو اوپر معروض ہوا ہے کہ اول تحقیق کر کے حق کو متعین کرلیں پھر صاحب باطل کو مجبور کیا جائے کہ وہ حق کا اتباع کرے، صاحب حق کو کچھ رائے نہ دی جائے۔ بہرحال نااتفاقی کا الزام جانبین کو دینا یہ ایک بے تحقیق اور غلط فیصلہ ہے۔

زمانہ کی مصلحت کا لحاظ نہ کرنے کا شبہ

ایک اعتراض عموماً علماء کی نسبت یہ ہے کہ علماء اپنے فتاویٰ میں مصلحت زمانہ کا لحاظ نہیں کرتے، وہی پرانے مسائل بتلا دیتے ہیں حالاں کہ زمانہ کی ضرورتیں بدل گئی ہیں اور زمانہ کی ضرورت سے احکام بدل جاتے ہیں، اب علماء کو چاہیے کہ سود کو اور معاملات ربویہ وفاسدہ کو درست کہہ دیں۔ یہ اعتراض اس قدر ظاہر البطلان ہے کہ اس میں رد ہی کی احتیاج نہیں۔ یہ تو جب کہا جاتا کہ شریعت کے احکام کسی بشر کے

بنائے ہوئے ہوتے تو اس احتمال کی گنجائش تھی کہ اس بشر کو آئندہ مصالح پر نظر نہ تھی، جب مصالح بدل گئے تو احکام کا بدل ڈالنا بھی مناسب ہے۔ اور جس حالت میں وہ احکام خدا تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں خواہ بواسطۂ وحی متلو یا وحی غیر متلو، یا اگر وہ اجتہادی ہیں تو بوجہ غزاتِ علم وتدین وتورع ان مجتہدین کے ان میں استناد الی الوحی کا ظن زیادہ غالب ہے بہ نسبت ہمارے استنباط کے تو وہ احکام بھی بوجہ اس کے کہ قیاس مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا نیز ثابت بالوحی ہوئے۔ بہر حال جب یہ سب احکام شرعیہ خدائے تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں جن سے قیامت تک کی مصالح کی ایک جزئی مخفی نہیں تو ان میں یہ احتمال کب ہے کہ آئندہ مصالح کی رعایت نہیں کی گئی، بلکہ جس مصلحت کی اس میں رعایت نہیں وہ واقع میں مصلحت ہی نہیں۔

اور مصالح کے تبدل سے احکام کا بدلنا وہاں ہے جہاں مبنی اس حکم کا کوئی خاص مصلحت یقیناً ہو، اور جہاں خود اسی کا تیقن نہ ہو تو مصالح تخمینہ ظنیہ پر مدارِ حکم نہیں ہے۔ جیسے حطیم کو کعبہ کے اندر شامل نہ کرنا مبنی تھا مصلحت دفع تشویش عوام پر، جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس مصلحت کا ارتفاع دیکھ لیا اور اندیشہ تشویش کا نہ رہا حطیم کو داخل کر دیا، گو بعد میں ان کے مخالفین نے پھر خارج کر دیا۔ بخلاف رمل فی الطواف کے کہ ظاہراً مصلحت اس میں اراءت قوت تھی مشرکین کو اور وہ اب نہیں ہے، تو چاہئے تھا کہ وہ حکم مرتفع ہو جاتا مگر بعد فتح مکہ کے حجۃ الوداع میں بھی رمل کا ہونا یہ دلیل اس کی ہے کہ وہ ایک وقتی مصلحت تھی، لیکن اصل میں مبنی حکم کا وہ نہ تھا اس لئے وہ حکم مرتفع نہیں ہوا۔ سو منصوصات میں تو کسی علت نکالنے کی حاجت ہی نہیں۔ البتہ اجتہادیات میں علت نکالی جاتی ہے مگر ہم کو علت نکالنے کی لیاقت نہیں ہے، جو اس کے اہل تھے وہ گزر گئے کیا پارلیمنٹ وجلسہ وضع قوانین کا ممبر ہر قانون دان یا ہر دیہاتی بن سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوانین کے اسرار کا جاننا خاص ہی لوگوں کا کام ہے۔ پس ہر ایک کو اس کا دعویٰ زیبا نہیں۔ اس لئے یہ اعتراض بھی لغو ثابت ہوا۔

علماء کا لوگوں کے حال پر رحم نہ کرنے کا شبہ

ایک اعتراض مولویوں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے گھروں اور مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دستگیری نہیں کرتے۔ لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام سے محض بے خبر ہے، لیکن ان کو کچھ پرواہ نہیں حتیٰ کہ بعضے تو بلانے سے بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اعتراض اس وقت کسی درجہ میں لوگوں کے حق میں صحیح ہوسکتا تھا کہ تبلیغ اسلام واحکام اب بھی فرض ہوتی تب بے شک ضروری تھا کہ گھر گھر، شہر شہر سفر کر کے جاتے، یا کسی کو بھیجتے اور لوگوں کو احکام سناتے، لیکن اب تو اسلام واحکام شرقاً غرباً مشتہر ہو چکے ہیں کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً وفروعاً اسلام نہ پہنچ چکا ہو، اور جو لوگ کسی قدر لکھے پڑھے ہیں ان کو تو بذریعہ رسائل مختلفہ مذاہب تک کا بھی علم ہے اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام کا بتلانے والا نہ بھی پہنچا ہو تاہم اس مقام کے لوگ (اگر کل نہیں تو بعض سہی) دوسرے مقامات پر پہنچے ہیں اور احکام سنے ہیں (اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہنچے ہیں) بہرحال جن مقام کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اسلام واحکام نہ پہنچے ہوں۔

اور فقہا نے ''کتاب السیر'' میں تصریح فرما دی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔ پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی، اور اگر ترک مستحب پر یہ الزام ہے سو اول تو وہ محل الزام نہیں، دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی شغل ضروری نہ ہو تو کچھ گنجائش بھی ہے، لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمتیں کر رہے ہیں وہ بھی جب ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں پھر گنجائش اس شبہ کی کہاں ہے۔ دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ

کر ہدایت واصلاح کریں، خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کر لو۔

تیسرے کیا یہ اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے دوسرے دنیادار مال دار مسلمانوں کے ذمے نہیں؟ یعنی ان کو بھی چاہئے کہ سمجھیں کہ علماء کو معاش سے فراغ نہیں آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں اور ان کی کافی خدمت مالی کر کے معاش سے اس کو مستغنی کریں، پھر وہ علماء معاش سے بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دیں، جس طرح مشنری لوگ بڑے بڑے مشاہرے پا رہے ہیں اور جا بجا لیکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔ اور ہمارے حضرات معترضین کو جو یہ اعتراضِ مذکور علماء پر سوجھا ہے وہ انہیں مشنریوں کی مساعی کو دیکھ کر سوجھا ہے۔

اور یہ اس وقت کچھ عام عادت ہو گئی ہے کہ اصل حقیقت میں غور نہیں کرتے بس دوسری قوموں کے رسم و رواج کو اپنا رہنما بنا کر ان کی موافقت و مخالفت کو معیار استحسان وعدم استحسان کا قرار دیا ہے۔

چوں کہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے بس اعتراض کر دیا، لیکن قطع نظر حقیقت بینی کے جس کے متعلق بندہ نے اوپر عرض کیا ہے یہ بھی نہ دیکھا کہ اپنے علماء پر ان کے علماء کے برابر سعی نہ کرنے کا الزام دینے سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیادار ان کے دنیاداروں کے برابر بھی اعانت مالی میں کرتے ہیں یا نہیں۔ یہاں وہی مثل صادق ہے:

حَفِظْتَ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ

البتہ اگر کوئی مقام ایسا ثابت ہو جائے تو بے شک وہاں تبلیغ اسلام کے وجوب کا انکار نہیں، لیکن یہ وجوب علماء کے ساتھ خاص نہیں سب اہل اسلام پر بقدر اپنی اپنی وسع کے واجب ہوگا۔

تقریر وتحریر سے واقف نہ ہونے کا شبہ

ایک شبہ طالب علموں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تقریر وتحریر میں قاصر ہوتے ہیں لیکن اس شبہ میں نہایت بے انصافی سے کام لیا گیا ہے۔ایک دو کو دیکھ کر سب پر ایک حکم لگا دیا گیا ہے۔کیا علماء وطلباء میں بے حد خوش تحریر وخوش تقریر بکثرت نہیں پائے جاتے ؟ یا ان خوش بیانوں کا مقابلہ دوسری تعلیم کا کوئی بڑے سے بڑا افاضل کر سکتا ہے؟ پس جن طلباء میں اس کی کمی ہے اس کی ذمہ داری خود ان کی کوتاہ ہمتی اور بے توجہی ہے۔البتہ اتنی ضرورت اس زمانہ میں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مثل دیگر عام کی تعلیم کے خوش تحریری وخوش تقریری کی مشق کا اہتمام بھی مدارس میں بالالتزام کیا جاوے، اس طور پر کہ وہ طلبہ کا اختیاری امر نہ رہے بلکہ سب کو اس پر مجبور ہونا پڑے، مگر پھر بھی ایسے لوگ (گو قلیل ہی سہی) ثابت ہوں گے کہ ان کو فطری طور پر تقریر وتحریر سے مناسبت کم ہوگی۔سو ایسے لوگ اپنے عمل کے لئے علم پڑھیں دوسروں کے افادہ کے لئے اور بہت لوگ مل سکیں گے، یہ کیا فرض ہے کہ ہر کام ہر شخص کیا کرے۔اسی کے متعلق ایک شبہ خط کے خام ہونے کا ہے، سو میرے نزدیک یہ امر کوئی قابل التفات نہیں۔خط کا صاف ہونا تو ضروری امر ہے کہ بے تکلف پڑھا جائے، کیوں کہ بدون اس کے جو مقصود ہے کتابت سے وہی فوت ہوتا ہے۔باقی باقاعدہ اور خوشنما ہونا یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے، اس کو ضروری سمجھنا یہ ایک عامی خیال ہے۔

دنیا کے قصوں سے بے خبر ہونے کا شبہ

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ طالب علموں کی عقل کم ہوتی ہے۔معاملات کو نہیں سمجھتے۔ اکثر دنیا کے قصوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔اگر ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاوے جس کا تعلق کسی معاملہ سے ہو تو اس کو سمجھ نہیں سکتے۔اگر کوئی انتظامی کام ان کے سپرد کیا جائے تو اس کو کر نہیں سکتے۔اس شبہ میں بھی نہایت ہی عام تدبر سے کام لیا گیا ہے۔ اس معترض نے عقل اور تجربہ کو ایک قرار دیا ہے حالاں کہ ان دونوں کے احکام الگ

الگ ہیں۔ کیا اگر کسی بڑے عاقل فاضل شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ فلاں کارخانے میں فلاں نمبر کا جوتا کس قیمت کا ہے تو کیا اس کو اتنی بات پر بے وقوف کہہ دیں گے؟ اگر کوئی ایسا کہے گا تو وہ خود اس لقب کے قابل ہوگا۔

اسی طرح اہل علم کو جن معاملات سے سابقہ کم پڑتا ہے یا نہیں پڑتا، ان کے متعلق ان کی معلومات کم ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں اور ایسے ہی امور کی نسبت جب ان سے ناتمام عبارت میں سوال کیا جاتا ہے تو ان کو اس سوال کے اجزا کے سمجھنے کی ضرورت ہونا پھر محل تعجب یا اعتراض کیا ہے۔ کمی تو سائل کی ہے کہ اس کو اظہار واقعہ کا سلیقہ نہیں۔ اور ایسے افہام و تفہیم کی احتیاج تو ہائی کورٹ کے ججوں تک کو ہوتی ہے کہ اکمل علمائے قانون و افضل عقلائے ملک تسلیم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ انگریزی خواں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے سٹوفکیٹ لے کر آتے ہیں اور ادنیٰ سا کام سب انسپکٹری یا نائب تحصیلداری کا بھی بدون سکھلائے نہیں کر سکتے۔ تعجب ہے کہ دونوں طرف ایک ہی حالت پھر اس حالت کا نام ایک طرف ناتجربہ کاری اور دوسری طرف بے عقلی رکھا جائے، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ اگر اہل علم کسی طرف ادنیٰ توجہ کرتے ہیں تو وہ ان دنیا کے کاموں کو بھی ایسا اچھا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے تجربہ کار دنگ رہ جاتے ہیں۔ چناں چہ اس کے زندہ نظائر بکثرت موجود ہیں۔

الباب الثانی

حُقُوْقُ الْعِلْمِ عَلَى الْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ وَالطَّلَبَةِ الْكِرَامِ

پہلی فصل

عمل کی ضرورت نہ ہونے کا غلط خیال

بعض طلباء یہ خیال کرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارا زمانہ تحصیل علم کا ہے اس زمانہ میں عمل کی چنداں ضرورت نہیں بعد فراغ عمل بھی کرلیں گے، اور یہ سراسر شیطانی دھوکہ ہے۔ نصوص نے طلبہ اور علماء میں وجوب احکام میں کہیں فرق نہیں کیا۔

پھر اس خیال کی گنجائش کب ہوسکتی ہے۔ البتہ اعمالِ زائدہ جن میں زیادہ وقت صرف ہو وہ بے شک طلبہ کے لئے مناسب نہیں۔ جیسے اورادِ طویلہ و مجاہدات و ریاضات اہل تصوف کے ان میں مشغول ہونے سے مطالعۂ درس و تکرارِ سبق میں مشغول ہونا طالبِ علم کے لئے افضل ہے۔ بعض بے باک طلبہ میں ایک قول مشہور ہے: یَجُوْزُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ مَالَا یَجُوْزُ لِغَیْرِہٖ اگر یہ اپنے عموم ظاہری رکھا جائے تب تو اس کے جواب میں ﴿ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین﴾

اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (بقرہ:١١١)

پڑھ دینا کافی ہے، اور اگر عموم پر نہ رکھا جائے تو مطلق العنانی و بدعملی کے جواز کے لئے مفید نہیں۔ اگر یہ کسی معتبر قائل کا قول ہے تو معنی یہ ہیں کہ بہت سے امور غیر اہل

حاجت کے لئے درست نہیں، جیسے صدقہ و خیرات کا لے لینا یا کوئی چیز کسی سے ضرورت کے وقت مانگ لینا وہ طالب علم کے لئے بوجہ حاجت مند ہونے کے مباح ہے، تو مدار اس حکم کا خاص وصف طالب علمی نہیں بلکہ احتیاج ہے۔

چوں کہ طالب علم بھی اکثر صاحب احتیاج ہوتا ہے اس لئے یہ بھی ایک عنوان احتیاج کا ہوا۔ پس غیر سے مراد اس بنا پر غیر محتاج ہوگا نہ مطلق غیر طالب علم، اور ما اپنے عموم پر نہ ہوگا بلکہ بدلائل شرعیہ خصوص میں مستعمل ہوگا۔

دوسری فصل

علوم دینیہ کی طرف نسبت رکھنے والے بعض لوگوں کی غلطی

بعض منسوبین الی العلم علوم دینیہ کو ذریعہ اپنے اغراض فاسدہ دنیویہ نفسانیہ کا بنا لیتے ہیں جس سے وہ خود تو بدنام اور بے وقعت ہوتے ہیں مگر اپنے ساتھ تمام جماعت اہل علم کو بدنام اور بے اعتبار ٹھہراتے ہیں۔

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

اگر چہ معترضین کی بے انصافی و کوتاہ نظری ہے کہ ایک پر سب کو قیاس کر کے سب پر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔ کیا اگر کوئی اناڑی عطائی خلافِ اصولِ طب کسی کا علاج کرے، یا کسی کو دھوکہ دے کر کچھ ٹھگ لے تو کیا ملک کے تمام ماہرین و سیر چشم اطبا کے کمالِ علمی و عملی کی نفی جائز ہوگی؟ ہرگز نہیں، لیکن عوام سے اس غلطی کا صدور زیادہ عجیب نہیں جب کہ منسوبین الی العلم سے اس سے بڑی غلطی یعنی علم دین کو آلۂ دنیا بنانے کا صدور ہوتا ہو، کیوں کہ علم ایک بہت بڑا سبب حامل علی العمل ہے۔ جب کثیر العلم اتنی بڑی غلطی کرے تو قلیل العلم سے زیادہ بعید نہیں، گو مطلق علم پر نظر کرتے ہوئے ایک درجہ میں بعید ضرور ہے اور وہ اغراض باوجود تعدد تکثیر کی دو کلیوں میں

داخل ہیں: ایک طلب مال، دوسرے طلب جاہ۔

طلبِ مال کی چند صورتیں ہیں: بعضے ایسا کرتے ہیں کہ وعظ کو اپنا پیشہ بنالیتے ہیں اور جگہ جگہ خاص اس غرض سے وعظ کہتے پھرتے ہیں کہ کچھ مال وصول ہو، پھر بعضے تو حیاو شرم کو بالکل بالائے طاق رکھ کر صریح سوال کرتے ہیں اور ان وعیدوں کو جان کر بھلا دیتے ہیں جو بلا اضطرار مانگنے کے باب میں وارد ہیں۔ مثلاً ترمذی میں ہے:

عن حبشی بن جنادة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان المسألة لا تحل لغنی ولا لذی مرة سوی الا لذی فقر مدقع أو عزم مفظع، ومن سأل الناس لیکثربه ماله کان خموشا فی وجهه یوم القیامة ورضفا یأکله من جهنم، فمن شاء فلیقل ومن شاء فلیکثر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امیر اور تندرست اور قوی شخص کے لئے سوال کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی فقیر یا سخت حاجت مند ہو تو اس کے لئے جائز ہے۔ اور جو شخص مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی، ایسا شخص جہنم کے گرم پتھروں سے بھنا ہوا گوشت کھاتا ہے، جو چاہے کم کھائے اور جو چاہے زیادہ کھائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: باب من لاتحل لہ المسألۃ)

بالخصوص علم دین کو آلہ اور ذریعہ بنانا موجب زیادہ وعید کا ہے۔

چناں چہ احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: من تعلم علمًا مما یبتغٰی به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به غرضًا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة. یعنی ریحه

جس نے ایسا علم جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاسکتی ہے، اس نے وہ علم دنیاوی غرض سے سیکھا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہیں پائے گا۔

اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے:

قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: من قرأ القرآن يتاكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحمه.

جس نے قرآن کریم کو لوگوں سے کھانے کی غرض سے پڑھا تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہیں ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ کوئی اضطرار ان کو نہیں ہے۔ دوسرے وجوہ حلال معاش کے موجود ہیں جن میں ایک وجہ حلال وہ بھی ہے جس کا قاعدہ باب اول کی دوسری فصل تحت آیت ﴿للفقرآء الذين احصروا﴾ خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں (اللہ کی راہ میں)۔ (البقرۃ:۲۷۳) میں مفصل مذکور ہوا ہے جس سے وعظ کی نوکری بطور مشاہرہ کے جائز ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر محض اشاعت احکام حسبۃً للہ کرے اور لوگ متفرق طور پر کچھ خدمت کر دیں اور قلب میں کچھ طمع نہ ہو گو احتمال ووسوسہ ہو وہ بھی جائز ہے۔ یہ دونوں صورتیں اسی قاعدہ مذکورہ باب اول فصل ثانی میں داخل ہیں۔

اور امتحان اس کا کہ یہ کام حسبۃً للہ کیا جاتا ہے اور جو کچھ ملتا ہے وہ بطور جزائے جبس کے ہے، یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وعظ کہنے کے واسطے جانے کے لئے یہ شخص کن مقامات کو منتخب کرتا ہے۔ آیا ان مقامات کو جہاں روپیہ ملنے کی زیادہ امید ہو، یا ان مقامات کو جہاں تبلیغ احکام کی زیادہ ضرورت ہو۔ صورت اول میں یہ شخص اس قاعدۂ جواز کا مورد نہ ہوگا۔ دوسری صورت میں ہوگا اور یہی امتحان ہے تدریس علوم دینیہ کی نوکری کرنے والے کا۔ اس شخص کو کام مقصود ہے یا مال مقصود ہے، اگر اس کی نظر تنخواہ پر ہوگی تو اگر ایک جگہ گزر رہتا ہو اور وہاں علوم دینیہ کی ضرورت بھی زیادہ ہو تو ایسی جگہ کو چھوڑ کر ترقی پر نہ جائے گا، اور نہ خود کوشش کر کے ایسی جگہ جانا چاہے گا۔

اور فقہاء نے جو تعلیم علوم دینیہ یا وعظ پر اُجرت کی اجازت دی ہے مراد اس سے یہی صورت ہے، ورنہ اجرت علی الطاعات المقصودۃ المخصوصۃ بالاسلام کو حنفیہ رحمہم اللہ

تعالیٰ بوجہ نہی کے کسی طرح جائز نہیں رکھتے اور غالب یہ ہے۔

(اور اگر کسی محقق شافعی سے تحقیق کیا جائے تو کیا عجب یہ ظن صحیح نکلے) کہ شافعیہ جو بعض طاعات کی اجرت کو جائز رکھتے ہیں جیسے تعلیم قرآن وعلوم دین، وہ مقید ہوگا اس صورت کے ساتھ جب کہ ثواب مقصود نہ ہو۔

اور اس صورت میں وہ بھی اس نہی کے مخالف نہ ہوں گے جس سے حنفیہ نے تمسک کیا ہے، جس میں قوس کے ہدیہ لینے کی نسبت سوال کیا گیا ہے کہ وہاں قرآن مجید ثواب کے لئے پڑھایا تھا۔ اور اس تقریر پر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ متقدمین و متاخرین میں اجرت علی التعلیم کے جواز وعدم جواز میں اختلاف لفظی ہے ورنہ حقیقتاً اجارہ کے ناجائز اور صورت اجارہ کے جائز ہونے میں اختلاف کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ اور جواز میں جو یہ قید لگائی ہے کہ قلب میں کچھ طمع نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جس کو شیخین رحمہما اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَمَا جَائَکَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لَا تُتْبِعْهُ نَفْسَکَ. (تمہارے پاس جو مال اس طرح آئے کہ تم اس کی لالچ اور سوال کرنے والے نہ ہو تو وہ لے لو۔ اور جو مال لالچ اور سوال کے ساتھ آئے اس کے پیچھے نہ پڑو۔)

احتمال، وسوسہ، طمع اور اشراف میں فرق

اور احتمال و وسوسہ اور طمع و اشراف میں فرق یہ ہے کہ اگر خیال ہوا کہ شاید کچھ ملے، نہ ملنے سے اذیت نہ ہوئی تو صرف وسوسہ تھا، اور اگر ایذا اور رنج ہوا اور قلب میں شکایت اور ناگواری ہوئی کہ ان لوگوں نے کچھ نہیں دیا تو طمع اور اشراف تھا۔ یہ تو وعظ کے ذریعہ سے کمانے والوں کا بیان تھا جس کے متعلق یہ بھی ایک تجربہ اور استقرا ہے کہ اکثر ایسے لوگ باقاعدہ عالم اور ذی استعداد بھی نہیں ہوتے، ورنہ کمال علمی کے لئے غیرت اور حمیت خواص لازمہ سے ہے، اس سے ایسی بے حمیتی کا کام نہیں

ہوسکتا۔ اور بعضے صریح سوال نہیں کرتے مگر ان کے طرز و انداز سے ان کا سائل ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے۔ ان کا حکم بھی مثل صریح سائلوں کے ہے گو وجہ دلالت دونوں جگہ مختلف ہو مگر مدلول تو واحد و مشترک ہے۔

مدرسہ یا انجمن کے لئے سوال کرنے کا حکم

اور بعضے بذریعۂ وعظ یا بلا وعظ محض ملاقات و خاص خطاب سے خود اپنی حاجت کے لئے سوال نہیں کرتے مگر کسی مدرسہ یا انجمن کے لئے چندہ طلب کرتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ واقع میں وہ مدرسہ یا انجمن نافع اور ضرورت پر مبنی ہے اور یہ شخص محض دینی منفعت اہل اسلام کو پہنچانے کے لئے بلا جبر و بلا کسی خداع و تلبیس کے اس میں شریک ہونے کی ترغیب دیتا ہے، پھر خواہ اسی قاعدۂ مذکورہ باب اول فصل ثانی کے طور پر اس کی تنخواہ بھی اس مدرسہ یا انجمن سے ملتی ہے۔ یہ صورت تو ہماری اس فہرست طرق مذمومہ طلب مال سے خارج و مستثنیٰ اور عموم مفہوم آیت ﴿هٰؤلآء تدعون لتنفقوا في سبيل الله﴾ میں داخل ہے، جیسا باب اول فصل ثانی کے آخر میں مذکور ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نہ اس انجمن یا مدرسہ کا انعقاد یا افتتاح اس غرض سے ہوا ہے کہ اپنا گذر ہو، اپنی بسر کی ایک صورت نکلے اور اس کا نہ ہونا کچھ مضر نہیں، یا یہ کہ وہ ضروری ہو مگر اس شخص کی نیت خاص اپنا دنیوی نفع ہو تو گو اس انجمن کی خدمت و ابقا کو ضروری کہا جائے گا مگر اس شخص کے لئے یہ شیوہ حلال نہ ہوگا۔ مطلقاً اور خصوص جب کہ طلب چندہ میں شرمانے سے دباؤ ڈالنے سے بھی کام لیتا ہو، اس وقت مضاعف گناہ ہوگا بدلیل حدیث بیہقی و دار قطنی کے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الا لاتظلموا ، الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه. (خبردار! ظلم مت کرو۔ خبردار! کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

بعض کو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے، تو جو شخص دے گا خوشی ہی سے دے گا حالاں کہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے، اس کا

حال دینے والے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جب وہ ان بزرگ کے کہنے کے بعد کچھ دے چکے کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو اس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے، بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اسی سے حکم معلوم ہو جائے گا، یا ان رقوم کو جو لڑکی والے یا مساجد مدارس والے شادی کے موقع پر لڑکے والوں سے فرمائش کر کے لیتے ہیں وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کی شرم سے یا محرک کے لحاظ سے دے دیتے ہیں، بعض اوقات بلاتحریک بھی دیتے ہیں، لیکن دینے کی بنا وہی رسم ہے کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا مانگا جائے گا یا بدنام کیا جائے گا۔ سو اس قسم کی رقمیں شرعاً حلال نہیں ہوتیں اور اس طرح سے مانگنا یا لینا درست نہیں ہوتا۔ اور یہ رقم سب واجب الرد ہیں اگر رد کی جائیں تو مالک رقوم کو واپس کی جائیں خواہ وصول کسی کے ہاتھ سے ہوا ہو، کیوں کہ یہ ذی الید نائب اس مالک کے ہیں تو ان کا ہاتھ اسی کا ہاتھ ہے۔

اور بعض کو یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے لئے تو نہیں مانگتے اللہ تعالیٰ کے کام کے واسطے مانگتے ہیں، لیکن یہ عذر محض باطل ہے، اس لئے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے۔ دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہو جاتی بلکہ غور کیا جائے تو اس کا قبح نقلاً وعقلاً زیادہ اشد ہے۔ نقلاً تو اس لئے کہ یہ شخص معصیت کو ذریعہ ثواب کا بنا رہا ہے تو حرام کو آلہ دین کا بنانا اور اس میں اعتقاد ثواب اور تقرب کا رکھنا یہ اشد معصیت ہے۔ فقہاء نے تو حرام میں ثواب کی توقع کو کفر تک کہہ دیا ہے۔

اور عقلاً اس لئے کہ ہر فعل اپنی غایت کے لئے مقصود ہوتا ہے اور غایت دین کے کام کی رضائے حق ہے جب اس کو خلاف شرع طریقہ سے کیا تو رضائے حق بھی نصیب نہ ہوئی تو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوا، اور اگر اپنے نفس کے لئے گناہ کیا جاتا تو اس کی جو غایت تھی حظِ نفس وہ تو حاصل ہوتا۔ پس دین کے لئے گناہ کا کام کرنا عقلاً بھی زیادہ برا ہوا دنیا کے لئے گناہ کا کام کرنے سے۔

اور گو یہ بلا یعنی یہ فعل محض منسوبین الی العلم کا مخصوص ان کے ساتھ نہیں بلکہ بعض اہل وجاہت طبقۂ معززین دنیا کے بھی اس میں مبتلا اور شریک ہیں۔ چناں چہ قومی انجمنیں اور قومی اسکول وکالج دنیوی تعلیم کے زیادہ انہی صاحبوں کے ہاتھ میں ہیں اور یہ حضرات بھی چندوں کے لئے بڑی بڑی تحریکیں کرتے اور خاص اثروں سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان کے سامنے تو ان بعض اہل علم کی کارروائی کسی شمار ہی میں نہیں کئی وجہ سے، اول تو اہل علم میں بہت شاذ ونادر اس کام کو کرتے ہیں اور اہل وجاہت میں شاذ ونادر اس کام کو نہ کرتے ہوں گے۔ دوسرے اہل علم بہت تھوڑی رقم پر قناعت کرتے ہیں اور اہل وجاہت بڑی بڑی رقموں کو بھی کم سمجھتے ہیں۔ تیسرے اہل علم اکثر خطابِ عام کرتے اور یہ حضرات خطاب خاص سے بھی کہیں نہیں رکتے۔

چوتھے اہل علم کا اتنا دباؤ نہیں پڑتا اور ان صاحبوں کا بہت دباؤ پڑتا ہے خود وجاہت کا بھی اور بعض جگہ حکومت کا بھی اور بعض جگہ اس اندیشہ کا بھی کہ ان کا کہنا نہ ماننے سے شاید ہم کو کوئی مضرت پہنچا دیں۔ پانچویں اہل علم جب اس کو دین کے کام میں خرچ کرتے ہیں تو دینے والا اس قصہ کو دیکھ کر اکثر اپنی ناگواری کو مبدل بخوشی کر لیتا ہے جس سے وہ وبال استحصال بالکراہت کا خفیف ہو جاتا ہے اور یہ حضرات جہاں اس کو خرچ کرتے ہیں ظاہر ہے کہ دین تو ہے نہیں کہیں مباح ہوتا ہے اور اکثر معصیت، تو دینے والے کا افسوس کبھی دور نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے اس خاص طرز سے استحصال کا وبال ہمیشہ گلوگیر رہتا ہے۔

غرض یہ کہ ان اہل وجاہت میں بھی مع زیادہ قابل زیادات پائی جاتی ہے، اور اس وجہ سے ان حضرات کو اہل علم پر اس خاص عمل کے متعلق کوئی اعتراض یا نکیر کرنے کا بالکل حق حاصل نہیں، لیکن کسی بلا کے عام اور مشترک ہونے سے اس میں جواز نہیں پیدا ہو سکتا، اس لئے اہل علم کو اس کے ارتکاب کی یا اس میں اہل دنیا کے تقلید کی ہرگز گنجائش نہیں۔ اہل دنیا جو چاہیں کریں اہل علم کو اپنے علم کے مقتضا کے خلاف ہرگز کرنا

نہ چاہیے، اول تو فی نفسہٖ عنداللہ بھی برا ہے اور جان کر اور زیادہ برا ہے:

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

(اگر تو نہیں جانتا تو یہ مصیبت ہے اور اگر تو جانتا ہے تو یہ اس سے بڑی مصیبت ہے۔)

پھر اس کا اثر دوسروں پر بھی برا پڑتا ہے۔ چناں چہ عام لوگ اکثر مواقع پر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ میاں! جب مولوی ایسا کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں۔ تو اس طور پر ایسے اعمال ضلال کے ساتھ اضلال کی بھی شان رکھتے ہیں، اور ضلال و اضلال کی وعیدیں مخفی نہیں صرف تین حدیثیں لکھے دیتا ہوں۔ ایک ضلال کی، ایک اضلال کی، ایک مشترک۔

شیخین نے روایت کیا ہے:

عَنْ أُسامة بن زيد رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقٰى فی النار فتندلق اقتابه فی النار فيطحن فيها كطحن الحمار برحاه فيجتمع اهل النار عليه فيقولون: ای فلان! ماشانک؟ اليس كنت تأمرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر؟ قال: كنت اٰمركم بالمعروف ولا آتيه، وانهاكم عن المنكر وآتيه

قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، اس کی آنتیں آگ میں نکل جائیں گی۔ بس وہ ان آنتوں کے گرد ایسے گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اہل جہنم اس کے قریب آ کر کہیں گے: اے فلاں! تیری یہ کیا حالت ہے؟ کیا تو ہم کو نیکیوں کا حکم نہیں کیا کرتا تھا اور برائیوں سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا کہ میں تمہیں اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا مگر میں خود نہیں کرتا تھا، اور برائیوں سے روکتا تھا مگر میں خود بھی نہیں بچتا تھا۔

اور حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: من سن سنة سيئة فعليه

وزره وزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شیء
جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس کا گناہ بھی ہوگا اور اس شخص کا گناہ بھی ہوگا جو اس پر عمل کرے گا، اور ان عمل کرنے والے لوگوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور دارمی میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: الا ان شرّ الشر شرار العلماء، وان خير الخير خيار العلماء.

خبردار! بدترین خلائق بدترین علماء ہیں اور بہترین خلائق بہترین علماء ہیں۔

علماء کو نصیحت

اس لئے علماء پر ضروری ہے کہ ایسے اعمال جو خلاف شرع وخلاف وضع ہوں ہرگز اختیار نہ کریں، توکل پر دین کی خدمت کریں۔ خطاب عام سے ترغیب الی الخیر والانفاق فی سبیل اللہ حسب موقع کر دینا مضائقہ نہیں۔ اگر کوئی راغب الی الخیر میسر ہو جائے جو مصارف خیر کا جویاں رہتا ہے اور پورا یقین ہو کہ خطاب خاص اس کی آزادی میں ذرا اختلال نہ ہوگا اور جو کچھ کرے گا بطیب خاطر کرے گا، تو ان قیود کے ساتھ خطاب خاص کا مضائقہ نہیں۔ باقی ناجائز یا رکیک افعال عوام کے لئے علم دین سے موجب تحقیر اہل علم کی نسبت موجب تحقیر ہو جاتے ہیں جس کے انسداد کے زیادہ ذمہ دار اہل علم ہیں۔ یہ کلام تھا متعلق چندہ طلب کرنے کے۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ امرا اہل اموال سے اختلاط وارتباط اس غرض سے رکھتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً کچھ حاصل ہوتا ہے اور اس غرض کے لئے گاہے یہاں تک نوبت آتی ہے کہ ان کے غرض کے موافق مسئلہ بنا دیتے بلکہ بنا لیتے ہیں۔ جس سے سردست تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور ان کی خوشی سے ان کا کچھ کام نکل جاتا ہے، لیکن بہت جلدی ہی ان کی نظر سے گر جاتے ہیں اور پھر وہ ان دوسرے علماء کو قیاس کر کے جماعت کی جماعت سے بدظن اور علم دین سے نفور ہو جاتے ہیں، تو اس طور پر یہ لوگ

مناع للخیر اور یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق بنتے ہیں۔ ان کی مذمت احادیث میں بھی وارد ہے۔ ابن ماجہ سے حدیثیں نقل کرتا ہوں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ان اناسًا من امتی سیتفقهون فی الدین ویقرؤون القرآن، ویقولون: ناتی الأمراء فنصیب من دنیاهم ونعتزلهم بدیننا، ولا یکون ذلک کمالا یجتنیٰ من القتاد الا الشوک کذٰلک لا یجتنیٰ من قربهم، الا قال محمد بن الصباح: کانه یعنی الخطایا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن کریم پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم مال داروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی دنیا حاصل کرتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچالیں گے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ جس طرح جھاڑیوں سے کانٹے کے علاوہ کچھ نہیں چنا جاسکتا، اسی طرح ان کے قریب سے برائیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

وعن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه قال: لو ان اهل العلم صانوا العلم ووضعوہ عند اهله لسادوا به اهل زمانهم، ولکنهم بذلوہ لاهل الدنیا لینالوا به من دنیاهم فهانوا علیهم.

اگر اہل علم اس علم کی حفاظت کرتے اور انہیں سکھاتے جو اس علم کے اہل ہیں تو وہ ان کے ذریعہ اہل زمانہ کی قیادت کرتے، لیکن انہوں نے اسے اہل دنیا پر خرچ کیا تا کہ وہ ان کی دنیا حاصل کریں، بس وہ ان کے سامنے ذلیل ہو گئے۔

اور اختلاط میں جو اس غرض کی قید لگائی کہ ان سے کچھ حاصل ہوتا رہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اختلاط اس غرض سے ہو کہ ان کی اصلاح ہو ان کو احکام دینیہ بتلائے جاویں خصوص جب کہ وہ خود خواہش کریں اور ان کو حاضر ہونے کی مہلت نہ ہو تو یہ بلانا قرینہ دین کا ہے۔ ایسا اختلاط نہ مضر دین ہے نہ موجب مذلت ہے، مگر جب کہ یہ

قرائن سے یا شرط سے معلوم ہو کہ میں آزادی کے ساتھ حق ظاہر کرسکوں گا ورنہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان کے بلانے کی غرض اپنے کسی خاص خیال کی تائید کرانا ہے تو اس جگہ جانا اوپر کی وعیدوں کا مصداق بنتا ہے، اور ایسی حالت میں اگر وہ کچھ خدمت کریں، لینے کا مضائقہ نہیں مگر مشورہ احقر کا یہ ہے کہ ہرگز قبول نہ کرے بلکہ جانے کے قبل شرط کرلے دینے لینے کا کچھ قصد نہ ہو۔ اس کا اثر فطری طور پر بہت اچھا ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں ان امرا کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ اہل علم کو اپنا تابع بنانے کا وسوسہ بھی لائیں، بلکہ ہر طرح ان کو ان کے تابع ہونا پڑتا ہے اور یہی امر مہتم بالشان ہے۔ اور اگر خود امرا آویں تو یہ اختلاط منہی عنہ نہیں عین مطلوب ہے، اس وقت ان سے بے رخی نہ کرے اخلاق سے پیش آئے مگر استغنا کو اب بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔

بعض مولویوں کی غلطی اور اس کا نقصان

بعضے غرض مال کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ کسی سے صراحۃً یا اشارۃً مانگتے وانگتے نہیں خود خدا تعالیٰ نے ان کو ظاہری غنی بنایا ہے۔ مثلاً تاجر ہیں زمین دار ہیں یا کسی کوٹھی میں نقد روپیہ جمع ہیں اس سے منتفع ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کو کسی کے سامنے حاجت پیش کرنے کی یا کسی کے ہاتھ کی طرف دیکھنے کی نوبت نہیں آتی، لیکن اپنے معاملات مالیہ میں ایسا کرتے ہیں کہ اگر شریعت پر عمل کرنے سے ان کی کوئی منفعت مالیہ ضائع یا مختل ہوتی ہو تو وہاں ضعیف تاویلوں سے اور غیر مشروع حیلوں سے (گو نام ان کا حیلۂ شرعیہ رکھتے ہیں) کام لیتے ہیں اور اس منفعت کو فوت نہیں ہونے دیتے اور ان دنیادار مولویوں پر یہ خصلت یہاں تک غالب ہوگئی کہ یہ جملہ عام لوگوں کی زبان زد عام ہوگیا کہ مولوی اپنے مطلب کا مسئلہ جس طرح چاہیں بنالیتے ہیں۔ میرے نزدیک اگر گناہ کر کے سمجھے اور اپنے گناہ گار ہونے کا اقرار کرے اس کا مفسدہ اتنا نہیں ہے جتنا گناہ کو کھینچ تان کر کے جائز بنانے کا مفسدہ ہے۔ عام لوگ گمراہ ہوتے ہیں، علماء سے بد اعتقاد ہوتے ہیں، پھر وہ اپنے معاملات میں بھی تاویلیں اور

حیلے پوچھتے ہیں۔ اور اگر ان کو کوئی نہیں بتاتا تو وہ قیاس فاسد سے کام لے کر خود ہی من سمجھوتی کر لیتے ہیں گو ان کی تاویل اور بھی لغو اور مہمل ہو مگر عوام کو فرق کی تمیز کہاں۔

علماء کی شان تو یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بلا تاویل بھی جائز مگر کسی وجہ سے اس کے ارتکاب میں عوام کو دینی مضرت ہو تو اپنا تھوڑا ضرر دنیا کا جس قدر تحمل ہو سکے گوارا کر لیں اور عوام کا دین بچائیں، نہ کہ عوام کے لئے دروازہ فتنہ کا کھول دیں۔

دارمی میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے:

عن زیاد بن حدیر قال لی عمر رضی الله عنه: هل تعرف مایهدم الاسلام؟ قلت: لا، قال: یهدمه زلة العالم وجدال المنافق بالکتاب وحکم الأئمة المضلین

زیاد بن حدیر سے روایت ہے کہا کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اسلام کو کیا چیز ڈھا دیتی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: عالم کی لغزش، منافق کا کتاب اللہ پر بحث و مباحثہ کرنا اور گمراہ پیشواؤں کے غلط فیصلے۔

لیکن اس سے کوئی شخص ان وجوہِ تصحیح معاملات پر گو ان کو بھی بعض کتب میں بعنوانِ حیلہ تعبیر کیا گیا ہے شبہ نہ کرے جن کا بلا کسی نفسانی غرض کے عام مسلمانوں کو مضائق میں سے نکالنے کے لئے اور ان کو معاصی سے بچانے کے لئے صورتِ اضطرار میں اذن دیا گیا ہے۔ جیسا خود حدیث شریف میں:

بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم التمر ونحوهٗ.

ان سب کو دراہم کے بدلے فروخت کر دو پھر ان دراہم کے ذریعہ کھجور خرید لو۔

آیا ہے۔ مابہ الفرق دونوں قسم میں یہ ہے کہ جس سے مقصود کسی مقصودِ شرعی کا ابطال ہو وہ مذموم اور جس سے مقصود کسی مقصود شرعی کی تحصیل ہو وہ محمود ہے۔ مثلاً: رِبا کو شرع نے حرام کہا ہے اس کے لئے تدبیر استعمال کرنا گناہ ہے، اور جس جگہ رِبا مقصود نہ ہو مگر خود اجناس ہی قیمت میں متفاوت ہوں، لیکن اتحاد بدلین کے سبب تفاضل ممنوع ہو

اس جگہ حدیث مذکور کے موافق تصحیح کر لینا جائز اور مشروع ہے۔ یہاں تک یہ سب بیان ہوا ان اہل علم کا جو علوم دینیہ کو آلہ جلب مال کا بناتے ہیں۔

بعض علماء کا خیال غلط اور اس کا نقصان

اب آگے ان کا ذکر ہے جو علم دین کو طلب جاہ کا آلہ بناتے ہیں، اور اس کی چند صورتیں ہیں۔ بعضے لوگ امراء سے ملنے کا خاص دلچسپی کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں اور خیال ان کا یہ ہوتا ہے کہ ان سے ملنے سے لوگوں میں عزت و وقعت وعظمت بڑھے گی۔ حالاں کہ تجربہ و تتبع خیالات جمہور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عادت سے عام لوگوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمان اس کو اہل علم کے لئے عیب سمجھتے ہیں۔ علماء کی عزت واقع میں بھی اور عام خیال میں بھی اسی ہی وضع پر رہنے سے ہوتی ہے جو اہل علم کی شان کے مناسب ہے۔ یعنی خدمت دین و استغناء عن الامراء اور خوش خلقی غربا کے ساتھ، پس عامہ کی نظر میں تو کوئی وقعت نہیں ہوتی اور ان امرا کی نظر میں تو اس سے اچھی خاصی ذلت ہوتی ہے۔ وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جلب مال کی طمع میں ہم سے خوشامد کے لئے ملتے ہیں، سو ان کی نظر سے بالکل ہی گر جاتے ہیں اور اگر کبھی ان کا دیا ہوا کچھ لے لیا تو رہی سہی وقعت بالکل ہی جاتی رہتی ہے۔

یہ اثر ان امرا پر ہوتا ہے، اور ایک اثر امرا و غربا دونوں پر ہوتا ہے کہ ایسے علماء سے تحقیق دین و استغنا کے باب میں بالکل اعتبار و اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ان کے وعظ، ان کے فتوے، ان کی تحریرات پر ذرا وثوق نہیں رہتا۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے شاید یہ دنیاداروں کی خوشامد میں ایسا کہتے ہیں۔ پس ان لوگوں کا علم محض غیر منتفع بہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک اعتبار سے یہ لوگ ان حدیثوں کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: مثل علم لاينتفع به كمثل كنز لا ينفق منه فی سبيل الله

اس علم کی مثال جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس میں سے

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ (رواہ احمد والدارمی)

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ عالمٌ لا ینتفع بعلمہ.

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ کے لحاظ سے سب سے بدترین شخص وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو۔ (رواہ الدارمی)

اور ایک اثر خود ان علما پر یہ ہوتا ہے کہ ان امرا کی صحبت سے اور انکے منکرات پر انکار نہ کرنے سے (کیوں کہ اگر انکار اور منع کریں تو پھر ان سے لطف صحبت کہاں میسر ہوسکتا ہے) جانبین سے انقباض ہوجائے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ ان کو مطلوب بنا کر ان سے ملا جاتا ہے لامحالہ ان کی حرکاتِ غیر مشروعہ پر سکوت کرنا پڑتا ہے۔

پس اس سکوت سے ان علماء کے اندر ایک کیفیت مداہنت کی پیدا ہوجاتی ہے اور صحبت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو ترقی ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ قلب سے پھر اس کا اثر زبان پر آتا ہے۔ یعنی اول قلب سے حق کی عظمت اور باطل سے نفرت کم ہوتی ہے، پھر زبان سے اظہارِ حق کی ہمت گھٹتی ہے، پھر باطل کے ساتھ تکلم کرنا خفیف معلوم ہونے لگتا ہے، پھر باطل کا صدور ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ ان امرا کو اس کا احساس ہوکر اس کا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ ان علماء سے اپنی نفسانی خواہش کے موافق توجیہات کرنے کی فرمائش کرنے لگتے ہیں اور یہ ان خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر ان کا قلب مسخ ہوجاتا ہے اور حق بینی کی استعداد بالکل ضائع ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی اہل حق سے جدال اور عناد پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ اس حالت میں پھر ان کی اصلاح کی کچھ توقع نہیں رہتی، اور یہ لوگ امت محمدیہ کے لئے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہوجاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اگر شیطان فارغ ہو بیٹھے تو بعید و عجیب نہیں۔ میں نے اپنی آنکھ سے ایسے ہی ایک طالب دنیا کا فتویٰ لکھا ہوا دیکھا ہے جس نے ایک ہزار روپیہ لے کر ایک خاص ترکیب تراش کر حقیقی ساس کے ساتھ نکاح حلال لکھ

دیا تھا۔ اس حدیث میں اسی مسخ قلب کا ذکر ہے:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: لما وقعت بنواسرائیل فی المعاصی فنہتہم علما وہم فلم ینتہوا، فجالسوہم وآکلوہم وشاربوہم، فضرب اللہ قلوب بعضہم ببعض فلعنہم علی لسان داؤد و عیسٰی ابن مریم، ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون.

جب بنواسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں روکا، لیکن جب وہ نہیں رکے تو یہ علماء ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ان پر لعنت فرمائی، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

اور یہ سب خرابیاں اسی وقت ہیں جب ان امرا کو مطلوب بنا کر ان کے پاس جاویں۔ اسی کی مذمت احادیث صحیح میں آئی ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: ان من ابغض القراء الی اللہ الذین یزورون الأمراء.

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ وہ قاری ہے جو مال داروں کے پاس کثرت سے جاتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الامراء، فاذا خالطوا الامراء فہم لصوص الدین فاحذروہم.

علماء دین کے امانت دار ہیں جب تک وہ دنیا داروں سے میل جول نہ رکھیں، اور جب وہ دنیا داروں سے میل جول رکھیں تو وہ دین کے چور ہیں، پس ان سے بچو۔

البتہ اگر امرا طالب ہو کر ان کے پاس حاضر ہوں یا کسی ضرورت سے خود ان کو

مدعو کریں تو اس معاہدہ کے بعد کہ ہم آزادی سے جو چاہیں گے کہہ سکیں گے اور یہ کہ ہم کو نذرانہ وغیرہ نہ دیا جائے۔ اگر ان سے مخالطت نہ کریں تو یہ مخالفت دین ہے، ورنہ اگر علماء اس طرح بھی ان سے نہ ملیں تو ان کو دین کیوں کر پہنچے گا، مگر اس طرح کا اختلاط یہ ضروری علی الکفایہ ہے اس لئے ایسا ہی شخص زیبا ہے جو قوی القلب غنی النفس ہو، ورنہ ضعیف کے لئے اسلم یہی ہے کہ امرا سے بالکل نہ ملے۔ تبلیغ حق کے لئے دوسرے لوگ کافی ہیں یا علما کے رسائل وکتب بس ہیں۔

امرا سے اجتناب کے وقت کیا نیت ہونی چاہئے؟

مگر اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ امرا سے اجتناب اختیار کرنے کے وقت ان کو حقیر اور اپنے کو مقدس نہ سمجھے، بلکہ ان کو مبتلائے بلیات، دنیا وجہل سمجھ کر ان پر ترحم کرے، ان کے لئے دعا کرے۔ اور اپنے کو ضعف دین کا مریض سمجھ کر اجتناب کو ایسا سمجھے جیسا مریض ضعیف الطبع کو جس میں تاثر کا مادہ غالب ہو دوسرے متعدی مرض کے مریض سے بچاتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے اس مبتلائے مرض متعدی پر غصہ بھی نہیں کرتے بلکہ اس پر رحم کھاتے ہیں اور اپنے کو بھی بوجہ ضعف عن المرض اس سے بچاتے ہیں۔ اسی طرح ان دنیا دار امرا پر بھی رحم کرنا چاہئے کہ ایسے اسباب جہل وعصیاں میں مبتلا ہیں کہ اگر ہم اس میں مبتلا ہوئے تو ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ پس اپنی عافیت پر خدائے تعالیٰ کا شکر کرے ناز نہ کرے اور ان کے لئے دعا کرے، البتہ اگر کوئی شخص حق سے عناد اور اہل حق سے بغض اور تکبر کرے اس سے بغض کرنا واجب اور عبادت ہے اور بغض فی اللہ بھی ہے۔

یہ ان لوگوں کا بیان تھا جو طلب جاہ کے لئے امرا سے ملتے ہیں۔

دنیا داروں کو دھتکارنا مناسب نہیں ہے

بعضے لوگ بہ طلب جاہ یا بہ سبب جاہ ایک دوسری وضع اس کی عکس اختیار کرتے ہیں۔ دنیا داروں کو دھتکار دیتے ہیں، اپنے یہاں دخل نہیں دیتے، ان کو سخت وسست کہتے ہیں۔ بعضے پہرہ بٹھلا دیتے ہیں اگر چہ اس قسم کے لوگ متکبر امرا کے پورا علاج

ہیں اور در حقیقت امرا کو ان کے تکبر کی یہ سزا ملا کرتی ہے کہ وہ اوروں کی تحقیر کرتے ہیں لوگ ان کی تحقیر کرتے ہیں اور ان پر ایسے لوگ مسلط ہوتے ہیں، لیکن یہ تکوینی علاج ہے تشریعی نہیں۔ ایسے اخلاق رکھنا بالکل شرع کے خلاف ہے۔ ان بداخلاقوں میں بعضے ایسے بھی ہیں کہ ان کا یہی مقصود ہے کہ اس طریق سے امرا میں شہرت ہوتی ہے، لوگ بڑا بزرگ سمجھتے ہیں، خوب ہیبت بیٹھتی ہے۔ ان لوگوں کو بہ نسبت متکبر کہنے کے ریا کار کہنا زیادہ زیبا ہے۔ یہ حدیث انہی کی نسبت ہے:

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: تعوذوا بالله من جب الحزن، قالوا: يا رسول الله! ماجب الحزن؟ قال: واد في جهنم يتعوذ منه جهنم كل يوم اربع مائة مرة. قيل: يا رسول الله! ومن يدخلها؟ قال: القراء المراوون باعمالهم

تم لوگ جب الحزن سے پناہ مانگو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب الحزن کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، پھر کہا گیا کہ یا رسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا ایسے علماء یا قرا جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

ان لوگوں کے اس عمل کے لئے تو جاہ علت غائی ہے اور بعض کے اسی عمل کے لئے جاہ علت غائی نہیں ہوتی بلکہ علت فاعلی ہوتی ہے۔

یعنی جاہ سبب ہوتا ہے مسبب نہیں ہوتا۔ اور وہ وہ لوگ ہیں جو واقع میں اپنے کو مقدس اور دوسروں کو خطاوار گناہ گار سمجھتے ہیں، اس لئے ان سے نفرت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بہ نسبت ریاکار کہنے کے متکبر کہنا زیادہ بجا ہے۔ اور یہ تکبر دنیاداروں کے تکبر سے بھی اقبح واشنع ہے، کیوں کہ ان لوگوں کو بہ نسبت دنیاداروں کے زیادہ علم ہے۔ زیادہ علم کے ساتھ بدعملی عنداللہ زیادہ مبغوض ہے۔ **ولنعم ماقيل**

فَاِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِىْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ

وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

ان صاحبوں کوخوب سمجھ لیناچاہئے کہ العبرۃ للخواتیم۔مصرع

تایار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

اور یہ لوگ اس کو استغنا سمجھتے ہیں، مگر استغنا اور تکبر میں زمین آسمان کا فرق ہے جو بالکل مبین اور ظاہر ہے۔

شہرت حاصل کرنے کی ایک حرکت

بعضے لوگ اپنی شہرت اور ناموری کے لئے مجادلہ اور ردوقدح کی عادت اختیار کر لیتے ہیں اور شب و روز اسی مشغلہ میں رہتے ہیں۔ پھر اس کا غلبہ یہاں تک ہوتا ہے کہ غیر ضروری امور میں بھی بدون نزاع کے نہیں رہتے۔ پھر اکثروں کی تو غرض اس سے تحصیل جاہ ہوتی ہے جس کی مذمت اس حدیث میں وارد ہے:

عن كعب بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من طلب العلم ليجاری به العلماء اوليماری به السفهاء او يصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار

جو علم کو اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے، یا اس کے ذریعہ بے وقوفوں سے بحث و مباحثہ کرے، یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کریں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عمرؓ)

بعض اوقات اس کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنے باطل پر اصرار کئے جاتے ہیں کہ بات ہیٹی نہ ہو جائے۔

میں نے ایک مناظر کا فتویٰ ایک قطعی رضاعی رشتے میں حلت نکاح کا دیکھا ہے کہ ابتدا میں تو ان سے غلطی ہو گئی تھی مگر پھر اپنی بات کی پچ پڑ گئی اور باوجود سارے جہاں کے علماء کے خلاف کرنے کے اور تحریراً و تقریراً تنبہ کرنے کے ہرگز رجوع نہ کیا، اور بعض ثقات سے مسموع ہوا کہ ان بزرگ نے اپنے ایک معظم سے یہ کہا کہ اب کیا

کروں قلم سے نکل گیا ہے اب تو تائید ہی کرنا ضروری ہے۔ اور بعض خود اس کو مقصود اور دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کی مذمت اس حدیث میں ہے:

عن ابی امامة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم: ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیه الا اوتوا الجدل، ثم قرا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم ھذہ الآیة ﴿ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون﴾

کوئی قوم ہدایت کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں ہوئی جب تک وہ بحث ومباحثہ میں نہ لگ گئی ہو، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال صرف لڑائی کے لئے پیش کی ہے، وہ تو ہیں ہی جھگڑالو۔''
(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

اس حدیث کا حاشیہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

المراد بالجدل ھھنا العناد، والمراد التعصب لترویج مذاھبھم من غیر ان یکون لھم نصرة علی ماھو الحق وذلک محرم.

اور جس طرح اس عمل کی مذمت آئی ہے اسی طرح اس کے ترک کی فضیلت ومدح آئی ہے:

عن انس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم: من ترک الکذب وھو باطلٌ بنی له فی ربض الجنة، ومن ترک المراء وھو بحق بنی له فی وسط الجنة، ومن حسن خلقهٗ بنی له فی اعلاھا

جو شخص جھوٹ کو چھوڑ دے جب کہ وہ حق پر نہ ہو تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل تیار کیا جائے گا، اور جو شخص حق پر ہونے کے باوجود لڑائی کو چھوڑ دے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں محل تیار کیا جائے گا، اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجہ میں محل تیار کیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

مناظرہ کرنا کب ضروری ہے؟

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ قرآن مجید میں ﴿جادلھم﴾ امر آیا ہے اور

﴿لاتجادلوا﴾ کے بعد استثناء ﴿الا بالتی ھی احسنُ﴾ (العنکبوت:۴۶) آیا ہے اور خود احادیث میں محاجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصاریٰ سے جس کی تائید میں سورۂ آل عمران کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں وارد ہے۔

ائمہ دین نے سلفاً وخلفاً اہل بدعت سے محاجہ کیا ہے، اور بہت سی تصانیف ان حضرات کی اس باب میں ہیں۔ اور علم کلام اسی غرض سے ایک مستقل اور مدون فن ہوکر باجماع علمائے امت علوم دینیہ میں داخل ہوگیا۔ نیز ضرورت بھی اس کی مشاہد ہے، کیوں کہ اہل باطل ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے اور اب بھی ہیں، اور وہ لوگ اپنے باطل کی ہمیشہ ترویج کرتے ہیں، تو اگر ان کا جواب نہ دیا جائے تو عوام کا تلبیس وتخلیط میں پڑ جانا کچھ بھی بعید وعجیب نہیں، اور جواب دینے میں عوام کی بھی حفاظت ہے، اور بعض اوقات خود اہل باطل کو بھی ہدایت ہوجاتی ہے۔ اور یہی قیل وقال جواب وسوال مجادلہ ومناظرہ ہے تو ایسے ضروری امر کو مذموم کیسے کیا جاسکتا ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ہر مجادلہ کا مذموم ہونا اور ہر حالت میں مذموم ہونا ہمارا مدعا نہیں۔ بعض مجادلات وحالات مستثنیٰ بھی ہیں، اور دین میں انہیں کا اذن بھی ہے۔ ان کے سوا باقی مذموم ہیں یا ان کا ترک محمود ہے۔ مگر ہمارے زمانہ میں تو زیادہ افراد اسی مجادلہ مذموم یا محمود الترک کے پائے جاتے ہیں جن کی مذمت حدیثوں میں اور نیز آیات میں اور کلام اکابر میں موجود ہے۔ حدیثیں تو بعض اوپر گزر چکی ہیں، بعض آیات یہ ہیں:

﴿فلا تمار فیھم الامر آء ظاھرا و لا تستفت فیھم منھم احدا﴾

آپ اس معاملہ میں سوائے سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجئے، اور آپ ان (اصحاب کہف) کے بارے میں کسی سے کچھ نہ پوچھیے۔ (الکہف:۲۲)

اور ﴿فلا ینازعنک فی الامر وادع الیٰ ربک انک لعلیٰ ھدی مستقیم ○ وان جٰدلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون○ اللہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون○﴾

لوگوں کو چاہئے کہ اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہ کریں، آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے، آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے فیصلہ فرما دے گا۔ (الحج:٦٧۔٦٩)

اور ﴿ومن الناس من يجادل في الله بغير علم ولا هدى ولا كتب منير٥﴾ بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے جھگڑتا ہے۔ (الحج:٨)

اور ﴿فمن حآجک فيه من بعد ما جآءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنآء نا وابنآء كم ونسآء نا ونسآء كم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكذبين٥﴾ جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کرے تو آپ فرما دیجئے کہ آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور اپنی جان کو اور تمہاری جان کو، پھر ہم خوب دل میں دعا کریں اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ لعنت بھیجیں ان پر جو ناحق پر ہوں۔ (آل عمران:٦١)

اور اقوال اکابر ائمہ کے اس کے ذم میں کتب کلامیہ اور ''احیاء العلوم'' وغیرہ میں منقول ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مسئلہ دو قسم کا ہے: ایک وہ جس کی ایک جانب یقیناً حق اور دوسری شق یقیناً باطل ہو سمعاً یا عقلاً، یہ مسائل قطعیہ کہلاتے ہیں۔ ایک وہ جس میں جانبین میں حق اور صواب اور خطا و غلط دونوں محتمل ہوں، یہ مسائل ظنیہ کہلاتے ہیں۔ مسائل کلامیہ اکثر تمام اول سے ہیں اور بعض قسم ثانی سے، اور مسائل فقہیہ اکثر قسم ثانی سے ہیں اور بعض قسم اول سے، جیسا کہ متتبع پر مخفی نہیں۔ پس مسائل ظنیہ محتملۃ الخطا والصواب ہیں خواہ وہ از قسم مسائل کلامیہ ہوں یا از قبیل مسائل فقہیہ، صرف اثبات

ترجیح ظنی کے لئے نہ اہل علم کی باہم مکالمت بلا بغض وعناد و بلا اعتقاد قطع ایک جانب کے و بلا قصد ابطال جازم دوسرے جانب کے در بعزم رجوع وقبول حق کے جب سمجھ میں آ جائے جائز ہے، مگر مصلحت یہ ہے کہ عوام تک اس کی اطلاع نہ ہو۔ اگر زبانی گفتگو ہو تو مجمع خواص میں ہو اور اگر تحریری ہو تو عام فہم زبان میں۔ مثلاً ہندوستان میں اردو میں نہ ہو عربی میں ہو یا کم از کم فارسی میں ہوتا کہ اگر کسی وقت وہ تحریرات شائع کی جاویں تو عوام پر اس اختلاف سے کوئی اثر نہ پہنچے۔ اور سلف سے ان مسائل میں اسی طرح کی گفتگو منقول ہے نہ وہ گفتگو جو آج کل ہوتی ہے کہ ایک قراءۃ فاتحہ خلف الامام کا حق ہونا اس طرح بتلا رہا ہے کہ اس کے نزدیک تمام حنفیہ تارک الصلوٰۃ اور فاسق ہیں، اور دوسرا اس کی نفی اس طرح کر رہا ہے کہ گویا اس کے نزدیک قراءۃ خلف الامام میں کوئی حدیث ہی نہیں آئی۔ اور عین مناظرہ میں اگر کوئی مقابل کا قول دل کو بھی لگ جائے تب بھی ہرگز قبول نہ کریں، جس طرح بن سکے اس کو رد کریں، بلکہ مقابل کی گفتگو شروع ہونے کے ساتھ ہی رد کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں اور اول سے اسی کے سوچ میں رہتے ہیں اور اسی نیت سے سنتے ہیں کیوں کہ تمام تر مقصود اپنا غلبہ اور دوسرے کا اسکات ہوتا ہے۔ پھر باہمی عناد وفساد حتیٰ کہ نوبت بعدالت پہنچتی ہے۔ یہ علاوہ بریں کیا یہ دین ہے؟ کیا یہی طریقہ سلف صالحین کا ہے؟ کیا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان مسائل میں ایسا عملدر آمد ثابت ہے۔ یہ تو مسائل ظنیہ کے متعلق بیان ہوا۔

اب رہ گئے مسائل قطعیہ متعینۃ الصواب جیسے کفر واسلام کا اختلاف یا سنت و بدعت متفق علیہا عند اہل الحق کا اختلاف اس میں چند حالتیں ہیں: ایک یہ کہ صاحب باطل متردد اور طالب اور جویا حق کا ہے اپنے شبہات کو صاف کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے مناظرہ کرتا ہے، یہ مناظرہ قادر علی تائید الحق پر واجب اور فرض ہے اور جب جواب سے عجز ہو صاف کہہ دینا چاہئے کہ اس کا جواب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں سوچ کر یا پوچھ کر پھر بتلاؤں گا، یا اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلا دے۔ اور

اس طالب کو چاہئے کہ وہاں جا کر رجوع کرے اور قدرت ہوتے ہوئے ایسے مناظرہ سے انکار کرنا معصیت ہے۔ یہ حدیث اس کو بھی شامل ہے۔

من سئل عن علم فکتمہٗ

جس سے کسی علم کے متعلق سوال کیا گیا پھر اس نے اس کو چھپایا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب نہیں، لیکن متکلم مناظرہ کو توقع واحتمال ہے کہ شاید مخاطب قبول کر لے، سو جب تک اس کی امید ہو مناظرہ کرنا تبلیغ احکام میں داخل ہے، جہاں تبلیغ واجب ہے وہاں یہ بھی واجب ہے، اور جہاں تبلیغ مستحب ہے یہ بھی مستحب ہے۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کے مناظرات اہل کتاب و خوارج وغیرہم اسی قبیل کے تھے۔ اور تیسری حالت یہ ہے کہ وہ طالب بھی نہیں اور اس کے قبول کی بھی امید نہیں مگر کسی مفسدہ ومضرت کا اندیشہ بھی نہیں اور کسی ضروری امر میں خلل بھی محتمل نہیں تو اس حالت میں ایسا مناظرہ مستحب ہے۔

اور چوتھی حالت یہ ہے کہ نہ طالب ہے نہ قبول کی امید نہ کسی ضروری امر میں خلل کا احتمال، مگر خاص مضرت کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قوی الہمۃ کے لئے عزیمت و اولیٰ ہے اور ضعیف الہمۃ کے لئے رخصت اور غیر اولیٰ ہے۔

اور پانچویں حالت یہ ہے کہ نہ طالب نہ توقع قبول اور ساتھ ہی کسی دینی مضرت کا احتمال ہے یا دینی منفعت مہمہ کا فوت محتمل ہے، اس صورت میں اس سے اعراض اور ضروری میں اشتغال واجب ہے۔ قرآن مجید میں اعراض وترکِ جدال کا امر ایسے ہی مواقع پر ہے۔ سورۂ عبس کا شانِ نزول جو قصہ تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے اس کو تیسری حالت میں داخل سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پانچویں حالت میں داخل بتلایا اور چوں کہ اس میں داخل ہونا خفی تھا اس لئے ترک واجب کا شبہ نہیں کیا جا سکے گا۔

چھٹی حالت یہ ہے کہ مناظرہ کرنے میں تو مخاطب کی نہ کوئی منفعت متوقع اور نہ

اس سے کسی خاص مضرت کا احتمال، اور مناظرہ نہ کرنے میں عوام اہل حق کے شبہ میں واقع ہو جانے کا خوف ہو اور مسئلہ ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا احتمال بھی نہیں ہوتا کہ علمائے اہل حق سے دریافت کرسکیں تو اس صورت میں اس کی تدبیر واجب ہے۔ اس کی دو تدبیریں ہیں: ایک یہ کہ خود اہل باطل کو مکالمہ یا مکاتبہ میں مخاطب بنایا جاوے، دوسری تدبیر یہ ہے کہ اس سے خطاب نہ کیا جائے بلکہ عام خطاب سے حق کو ثابت اور باطل کو رد کیا جاوے۔ پس یہ دونوں تدبیریں واجب علی التخییر ہیں، ان میں سے جس تدبیر کو اختیار کرلیا جاوے گا واجب ادا ہو جاوے گا۔

ساتویں حالت یہ ہے کہ قیودِ مذکورہ حالتِ ششم کے ساتھ وہ مسئلہ بھی ایسا ہو کہ عوام اہل حق کو اس کے غلط ہونے کا شبہ واقع ہو سکتا ہو۔

اس صورت میں خود ان عوام پر واجب ہے کہ علماء سے تحقیق کریں، اور ان کے استفسار کے وقت علماء پر جواب دینا واجب ہوگا، ورنہ بدون سوال وہ سبکدوش ہیں۔ اور ان تمام تر صورتوں میں یہ واجب ہے کہ الفاظ اور مضمون متانت اور تہذیب کے خلاف نہ ہو، اگر دوسرا بھی درشتی کرے تو صبر افضل ہے۔ یہ تمام تر تفصیل و تقسیم مذکور ان امور میں ہے جو شرعاً مقصود ہوں۔ بعض وہ امور ہیں جو شرعاً مہتم بالشان نہیں جیسے خاندانِ چشتیہ اور خاندانِ نقشبندیہ کا باہم متفاضل ہونا، یا بعض وہ امور ہیں جن میں بحث کرنے یا حکم لگانے سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، جیسے تقدیر کا مسئلہ یا کوئی دوسرا مسئلہ جو اسی کی نظیر ہو، یا جیسے باوجود اس کے کہ کسی کا کلام محتمل معنی صحیح کو ہو پھر اس پر کفر کا حکم لگانا ان میں بحث و مباحثہ کرنا منہی عنہ اور مذموم ہے علی اختلاف مراتب النہی والمنہی عنہ۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نہ ہر مناظرہ محمود ہے نہ مذموم۔ اور اس تقریر سے تمام ان نصوص و اقوال و عادات ائمہ دین میں جو اس باب میں بظاہر متعارض نظر آتے ہیں تطبیق ہو گئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ زیادہ مناظرے اس زمانہ میں وہی شائع ہیں جو مذموم ہیں۔

مناظرہ کی شرائط

خلاصہ یہ ہے کہ مناظرہ کا جواز ان شرائط سے مقید ہے، وہ مسئلہ دین میں مقصود بھی ہو۔ دل سے یہ عزم ہو کہ حق واضح ہو جائے گا تو فوراً قبول کر لیں گے۔ یہ نیت نہ ہو کہ ہر بات کو رد کریں گے گو سمجھ میں بھی آ جائے۔ مخاطب پر شفقت ہو اگر وہ شفقت کے قابل نہ ہو صبر اور معدلت کے ساتھ مقابلہ کرے۔ اگر قرائن سے عناد مشاہد ہو تو مناظرہ سے معافی کی درخواست ترک کر دے۔

الفاظ اور مضمون نرم ہو۔ جو بات معلوم نہ ہو نہ جاننے کے اقرار سے عار نہ کرے وغیر ذلک مما ذکر فی التقریر المبسوط المار آنفا. اور جہاں یہ شرائط نہ ہوں گے جیسا آج کل مشاہد ہے وہاں مناظرہ بجائے نافع ہونے کے بالیقین مضر ہوگا، جیسا آج کل اس کی مضرتیں محسوس ہو رہی ہیں۔ وہ یہ کہ ان فضول لایعنی قصوں کو دیکھ کر عوام الناس علماء سے بدگمان ہو گئے ہیں کہ میاں ہر شخص دوسرے کی تکذیب کر رہا ہے پھر وہ بزعم خود اذا تعارضا تساقطا پر عمل کر کے سب ہی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یا ایک کی طرف ہو کر دوسرے مقابل کی بے آبروئی اور ایذا رسانی کے درپے ہوتے ہیں اور باہمی عداوت قائم ہو کر جانبین میں غیبت کا دروازہ الگ کھلتا ہے اور ایک دوسرے کی بے آبروئی کی فکر میں الگ لگے رہتے ہیں اور گروہ بندیاں ہو کر مسلمانوں کی قوت اور وقعت میں روزانہ ضعف اور انحطاط ہوتا جاتا ہے۔ کبھی عوام میں باہم مار پٹائی ہو کر نوبت بعدالت پہنچتی ہے اور ہزاروں روپیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔

بعض اوقات ان جھگڑوں کی بدولت عدالت میں علماء بلائے جاتے ہیں اور وہاں دینی کتابیں لائی جاتی ہیں جن کا وہاں کوئی ادب نہیں ہو سکتا۔ پھر بعض اوقات وہ مسائل ایسے فیصل کرنے والے کے سامنے پیش ہوتے ہیں جن کو دینیات سے مس بھی نہیں، پھر وہ جاہل عالموں کا فیصلہ اوٹ پٹانگ کرتا ہے اور اس مجموعہ کے سبب یہی متنازعین ہوتے ہیں۔ پھر اکثر ایسے مقدمات کا سلسلہ سالہا سال جاری رہتا ہے اور

اس مدت میں فریقین ضروری کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں اور پھر دوران معاملہ میں جو جو امورِ منکرہ اختیار کرنے پڑتے ہیں جھوٹ اور فریب اور چالا کی جھوٹے گواہ بنانا جھوٹے حلف اٹھانا اور پھر اس کا اثر علماء پر پڑتا ہے اور پھر اس سب کو دیکھ کر مخالفین اسلام کی نظر میں جو ذلت اور خندیدگی اور شماتت ہوتی ہے وہ مخفی نہیں۔

پھر ایک بہت بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اگر متخاصمین میں سے ایک منصف مزاج ہو اور اس نے دوسرے کی تقریر کے کسی جز کو مان لیا یا جواب صحیح سوچتا ہوا رہ گیا یا حق پرستی کے سبب کہہ دیا کہ مجھ کو اس کا جواب معلوم نہیں کسی سے دریافت کرلوں گا یا پھر سوچ کر یا دیکھ کر بتلاؤں گا، تو عوام جہلا کے نزدیک گویا وہ ہار گیا اور زیادہ تماشا دیکھنے والے عوام ہی ہوتے ہیں اور اس کے ہارنے کے ساتھ اس کا دعویٰ کیا ہوا مسئلہ بھی غلط ہو گیا۔ ان مفاسد کے ہوتے ہوئے تو مستحب بھی منہی عنہ ہو جاتا ہے چہ جائے کہ جب وہ فی نفسہٖ بھی بوجہ فقدانِ شرائط مذموم ہو۔ البتہ اگر کوئی فرد مناظرہ کی بوجہ وجدان شرائط شرعاً مطلوب ہو گو اس میں اس قسم کے مفاسد بھی ہوں تو اس کا ارتکاب کیا جائے گا، اور مفاسد کا حتی الامکان انسداد کریں گے جس کا انسداد خارج از اختیار ہو کچھ پروا نہ کریں گے۔

مناظرہ کے شرائط ومفاسد سے چشم پوشی کا نتیجہ

بعض لوگ ان شرائط و مفاسد سے غض بصر کر نے آج کل کے مناظروں کی مصلحتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ اس تقریر میں غور کرنے سے ان سب کا جواب بھی نکل آئے گا، نمونہ کے طور پر بعض جزئیات کو ذکر بھی کئے دیتا ہوں۔ مثلاً بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ نہ کرنے سے عوام الناس کے اعتقاد میں خلل پڑ جاتا ہے، جواب یہ ہے کہ اگر خاص اس مناظرہ کرنے والے سے بداعتقاد ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی دینی مضرت نہیں۔ انبیاء میں سے ہر نبی کا ماننا فرض ہے، علماء میں سے ہر عالم کا ماننا فرض نہیں اور اگر اس خاص مسئلہ میں ان کا اعتقاد بدل جاتا ہے یا تذبذب میں پڑتے ہیں تو اگر وہ مسئلہ محل اجتہاد ہے تو اعتقاد کا بدل جانا کچھ مضر نہیں، اور اگر وہ محض اجتہاد نہیں تو تصحیح ان

کے اعتقاد کی مناظرہ ہی میں منحصر نہیں مستقل و ابتدائی تقریر یا تحریر سے سمجھانا ممکن ہے، یا خود ان عوام کے ذمہ بھی واجب ہے کہ اپنے تردد، تذبذب کو علماء سے رجوع کر کے رفع کر لیں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ یہ بار بھی علماء ہی کے ذمہ ڈالا جائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ سے حق واضح ہو جاتا ہے۔ یہ مصلحت بھی مصلحت بالا کے قریب قریب ہے صرف عنوان ہی کا تفاوت ہے۔

جواب یہ ہے کہ آج کل کا مناظرہ کسی طرح معیارِ تعیین حق کا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کو معیار قرار دیا جائے کہ جو ساکت اور مغلوب ہو جائے وہ باطل پر ہے اور جو بولنے میں غالب ہے وہ حق پر ہے سو یہ تو بالکل غلط۔ بعض اوقات صاحب حق کو بوجہ جواب کے حاضر نہ ہونے کے یا اس شخص کے حاضر جواب نہ ہونے کے یا بوجہ متکلم بالباطل کی الجھی ہوئی تقریر سے پریشان و منتشر ہو جانے کے یا اس کی بدزبانی سے مشتعل و غضب ناک ہو جانے کے یا نظر اور فکر فی الجواب میں مشغول ہونے کے فی الوقت سکوت ہو جاتا ہے تو کیا اس سکوت سے وہ حق مبدل بباطل ہو گیا؟

غرض جس طرح مجاہد باللسان میں بقول الحرب سجال کبھی ایک غالب کبھی دوسرا غالب ہو جاتا ہے اسی طرح محاجہ باللسان میں بھی مشاہد ہے، سو کبھی تو ان عوارض سے صاحب حق کو سکوت ہو سکتا ہے گو آخر میں خود اس مناظرہ کے واسطے یا دوسرے اہل حق کے واسطے سے غلبہ حق ہی کو ہوتا ہے یا اہل باطل کو سکوت ہو جائے گا یا اہل فہم پر اس کا باطل ہونا معلوم ہو جائے گا، مگر اس کے لئے ابتدائی خطاب بھی کافی ہے مناظرہ کی حاجت نہیں۔ اور بعض اوقات کسی جانب بھی سکوت نہیں ہوتا یا اس مسئلہ کلام کی مجال وسیع ہے یا بقول "ملا آں باشد کہ چپ نشود" ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے اور ہر شخص دوسرے کا جواب پھر وہ دوسرا اس کا جواب الجواب پھر وہ پہلا اس جواب الجواب کا رد پھر وہ دوسرا اس کا رد کا رد، وھلم جرا دونوں اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔ چناں چہ مسائل اختلافیہ میں دور و اعصار گزر گئے اور بار شتر کتابیں ہو گئیں مگر آج تک کسی فریق

کو سکوت نہیں ہوا ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے۔

اور اگر اس طرح معیار قرار دیا جائے کہ گو سکوت کسی کو نہ ہو یا فی الوقت صاحب حق کو سکوت ہو جائے مگر طالبین حق جو متردد ہیں دونوں کی بات سن کر تصفیہ و فیصلہ کر لیں گے اور حق و باطل میں تمیز کر لیں گے۔ سو اول تو عوام الناس کا فیصلہ کہاں تک قابل اعتبار ہے جب فہم نہ ہو ممکن ہے کہ باطل والے کی تقریر کو وہ سمجھ لیں اور اہل حق کی نہ سمجھیں۔ دوسرے اگر وہ عامی فہیم ہے تو اس کے لئے مناظرہ ہی کی کیا ضرورت ہے، مستقل تقریر کو سننا سنانا بھی اس غرض کے لئے کافی ہو سکتا ہے جیسا ابھی اوپر بیان ہوا۔

پہلے علماء کے مناظرہ پر اپنے مناظرہ کو قیاس کرنا درست نہیں ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علمائے کلام نے ہمیشہ مناظرہ کیا ہے۔ سو اول تو بعض اکابر نے بعض وجوہِ کلام پر خود انکار بھی کیا ہے جیسا اوپر ''احیاء العلوم'' وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ پھر جو طرق مقبول ہوئے ہیں وہ ایسے نہیں جیسا آج کل کا طرز ہو گیا ہے۔ کتابیں دیکھ لیجئے کیسی تہذیب و متانت سے مخالف پر رد کیا ہے اور ضروری پر اکتفا کیا ہے، نہ ضلع ہے، نہ جگت ہے، نہ پھکڑ ہے، نہ ہر ہر لفظ کا رد ہے، نہ لایعنی الفاظ یا مضامین ہیں، نہ لفظی مواخذات ہیں، نہ عنادی مناقشات ہیں۔

مخالف کے وجوہِ محتملہ کا خود ابدا کرتے ہیں اور قابل قبول سامان لیتے ہیں، جو قابل رد ہوا طریقۂ حسنہ سے رد کرتے ہیں۔ سو کہاں یہ مناظرہ اور کہاں آج کل مشاجرہ! ان دونوں کے فرق کے لئے بے ساختہ یہ مصرع یاد آتا ہے:

آنچہ مردم میکند بوزینہ ہم

یہ بحث ضروری تھی مجادلین کے باب میں جن کی غرض طلب جاہ یا بزعم خود خدمت دین ہے جس پر اس آیت کا پڑھنا بالکل صحیح ہے:

﴿افمن زین له سوء عمله فراٰهُ حَسَنًا﴾ کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھلایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا۔ (الفاطر:۸)

وعظ کو طلب جاہ کا ذریعہ بنانے کی خرابی

بعضے لوگ وعظ کو طلب جاہ کا آلہ بناتے ہیں جیسا بعضے اس کو طلب مال کا آلہ بناتے ہیں جن کا ذکر اس فصل کے شروع میں ہو چکا ہے۔

حدیث میں اس کی مذمت بھی آئی ہے:

عن عوف بن مالک الا شجعی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: لایقص الا امیر او مامور او مختال.

امیر، مامور اور متکبر کے سوا کوئی بیان نہیں کرتا، ایک روایت میں متکبر کی جگہ ریا کار آیا ہے۔(رواہ أبوداؤد ورواہ الدارمی عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ، وفی روایۃ: او مراء بدل او مختال)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: من تعلم صرف الکلام لیسبی بہ قلوب الرجال او الناس لم یقبل اللہ یوم القیامۃ صرفا ولا عدلاً.

جو شخص باتیں بنانا سیکھے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا نہ نفل عمل قبول کریں گے اور نہ فرض۔(رواہ ابوداؤد)

اور ایسا شخص اس قاصد مال سے بھی بدتر ہے کیوں کہ طالب مال طبعاً اپنے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور یہ شخص اپنے کو بڑا اور مال نہ لینے کے سبب اپنے کو مقدس سمجھتا ہے۔ اور ایسے شخص کے وعظ میں مسلمانوں کی تحقیر اور ایذا اور طعن بلکہ سب وشتم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا بلکہ بڑا حصہ اس کے وعظ کا یہی ہوتا ہے۔

علماء ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے ان کو ویسی ہی شفقت امت پر ضروری ہے۔ اور ایک مشترک خرابی طالب مال وجاہ واعظین میں یہ ہے کہ بدون کافی علم کے وعظ کہنے لگتے ہیں اور مسئلہ پوچھنے پر کبھی نہیں کہتے کہ ہم نہیں جانتے، خود اس پر بھی وعیدیں مثل ضلوا وأضلوا کی وارد ہیں۔ اور حدیث مذکور لایقص الخ سے محققین ومحقین واعظین پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ نہ امیر ہیں نہ مامور من الامیر، پس یہ

بھی محتاج ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ عام اہل ایمان کی رغبت والتجا بجائے امر ٰ من الامیر کے ہے کیوں کہ امیر کی امارت بھی اسی اتفاق پرمبنی ہے۔

حاصل فصل کا یہ ہے کہ علم دین پڑھ کر اس کو آلہ دنیا کے مال کا یا جاہ کا بنانا علمائے سوء میں داخل ہونا اور امت کے لئے مضر بننا ہے۔

مال اور جاہ بقدر ضرورت دوسرے ذرائع سے حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ بلا اکتساب ہی اللہ تعالیٰ مخلصین متقین کو عطا فرماتے ہیں جیسا وعدہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی: ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب﴾

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچا تا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق:۲،۳)

قال اللہ تعالٰی: ﴿ھم الذین یقولون لاتنفقوا علٰی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا وللہ خزآئن السمٰوٰت والارض﴾

یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جولوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے۔ حالاں کہ اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے سب خزانے۔ (المنافقون:۷)

تیسری فصل

مدارس کی بعض اصلاحات میں

مدارس میں بھی بعض اصلاحات کی ضرورت ہے

اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارسِ علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔ ان کو بے کار بتلانے والا معلوم ہوتا ہے ابھی تک اسلامی ضرورت سے اور مدارس کے اثر سے محض بے خبر ہے۔ مختصر بیان اس کا یہ ہے کہ اسلام نام ہے خاص عقائد اور خاص اعمال کا جس میں دیانات و معاملات و معاشرات و اخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم دین پر اور علوم دینیہ کا بقا ہر چند کہ فی نفسہٖ موقوف نہیں ہے مدارس پر مگر باعتبار عوارض وقتیہ عادتاً ضرور موقوف ہے مدارس پر۔ جس شخص کو تجربہ ہوگا وہ اس حکم میں ذرا توقف نہیں کر سکتا اور جس کو توقف ہو وہ تجربہ کر سکتا ہے اس لئے اس میں تطویل کلام کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔

غرض بالیقین یہ مدارس خدا تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت اور بہت بڑی نعمت ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم جیسے بعض عمال و خدام کی سوئے تدبیر سے ان مدارس میں متعدد امور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے، اور اصلاح نہ ہونے سے اہل علم کی جماعت معترضین کا ہدف ملامت بھی بنتی ہے، اور خود روح مدارس کی کہ ان کی اقامت کی غایت ہے یعنی عمل بالدین وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور نیز ان امور کو دیکھ کر دوسروں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ لوگ علوم دینیہ سے متوحش اور

نفور ہو جاتے ہیں۔ اور سبب اس کا جماعت اہل علم کی ہوتی ہے تو گویا درجہ تسبب میں ﴿یصدون عن سبیل اللہ﴾ کے مصداق میں داخل ہوتے ہیں، اس لئے ان امور کی اصلاح کے متعلق مختصرا عرض کر کے اہل علم کو ان کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور اگر میری کوئی رائے خلاف تحقیق ہو تو اس کے عرض کرنے سے معافی چاہتا ہوں۔ اس وقت جو امور ذہن میں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ زبردستی چندہ لینا درست نہیں

بعض جگہ چندہ فراہم کرنے میں قواعد شریعت و مروت کے خلاف کیا جاتا ہے جس کا بیان بقدر ضرورت باب ہذا کی دوسری فصل میں ہوا ہے۔ اسی کے فروع میں سے ایک وہ رسم ہے جو بعض برادریوں میں التزام کے طور پر مقرر ہے کہ جب ان میں شادی ہو تو مدرسہ کے لئے کوئی خاص رقم ضرور نکالی جائے۔ واقعات کی تفتیش سے ثابت ہوا ہے کہ اس میں اکثر ثقل اور جبر ہوتا ہے۔

اگر کسی نے مانگ لیا تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر نہ بھی مانگا تب بھی احتمال غالب ہے کہ یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ نہ دینے سے تمام برادری کے خلاف ہوگا بات ہلکی ہوگی اس لئے گو دل نہ چاہے مگر ضرور دیتے ہیں۔ میں نے اس کا اچھی طرح تصریح کرا کر تجربہ کیا ہے، لوگوں نے صریح اقرار کراہتاً کا کیا۔ برادری میں جن لوگوں کو فرد خرچ کا لکھنا سپرد رہتا ہے وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مدرسہ کا اور اسی طرح مسجد کا مد اس میں ہرگز نہ رکھیں ہر چند کہ تمام مدات اس فرد کے یہی حکم رکھتے ہیں اور لڑکے والے سے ان رقوم کا وصول کرنا ہرگز جائز نہیں مگر مسجد و مدرسہ میں ایسی رقم کا لگانا اور بھی برا ہے کہ

حدیث ہے: **ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب.**

بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ مال کو قبول کرتا ہے۔

پس دین کے کام میں ایسی رقم لگانا جو بطریق غیر مشروع وصول کی گئی ہو اور بھی زیادہ مذموم ہے۔ اسی طرح بعض دیہات میں ہل پیچھے کچھ غلہ مقرر ہو جاتا ہے۔ اس

ہیں علاوہ بے احتیاطی مذکور کے بعض جگہ یہاں تک بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اگر اس ہل کا کھیت کسی یتیم کا ہو اس سے بھی وہ حصہ لے لیتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں۔ اسی کے فروع میں سے ایک یہ ہے کہ دوامی چندہ میں بعد موت وعدہ کرنے والے کے اس کے ورثہ اس چندہ کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے ملک مختص سے اس کو جاری رکھا ہے یا ترکہ مشترکہ سے اور اس ترکہ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی تو نہیں ہے۔ اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں دینے کے وقت اس میت کے ورثہ اور اس کے بلوغ اور رضا کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

۲۔ دوامی چندہ نہ دینے والوں کے نام شائع کرنا بُری بات ہے

چندہ دوامی میں جو آخر سال میں بقایا واجب رہ جاتا ہے میرے نزدیک اس بقایا کا طبع کرنا امر منکر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں اظہار ہے صاحب چندہ کی نادہندی وخلف وعدہ کا۔ میں نے مدرسۂ کان پور میں اس کی اس طرح اصلاح کی ہے کہ روئداد میں صرف وصول شدہ چندہ لکھا جاتا تھا اور بقایا کو مدرسہ کے خاص رجسٹر میں محفوظ رکھا جاتا تھا جس کی یاددہانی بذریعہ خط کے خاص طور پر کردی جاتی تھی۔ اور میرے نزدیک یاددہانی میں ضروری ہے کہ لزوم وتاکد کے الفاظ نہ ہوں بلکہ تصریح کردی جائے کہ آپ کو اطلاع کی جاتی ہے، اگر رغبت ہو بھیج دیجئے ورنہ آپ آزاد ہیں۔ اور یہ کبھی خیال نہ کیا جاوے کہ اس طرح پھر کون دیتا ہے۔ یہ سب خیال غلط ہے۔ جتنا آنا ہوتا ہے آتا ہے اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے۔

۳۔ صحیح حیلۂ تملیک

بعض رقوم جو واجب التملیک مدرسہ میں آتی ہیں اور ضرورت ہوتی مدرسہ کے مدات غیر واجب التملیک میں، تو اس میں ایک حیلہ تملیک کا کیا جاتا ہے جو سب کو معلوم ہے، لیکن چوں کہ جانبین کو معلوم ہے کہ اس میں تملیک حقیقتاً ہرگز مقصود نہیں۔ جس کا ایک امتحان بھی ہے اگر وہ مسکین بعد قبضہ کے پھر داخل مدرسہ نہ کرے تو اس

وقت دیکھئے کس قدر بے لطفی و بدمزگی ہوتی ہے بلکہ عجب نہیں کہ اس سے چھین لیا جائے یا تمام عمر کے لئے اس کی صورت سے بے زار ہو جائیں، تو اگر وہ تملیک حقیقی تھی تو پھر اس جبر کے کیا معنی؟ اور اگر تملیک نہیں تو واجب یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوا تو معطی نے مہتمم کو امین سمجھ کر وہ رقم اس کے سپرد کی اور اس نے اس طرح اس کو ضائع کیا۔

اگر مدات غیر واجب التملیک ہی میں صرف کرنا ہو تو اس کی ایک اور صورت اس سے بہتر ہے گو وہ بھی خلوص کے خلاف ہے مگر قواعد کے خلاف نہیں۔ وہ یہ کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جائے کہ وہ مثلاً بیس پچیس روپے کسی سے قرض لے کر مدرسہ کے اس مد ضروری الوقت میں تبرعاً دے دے اور پھر مہتمم وہ رقم واجب التملیک اس مسکین کو بتملیک حقیقی بغرض اعانت ادائے قرض کے دے دے پھر قرض خواہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اگر نہ دے تو اس سے چھین لینا جائز ہے۔

۴۔ چندہ کی رقم میں عدم احتیاط

بعض لوگ رقوم چندہ میں اس طرح بے جا اخراجات اور خلاف اذن تصرفات کرتے ہیں جیسے گویا ان کی ملک ہے۔ اس میں بہت احتیاط کرنا چاہئے۔ تفصیل اس کی خود واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۵۔ کھانے کیلئے طلبہ کو کسی کے گھر بھیجا مناسب نہیں ہے

اکثر جگہ جہاں طلبہ کو لوگ ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں طلبہ کے لئے معیوب ہے کہ کسی کے گھر پر کھانا لینے جائیں کہ اس میں سخت تحقیر و اہانت ہے علم اور اہل علم کی۔ نیز اس میں ایک اخلاقی خرابی ہے وہ یہ کہ دوسرے سے مانگنے میں انقباض طبعی یعنی جھجک نہیں رہتی دل کھل جاتا ہے، اور یہی انقباض طبعی حیا کی ایک بڑی فرد ہے جو مانع ہے انسان کو سوالِ مذلت سے۔ جب یہ نہ رہی۔

تو اب اس کا سوال سے رکنا عقلاً ہوگا طبعاً نہ ہوگا۔ اور غرض ایک ایسی چیز ہے جو مانع عقلی کو بہت جلد رفع کر دیتی ہے۔ ایسے وقت مانع طبعی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب وہ نہ رہی تو اس شخص کو جب موقع ہوگا بے تکلف لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا دے گا، تو گویا عمر بھر کے لئے اس کا ایک کمال فطری برابر ہوگیا۔ پھر جب اس شخص کی قدر و منزلت کسی کے دل میں نہ رہی تو اس کا وعظ وارشاد کیا نافع و موثر ہوگا۔

اس لئے میری رائے (جس پر میں پہلے مدرسہ جامع العلوم کان پور میں اور اب مدرسہ تھانہ بھون میں کاربند بھی رہا اور ہوں) یہ ہے کہ اس طریقہ کو بند کر دیا جائے، جو شخص طالب علم کو کھانا دینا چاہے وہ مدرسہ میں بھیج دے اسی طرح دعوت میں بھی طلبہ کو نہ بھیجا جائے، جس شخص کو کھلانا ہو مدرسہ میں لا کر کھلا دے۔ اس سے ان کی عزت بھی محفوظ رہے گی اور خود ان میں ایک شان استغنا واولوالعزمی وحیا کی پیدا ہوگی جس کا اثر لوگوں پر بہت اچھا ہوگا۔

اور ہر چند کہ پہلے بزرگوں نے طلبہ کے لئے اس کو گوارا رکھا ہے، لیکن اُس وقت کے عوام دنیادار اور اہل علم کو ذلیل نہ سمجھتے تھے۔ پس اس میں یہ مفسدہ نہ تھا، بلکہ وہ لوگ ان حضرات طلبہ کے آنے کو اپنے گھر کے لئے موجب برکت سمجھتے تھے اور خود طلباء کے کبر کا معالجہ بھی اس میں تھا اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا۔

اور اب عوام کے حالات وخیالات اکثر بدل گئے اس لئے مفسدہ حادث ہوگیا اور قاعدۂ شرعیہ ہے کہ جس امر میں مفسدہ ومصلحت دونوں ہوں وہ واجب الترک ہوتا ہے۔ رہا علاج کبر کا تو وہ دوسرے طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں یہ مفسدہ تحقیر کا نہ ہو وہ اس منع سے مستثنیٰ ہے اور اسی کی ایک فرع ہے طلبہ کو فراہمیٔ چندہ کے لئے سفر کرانا اور اس کے بھی وہی آثار ہیں جو کھانا لینے کے لئے گھروں پر جانے کے ہیں والاستثناء الاستثناء۔

۶۔ طلبہ کے اعمال اور وضع قطع پر روک ٹوک ضروری ہے

بعض مدارس میں طلبہ کے اعمال واوضاع پر اصلاً روک ٹوک نہیں ہے، اس سے جو برا اثر عوام پر اور خود ان طلبہ پر واقع ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔

۷۔کمال علمی کے بغیر سند فراغ دینا نقصان دہ ہے

بعض مدارس میں ایسے لوگوں کو سند فراغ دے دی جاتی ہے یا دستار بندی کر دی جاتی ہے جو باعتبار کمال علمی یا اصلاح عملی کے اس کے اہل نہیں ہوتے جب ان لوگوں کی علمی یا عملی کوتاہی دوسروں پر ظاہر ہوتی ہے تو دوسرے علماء کو ان پر قیاس کر کے سب سے بدظنی پیدا ہو جاتی ہے، اور جب علماء سے بدظنی ہوگئی تو دین کے باب میں کس سے رجوع کریں گے، کس کے قول پر عمل کریں گے، پھر دین کا کیا حشر ہوگا، تو سبب ان مفاسد کے یہ بے احتیاط لوگ ہوئے جو نااہلوں کو قوم کے سامنے مقتدا ظاہر کرتے ہیں۔

۸۔مدارس میں تقریر و تحریر کا انتظام کرنا چاہئے

اکثر مدارس میں طلبہ کی تقریر و تحریر کا کوئی انتظام نہیں اس میں اہل علم کو عاجز ہونا، ان کی منصبی خدمات کا ضعیف ہونا ہے اس لئے اس کا خاص انتظام واہتمام ضروری ہے۔

۹۔طلبہ کی رائے کے مطابق تعلیم مناسب نہیں ہے

اکثر مدارس میں طلبہ کی رائے پر تعلیم ہوتی ہے جس سے ان کی استعداد سر تا سر برباد ہو جاتی ہے۔اسی حالت میں برائے نام تکمیل ہو جاتی ہے اور کسی کام کے لائق ہوتے نہیں۔پس اس سے بھی وہی مفاسد مذکورہ نمبر ۷ حادث ہوتے ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ ان کو پابند قواعد کا بنایا جائے خواہ طالب علموں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جائے کام کے دو چار ناکارہ سو دو سو سے بھی افضل ہیں۔

۱۰۔مدارس میں تجوید اور اخلاق کی کتاب داخل درس ہونا ضروری ہے

اکثر مدارس میں تجوید کا علم و عمل داخل نصاب نہیں۔اسی طرح اخلاق کی کوئی کتاب درس میں نہیں۔اول کی کمی کا یہ نتیجہ ہے کہ اکثر طلبا بلکہ علماء بھی افسوس ہے کہ قرآن مجید اچھا نہیں پڑھتے جس پر عوام بھی ہنستے ہیں۔کتنا بڑا ظلم ہے کہ عالم امام ہو اور نماز بروئے فقہ درست نہ ہو۔دوسری کی کمی کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں

ہوسکتا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے مکار پیر بن گئے اور وہ خلقت کی دنیا و دین کو ذبح کر رہے ہیں۔

طلبہ پر لازم کیا جاوے کہ تجوید علماً وعملاً حاصل کریں اور کتب اخلاق کو درس میں داخل کریں اور بعد فراغ التزاماً طلبہ محققین اہل اللہ کی خدمت میں حسب گنجائش قیام کریں اور ان سے آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کریں اور چندے ان کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں جس سے کہ نسبت باطنہ ایک گونہ راسخ ہوجائے۔ پھر خلق اللہ کے ارشاد کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عموماً عوام اہل اسلام ان سے وابستہ ہوکر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون

﴿قل جآء الحق وما یبدی الباطل وما یعید۝﴾ (السباء:۴۹)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔

۱۱۔ مدارس کا باہم تصادم بہت نقصان دہ ہے

بعض مدارس میں یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ سبب مدارس اسلامیہ کی غرض متحد ہے یعنی خدمت علوم دینیہ، مگر پھر بھی ان میں سے بعض میں باہم تزاحم و تصادم ہوتا ہے۔ کہیں اعلانیہ کہ ہر مدرسہ کی طرف سے دوسرے مدرسہ کے خلاف تحریراً و تقریراً سعی ہوتی ہے۔ اشتہارات میں دوسرے کو گھٹایا جاتا ہے۔ اہل چندہ کو دوسری جگہ کی اعانت سے منع کیا جاتا ہے اور کہیں خفیہ طور پر کہ عوام کو تو اطلاع نہ ہو مگر کارکن لوگ اور دوسرے اہل فہم بھی سمجھ جاتے ہیں پھر شدہ شدہ عوام پر بھی اس کا ظہور ہوجاتا ہے، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ بس یہ مدارس اسی غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مال و جاہ حاصل کریں، ورنہ اگر محض دین مقصود ہوتا تو دوسرے کو دینی خدمت کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہونا چاہئے تھا کہ اپنے اوپر سے بار ہلکا ہوتا ہے برخلاف اس کے جب دنیا مقصود ہوگی تو دوسرے کا وجود اس میں مخل ہوگا اور اس لئے تنافس و تحاسد اس کے لئے لازم ہے۔

پھر یہ تزاحم یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ اہل چندہ سے متجاوز ہو کر طالب علموں تک کو ہر مدرسہ اپنی اپنی طرف کھینچتا ہے۔حتیٰ کہ اس کشاکشی میں بعض اوقات طالب علموں کی اطاعت کی جاتی ہے۔اس تزاحم کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ دوسرے مدرسہ میں چندہ کا زیادہ آنا، اس طرف اہل اعانت کا زیادہ راغب ہونا، وہاں کا جاہ وقبول وہاں کام زیادہ ہونا یہ سب ناگوار ہوتا ہے اور اس امر کے اظہار کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مدرسہ میں وہ سب خوبیاں ظاہر اور ثابت کریں گو واقع میں نہ ہوں اور گو ثابت بھی نہ ہو سکے۔سو یہ سب دلیل ہے عدم خلوص اور عدم للّٰہیت کی۔ان سب مفاسد کی اصلاح ضروری ہے۔چناں چہ کانپور میں کئی سال رہ کر مجھ کو اس کا خوب تجربہ ہوا۔

مسلمانوں کو تنبیہ

بعض مدارس میں جتنے مفاسد اوپر لکھے گئے ہیں ان میں سے ان مدارس کو بے کار نہ سمجھا جائے۔اس حالت میں بھی ان سے جو کچھ نفع دین ہے اس کے اعتبار سے ان کا وجود نہایت غنیمت وضروری ہے۔اس حال میں سب مسلمانوں پر ان کی خدمت واجب ہے،البتہ اصلاح میں حتیٰ الوسع سعی بھی کریں۔

۱۲۔بعض مدرسین کی کوتاہی

ایک عادت بعض مدرسین کی یہ ہے کہ کوئی مقام کتاب کا شرح صدر کے ساتھ حل نہ ہو مگر ہرگز طالب علم کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں گے۔الٹی سیدھی توجیہ گھڑ کر کچھ نہ کچھ ہانکتے رہیں گے۔اسی طرح اگر بعض اوقات غلط تقریر ہو جاتی ہے اور اتفاق سے کسی طالب علم کا ذہن صحیح مدلول تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی تقریر کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔اپنی ہی سخن پروری کرتے رہیں گے۔

یا کسی مقام پر مصنف سے کچھ تسامح ہو جائے تب بھی اس کو خواہ مخواہ بناتے رہیں گے، اس میں علاوہ گناہ کے ایک خرابی یہ ہے کہ طالب علم کے اندر قبول حق اور انصاف کا مادہ کبھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی مثل اپنے استاد کے مُصر علی الباطل وسخن

پرور ہوتا ہے۔ اور اس سخن پروری کے اثر سے شدہ شدہ فہم میں بھی کجی پیدا ہو جاتی ہے اور سبب اس کا محض کبر ہے کہ آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میری سبکی ہوگی حالاں کہ اول تو یہی غلط ہے قبول حق سے ہمیشہ مدح کی جاتی ہے اور آبرو بڑھتی ہے۔ پھر اگر ایسا بھی ہوا تو اصرار علی الباطل کے مفاسد دنیویہ واخرویہ کے مقابلہ میں تھوڑی سی سبکی بہت سہل ہے۔ اور بھی بعض ضروری اصلاحات ہیں جن کو میرے مشفق مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی نے اپنی ایک تحریر مسمی بہ ناصح الطلبہ میں بیان کیا ہے جو کہ اس رسالہ کے آخر میں ملحق ہے اس کو بھی ضرور ملاحظہ فرمالیا جائے۔

چوتھی فصل

واعظین ومصنفین اور مفتیوں کی اصلاحات

واعظین ومصنفین ومفتیین کی اصلاحات میں چوں کہ مثل درس کے جس کا ذکر اوپر ہوا وعظ وتصنیف وافتا بھی من جملہ وظائف اہل علم کے ہے اس لئے اس کے متعلق اصلاحات بھی علی الترتیب قابل ذکر ہیں۔

اہل علم کا وعظ نہ کہنا غلط ہے

اصلاحات متعلق وعظ۔ ایک کوتاہی تو وعظ نہ کہنے کی ہے کہ اکثر اہل علم کو دیکھا ہے کہ وعظ کے صرف تارک ہی نہیں بلکہ اس سے نفور اور اس کی تحقیر کرنے والے ہیں اور اس سے عار کرتے ہیں اور وعظ کہنے کو خلاف شان علم سمجھتے ہیں اور یہ خطائے عظیم ہے۔ اصل طریقہ تعلیم دین کا جس کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ وارشاد ہے جس کے ذریعے سے تبلیغ دین فرماتے تھے، باقی درس وتالیف وغیرہ تو اس کے تابع ہے کیوں کہ سلف میں بوجہ اہتمام حفظ وتدوین صرف زبانی روایت وخطبات عامہ پر قناعت اور وثوق کیا جاتا تھا بعد میں حفظ علوم کے لئے درس و

تالیف کی ضرورت ہوئی۔ پھر اس حفظ سے ظاہر ہے کہ مقصود وہی تبلیغ و خطاب زبانی ہے جس کی قسم عام کو وعظ کہا جاتا ہے۔ پس مقصود بالذات اس تمام تر اشتغال بالدرس والتالیف سے وعظ ہی ٹھہرا۔ پس مقصود بالذات کی اماتت کتنی بڑی خطا ہے۔

بعض واعظین کی کوتاہیاں

بقیہ جو کوتاہیاں وعظ کہنے کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:

ا۔ وعظ کہہ کر نذرانہ لینا یا پہلے سے ٹھہرالینا جس کا ایک اثر یہ ہے کہ اس وعظ کا کسی پر اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا اثر یہ ہے کہ واعظ اظہارِ حق سے بخوف فوت مال رکتا ہے اور تنخواہ لے کر وعظ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی باب کی دوسری فصل میں اس کا کچھ مبسوط بیان ہوا ہے۔

۲۔ وعظ میں غیر ضروری یا مضر عوام مضامین مثل دقائق تصوف و مسائل عربیہ بیان کرنا۔ ۳۔ مغلق تقریر وعظ میں کرنا۔

۴۔ کسی خاص شخص پر وعظ میں تعریض کرنا جس سے فتنہ کا باب مفتوح ہوتا ہے۔

۵۔ وعظ میں کسی کی فرمائش کے تابع بن جانا ونحو ذالک۔

تصنیف میں کوتاہیاں، اصلاحات متعلقہ تصنیف

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں:

ا۔ غیر مفید فنون میں تصنیف کرنا۔

۲۔ ردوقدح ومجادلہ کو اپنی تصنیف کا معظم مقصود بنالینا۔

۳۔ ایسے مباحث لکھنا جن کی ضرورت عوام کو نہ ہو یا اس کو مشوش کرنے والے ہوں، مثل نازک مسائل تصوف یا کلام کے اور اگر خواص کو نفع پہنچانے کی ایسی ہی ضرورت ہو تو خاص زبان میں مثلاً عربی میں لکھے کہ عوام الناس کی نظر تک نہ پہنچے۔

۴۔ تصنیف کر کے حق تصنیف بیع کرنا۔

۵۔ محض تجارت کے لئے عوام کے مذاق پسند تصنیف کر کے اس سے روپیہ حاصل کرنا۔

فتویٰ دینے میں کوتاہیاں

اصلاحات متعلقہ افتا۔ اس میں یہ کوتاہیاں ہیں:

۱۔ استفتا لے کر رکھ لینا اور مہینوں جواب نہ دینا۔

۲۔ محض تحصیل زر کے لئے افتا کو آڑ بنا کر اس پر فیس وغیرہ مقرر کرنا، البتہ اگر سچ مچ اس کی تکمیل وانتظام میں کچھ خرچ ہوتا ہو تو بقدر اس کے پورا کرنے کے کوئی مناسب مقدار اہل استطاعت پر بطورِ فیس کے لگا دینے کا مضائقہ نہیں۔

۳۔ ہر سوال کے جواب کی کوشش کرنا اگر نہ بھی معلوم ہو تو یہ نہ کہنا کہ میں نہیں جانتا بلکہ کھینچ تان کر کچھ لکھ دینا، اسی طرح معلوم ہونے پر بھی ہر سائل کو سوال کا جواب دے دینا اس کا اثر بھی عوام میں بہت مذموم ہوتا ہے۔ پھر سائلین علماء کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو سوال فی نفسہ غیر ضروری ہو یا اس سائل کے اعتبار سے غیر ضروری ہو صاف کہہ دیا جاوے کہ یہ سوال غیر ضروری ہے۔

یا سائل دلیل دریافت کرے اور لیاقت دلیل سمجھنے کی نہ رکھتا ہو مجیب کو صاف جواب دے دینا چاہئے اس کے سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔ جب دلیل انی کے ذکر کرنے میں اس قدر تنگی کا مشورہ دیتا ہو تو علت یعنی دلیل لمی دریافت کرنے کی تو کبھی عوام کو گنجائش ہی نہ دے کہ اس کا علم تو خود علماء کو بھی پورا پورا نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ مثلاً نماز پانچ وقت فرض ہونے کی دلیل انی تو ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دلیل لمی اس کی وہ حکمتیں ہیں جن کی بنا پر نماز فرض کی گئی جس کو آج کل کی عام اصطلاح میں فلاسفی کہتے ہیں۔ اور جب مطلق دلیل بتلانے میں بھی سائل کی فرمائش کا پورا کرنا نامناسب ہے تو دلیل میں تخصیص کا اتباع تو اور بھی زیادہ نامناسب ہوگا۔ مثلاً بعضے فرمائش کیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس کا ثبوت لاؤ۔

اب مجیب صاحب ہیں کہ قرآن میں تلاش کرنے کے لئے پریشان ہیں دوسروں سے مدد لیتے پھرتے ہیں۔ مجھ کو ان حضرات کے تکلف سے تعجب ہوتا ہے کہ حکم شرعی

کے لئے مطلق دلیل شرعی کافی ہے دلیل خاص کی حاجت نہیں۔

اور ادلۂ شرعیہ چار ہیں: کتاب وسنت واجماع وقیاسِ مجتہد۔ ان میں سے اگر ایک دلیل سے بھی حکم ثابت کر دیا جائے وہ ثابت ہو جائے گا، البتہ حسب تفاوتِ ادلہ کے خود ان احکام کے ثبوت کا درجہ بھی متفاوت ہوگا۔

۴۔ بعضے مستفتی حیلے پوچھا کرتے ہیں ہرگز نہ بتلانا چاہئے۔

۵۔ بعض اوقات سوال مہمل ہوتا ہے اور وہ محتمل دو صورتوں کو ہوتا ہے اور ہر صورت کا حکم جدا ہوتا ہے۔ وہاں اکثر اہل علم تشقیق سے جواب دے دیتے ہیں کہ اگر یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور اگر وہ صورت ہے تو وہ حکم ہے۔ اس کا تجربہ کاروں نے منع فرمایا ہے کہ اس سے ناخدا ترس لوگوں کو اپنی مرضی کے موافق سوال تراش لینے کی گنجائش ملتی ہے کہ وہ اسی شق کے مدعی بن جاتے ہیں اور اصل واقعہ ملبس ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق بندہ نے کسی قدر پرچۂ ''القاسم'' نمبر (۱) جلد (۱) میں بھی لکھا ہے ملاحظہ فرما لیا جاوے۔

پانچویں فصل

متفرق اصلاحات

اہل علم کا لباس وغیرہ میں تکلف کرنا نامناسب ہے

بعض متفرق اصلاحات میں۔ مثلاً بعض اہل علم کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے کو خوب بناؤ سنگھار سے رکھتے ہیں۔ لباس میں بھی بہت تکلف کرتے ہیں۔ یہ امر شان علم کے بالکل خلاف ہے، اور علامت اس کی یہ ہے کہ یہ ضروری خدمات علم سے بے فکر ہیں، کیوں کہ اس کی فکر کے ساتھ ان تکلفات کی طرف ہرگز التفات نہیں ہوتا اتنی گنجائش اور مہلت بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح کھانے اور سواری میں اس کا اہتمام، یا مجلس میں صدر پر بیٹھنے کا شوق، یا مجمع میں امام ہونے کا خیال، یا چلنے میں تقدم کی فکر یہ سب شعبے ہیں ریا اور کبر کے، اور منافی ہیں غرض علم کے۔ تواضع واجبات شرعیہ وعقلیہ سے ہے اور نافع ہے تکمیل خدمت دین میں کہ اس سے لوگوں کو انس اور انس سے ان کو نفع دین بآسانی پہنچتا ہے۔ اسی طرح بروئے حدیث **البذاذة من الایمان** (سادگی ایمان میں سے ہے۔) سادگی ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہے کہ مساکین کو بُعد و توحش نہیں ہوتا۔ اور یہ لوگ دین کے زیادہ قبول کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو ضرور قریب رکھنا چاہئے۔ البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔ **تنظفوا افنیتکم** ضرورت تنظیف کو بتلا رہا ہے، جب افنیہ جن کو تلبس بعید ہے واجب التنظیف ہیں تو لباس جس کو تلبس قریب ہے اور بدن کا جزو ہے کیوں کر واجب التنظیف نہ ہوگا۔ اور مثلاً دوسرے مولویوں کو بھلا برا کہنا کہ علاوہ اس کے کہ بعض اوقات معصیت بھی ہوجاتی ہے عوام پر برا اثر ہوتا ہے۔ وہ سب سے بدگمان

ہوجاتے ہیں۔ اگر کسی صاحب باطل کے شر سے بچانا ہی ضروری ہو تو تہذیب کے ساتھ اطلاع کردینا کافی ہے۔ اور جس طرح خود اس میں مشغول ہونا مضر ہے، اسی طرح دوسرے مشغول کے ساتھ شریک ہوجانا یعنی کسی دوسرے شکایت کرنے والے سے شکایت مولویوں کو سن لینا بھی ایسا ہی مضر ہے بلکہ غیر مولویوں کی مذمت کرنا یا سننا بھی گو کسی حالت میں جائز بھی ہو مگر علماء کی شان کے مناسب نہیں۔ بعض دفعہ اس میں کوئی ایسا مفسدہ پیدا ہوجاتا ہے کہ اپنے دین میں حرج ہونے لگتا ہے۔

اور مثلاً کسی کے فیصلہ میں پڑنا گو فی نفسہٖ طاعت ہے لیکن حسب ارشاد نبوی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: لا تقضين بين اثنين. (تم ہرگز دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو) ان علماء کو جو حکام نہیں ہیں اس میں پڑنا مناسب نہیں کہ اس میں بدنامی اور شبہ طرف داری کا ہوتا ہے، پھر جو نفع دین مسلمانوں کے ساتھ یکساں تعلق رکھنے سے ہوتا ہے وہ فوت ہوجاتا ہے۔ البتہ ایک صورت فیصلہ کی بہت اسلم یہ ہے کہ فریقین اگر درخواست کریں تو ان سے کہے کہ تم دونوں مل کر سوال لکھ کر اپنے اپنے دستخط کردو۔ پھر اس پر حکم شرعی بطور جواب لکھ کر حوالہ کرے کہ اس پر دونوں عمل کرلو یا کسی ثالث کو حکم مقرر کرکے اس سے نافذ کرالو۔

اور اسی مصلحت سے مناسب ہے کہ کسی شخص کے دنیوی معاملے میں دخل نہ دے اور اسی مصلحت سے مناسب ہے کہ مالی معاملات سے علیحدہ رہے۔ مثلاً چندہ وصول کرنا یا اس کا تحویل دار بننا یا اس کے صرف کا اہتمام لینا یہ سب صورتیں بدگمانی اور تہمت کی ہیں۔ ایسے کام متدین رؤسا کے متعلق ہونے چاہئیں البتہ ان رؤسا کو چاہئے کہ جو کام کریں علماء سے حکم شرعی دریافت کرکے کریں۔

خاتمہ

اہل دنیا کا سلوک علماء کے ساتھ

ان باہمی تعلقات کے بیان میں جو اہل دنیا اور اہل علم میں ہونے چاہئیں۔

مختصران کا یہ ہے کہ:

۱۔ دنیا دار علماء کو اپنا مخدوم سمجھیں۔

۲۔ ان کا ادب اور تعظیم کرنا۔

۳۔ وہ جو کام دین کا کر رہے ہیں جس میں مال کی ضرورت ہو بدون ان کی استدعا کے اس میں اعانت کریں۔ ۴۔ جو بات ان سے پوچھیں ادب سے پوچھیں۔

۵۔ دلائل دریافت نہ کریں۔

۶۔ اگر کوئی شبہ رہے معاندانہ سوال نہ کریں مستفیدانہ پوچھیں۔

۷۔ اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو ان کی مذمت نہ کریں آخر وہ بشر ہیں ان سے بھی خطا ہوتی ہے، وہ اس حال میں بھی تمہارے نفع اور ہدایت کے لئے کافی ہیں تم ان کے اقوال پر عمل کرو افعال کو مت دیکھو۔ ۸۔ تمہارا شبہ ایک عالم سے حل نہ ہو دوسرے سے حل کرو اور ایک کا قول دوسرے سے روبرو مت نقل کرو۔

اہل علم کو سلوک اہل دنیا کے ساتھ

اور علماء کو چاہئے کہ:

۱۔ دنیا داروں کو اپنا برابر کا بھائی سمجھیں۔

۲۔ ان سے تعظیم وخدمت کے متوقع نہ ہوں۔

۳۔ اگر بلا توقع کچھ کر دیں تو یوں سمجھیں کہ علم اور دین کی خدمت تو ہماری ذمے تھی، انہوں نے احسان کیا کہ ہماری اعانت کی۔ اس میں قیل و قال نہ کریں۔ جیسے بعض کی عادت ہے کہ کہیں تقرر تنخواہ پر تکرار ہے، کہیں ترقی تنخواہ کا تقاضا ہے، کہیں نذرانہ پر بحث ہے۔

۴۔ اگر ان سے کچھ بے تمیزی ہو جائے صبر کریں، بدمزاجی نہ کریں۔ یہ سمجھ لیں کہ جب ان کو ہمارے برابر علم نہیں تو ہمارے برابر تمیز کیسے ہوگی۔

۵۔ اگر کسی کو قولاً یا فعلاً حدِ شرع سے متجاوز دیکھیں جس پر حکومت اور قدرت نہ ہو اس پر تشدد نہ کریں، نرمی اور دلجوئی سے بہت اصلاح ہوتی ہے۔

۶۔ اگر عامی کوئی حق بات کہے قبول کرنے سے عار نہ کریں۔

۷۔ اگر کسی مسئلہ میں اپنی غلطی ظاہر ہو اعلان کر دیں۔ اب اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ باوجود اختصار کے ضروریات متعلقہ علومِ دینیہ کے لئے جامع اور علماء و عوام دونوں کے لئے نافع ہے۔

ان أريد الا الاصلاح ما استطعت

وماتوفيقي الا بالله عليه توكلت واليه أنيب.

آغاز رجب ۱۳۳۰ھ

ناصح الطلبة

جس کا ذکر حقوق العلم کے باب دوم کی فصل سوم میں ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طلبہ میں انقلاب

بعد خیر القرون کے جو انقلابات امت مرحومہ میں ہوئے ان کی تفاصیل کا احاطہ تو متعذر ہے اور بقدرِ ضرورت اس کو مع اس کی اصلاح کے حکیم الامت جامع الشریعت والطریقت حضرت اقدس مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدفیوضہم تحریر فرمارہے ہیں جو رسالہ ''القاسم'' میں ناظرین مطالعہ فرمارہے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک انقلاب طلبہ میں ہوا جو اکثر انقلابات کا مبداو منشا ہے، وہ یہ کہ زمانۂ حال کے طلبہ میں دو طرح کی خرابی ہے: ایک تو طلب کی حیثیت سے، دوسری اخلاقی جہت سے۔

اس زمانہ کے طلبہ کو پیش نظر رکھ کر تدریجاً اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ وھلم جرا حضرات مصنفین ومتقدمین علماء پر نظر ڈالیے تو ان طلبہ اور ان حضرات میں طلب کی حیثیت بُعد المشرقین کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوگا۔

ان حضرات میں طلب کی یہ شان تھی کہ ایک ایک حدیث کے لئے کوسوں منزلوں سفر فرماتے تھے اور ایک ایک راوی کی تحقیق میں بے حد وعد مشاق ومتاعب برداشت فرماتے، اور باوجود اس مشقت کے اگر مطلوب تک وصول نہ ہوتا تھا تو طلب کو نہ چھوڑتے تھے اور ایک ایک مسئلہ کی رقق میں راتیں گزار دیتے تھے اور ایک ایک سطر

کے حل کرنے کے لئے دماغ کھپا دیتے تھے اس کی اس بے حد جان کاہی اور طلب صادق کی حکایت سے دفتر کے دفتر مملو (پُر) ہیں۔ اور پھر حالت یہ تھی کہ نہ کتاب میسر ہوتی تھی اور نہ تیل بتی کے لئے پیسہ پاس تھا، نہ کوئی طعام ولباس کا متکفل تھا۔ فاقوں مرتے تھے اور پتے چباتے تھے اور اساتذہ کی خوشامدیں کرتے تھے اور کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کرتے تھے اور علوم کی تحصیل کرتے تھے۔

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بائیس آدمی بخاری شریف میں شریک تھے اور صرف ایک نسخہ بخاری کا تھا سب نقل کر کے پڑھتے تھے۔ غرض گوہر علم کے لئے بحر طلب میں ایسی غواصی کرتے تھے کہ اگر ان کی حکایات آج کل کے طلبہ کے سامنے بیان کی جائیں تو یقین نہ آنا تو کیا معنی، شاید ان کے محال ہونے کا دعویٰ کریں تو عجب نہیں۔

پھر ان کو اس طلب صادق کا ثمرہ جو کچھ ملا وہ سب اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ کوئی فن ایسا نہیں رہا جس میں ان حضرات کا قدم صدق نہ ہو۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، معانی، بیان، تصوف وصرف ونحو ہر فن کو اپنی انتہا تک بلکہ آگے تک پہنچا دیا۔ ہم کو تو مفت کی دولت مل گئی۔ سچ یہ ہے کہ اگر وہ ایسی مشقت کر کے علوم وفنون کو مدون نہ فرماتے تو اس وقت جہل کی ظلمت سے عالَم تاریک نظر آتا۔

ایک اس وقت ہم لوگ ہیں کہ ہمارے سامنے تحصیل علم کے سب سامان موجود ہیں۔ اساتذہ شفیق، کتابیں صاف خوش خط، مزین محشی، دو وقتہ کھانا پکا پکایا تیار، رہنے کے لئے ایسے کمرے کہ بعضے رئیسوں کو بھی میسر نہیں، غرض تمام اسباب تحصیل علم کے مہیا اور حالت ہماری یہ ہے کہ نہ کتاب کی طرف توجہ ہے نہ اساتذہ سے انس ہے نہ شوق ہے نہ طلب ہے نہ مطالعہ ہے نہ تکرار ہے نہ وہ رنگ علمی ہے۔ کتابیں ختم کر لیں گے، دستار فضیلت زیب سر ہو جائے گی، لیکن استعداد کی یہ حالت ہے کہ املا تک صحیح نہیں، عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے، نبض اور نبذ میں فرق نہیں کر سکتے۔ (الا ماشاء اللہ)

طلبہ کی نااہلی کا غلط ثمرہ

پھر ہمارے اس بداستعدادی اور نا قابلیت کے جو ثمرات ہیں وہ مشاہد ہیں کہ ایسے ایسے افراد جب ہمارے مدارس سے فارغ ہوکر نکلتے ہیں تو ان کو لیاقت واستعداد تو ہوتی نہیں، تدریس کی قوت نہیں، افتا کا سلیقہ نہیں یا تو وعظ گوئی کو اپنا پیشہ بناتے ہیں اور اس میں بھی غلطیاں کرتے ہیں یا کسی مسجد میں امام بنتے ہیں اور اگر کہیں تدریس کے لئے بھیج دیئے گئے تو وہاں بے آبروئی ہوتی ہے۔ ایسے ایسے نتائج کو دیکھ کر عام لوگ کم عقل سمجھتے ہیں کہ علم دین پڑھنے کا نتیجہ بس یہی ہے کہ یا تو وعظ کہہ کر پیٹ پالو یا کسی مسجد کی امامت سنبھالو۔ اس لئے پختہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کو علم دین نہ پڑھائیں گے اور اپنی ناحقیقت شناسی سے یہ نہیں جانتے کہ یہ علم کا نتیجہ نہیں ہے یہ طلبہ کی کم ہمتی کا ثمرہ ہے۔

عوام کا غلط نظریہ

اب میں اپنی عنان تقریر کا ان عوام کی طرف رخ کر کے عرض کرتا ہوں کہ ہم نے مان لیا کہ اس وقت علم کا یہی نتیجہ ہے، لیکن بہت زور سے للکار کر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علم دین کی طرف ہر حالت میں خواہ اس میں مشغول ہونے سے استعداد اور کمال حاصل ہو یا نہ ہو، مائل ہونا اور برائے نام بھی اس کی طلب ہونا بلکہ دائرہ کو وسیع کر کے کہا جاتا ہے کہ مدارسِ اسلامیہ میں بے کار ہو کر رہنا لاکھوں، کروڑوں درجے انگریزی میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ گو لیاقت اور کمال نہ ہو، لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے۔ اہل علم سے محبت تو ہوگی اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو۔ یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تزلزل ہو اور اللہ اور رسول وصحابہ و بزرگانِ دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانہ میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے۔ اور یہ ترجیح محبِّ دین کے نزدیک تو بالکل واضح، ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے، لیکن بایں ہمہ اس فسادِ استعداد کی اِصلاح کی ضرورت

ہے اس لئے کہ اس کے نتائج اچھے نہیں اور اگر اس کی اصلاح ہوئی تو ایک عالم کی اصلاح ہو جائے گی اور پھر جس قدر علماء مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں گے وہ دین کے سچے خادم ہوں گے اور دین کی خدمت کر دکھائیں گے۔

علماء سے درخواست

اس لئے حضرات علماء کی خصوص جو حضراتِ شغل تدریس میں مشغول ہیں ان کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ حضرات! درحقیقت آپ اس وقت بڑا کام کر رہے ہیں اور جس طریق سے آپ درس دے رہے ہیں فی الواقع طریق یہی ہے اور اسی طریق تدریس سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور اب بھی اگرچہ قلیل ہی سہی مستعد پیدا ہوتے ہیں لیکن اس زمانے میں بوجہ کم توجہی طلبہ اور قوتِ فہم کے ضعیف ہو جانے کے یہ طریق تدریس کا کافی نہیں ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ طریقہ تدریس میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے طلبہ کو استعداد ہو۔ اور یقین ہے کہ آپ حضرات اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہوں گے اور اس طریق کا تجویز کرنا یہ آپ ہی حضرات کا کام ہے لیکن بمجوائے **رب رمیته من غیر رام** وبمصداق۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بہ غلط بر ہدف زند تیرے

طلبہ میں بداستعدادی کے اسباب

یہ ناکارہ بھی کچھ عرض کرتا ہے شاید وہ صحیح ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس بداستعدادی کے چند اسباب ہیں۔ طلبہ کی کم توجہی یہ تو مشترک اور عام ہے، اور فہیم اور ہونہار بچوں کا انگریزی میں مشغول ہونا اور ضعیف الفہم طلبہ کا عربی کی طرف توجہ کرنا اور عربی کے فاضلوں کی قدر نہ ہونا، ان اسباب مذکورہ کے علاوہ ایک اور سبب ہے اور اس کا تدارک مدرسین کے اختیار میں ہے اور اس کے بیان کرنے کے لئے یہ سطریں لکھی گئی ہیں۔ وہ بعنوان مختصر یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔

مدرسین کو چاہئے کہ طلبہ کی استعداد سے کام لیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اب تک تدریس کا طریق یہ ہے کہ طالب علم اول عبارت پڑھتا ہے، اس کے بعد مُدرس اس مقام کی شرح مع اس کے مالہ وما علیہ وما فیہ کے بیان کرتا ہے۔ اس درمیان میں اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ دریافت کر لیتا ہے۔ مُدرس جواب دیتا ہے بس۔ مدرسین اس کا قصد بھی نہیں فرماتے کہ طلبہ اس مقام کو سمجھ جائیں، بعض کا مقصود تو مدرسہ کا وقت پورا کرنا ہوتا ہے، اور بعض اپنی تقریر صاف کرنے کے لئے تقریر فرماتے ہیں اور بعض اپنی اظہارِ لیاقت کے لئے صعوبت (مشقت) برداشت کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ہم نے جو اتنی دیر تک تقریر کی طلبہ کو اس سے کیا آیا سمجھے یا نہیں (الا ماشاء اللہ)۔ اور یہی طریق ابتدائی کتب سے لے کر انتہاء تک جاری رہتا ہے۔ سو میرے نزدیک یہ طریق اس وقت مبتدیوں بلکہ متوسطین کے لئے بھی بالکل غیر نافع ہے۔ البتہ یہ ان طلبہ کے لئے نافع ہے جو منتہی ہو کر فاضلانہ استعداد حاصل کر چکے ہیں اور بڑے حضرات کے یہاں مستفید ہو رہے ہیں۔ اور مبتدیوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جائے گا اس قوت کو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ دیکھ لیجئے! جس انجن یا جس مشین سے کام نہ لیا جائے وہ بے کار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی قویٰ کا حال ہے کہ جس قوت سے کام لیا جائے گا وہ قوت ترقی پذیر ہوگی، اور جس قوت سے کام نہ لیا جائے گا وہ رفتہ رفتہ سست اور ضعیف ہو کر کالعدم ہو جائے گی۔ وھذا ظاھر جدا۔

طلبہ کی فہم کی قوت کو کام میں لانے کی ضرورت ہے

اسی طرح قوت فہم کا حال ہے کہ جب اس سے کوئی کام لینے والا ہوگا تو اس کو قوت ہوگی۔ اور کتب درسیہ پڑھنے کی غایت بھی یہی ہے کہ ملکہ رُاسخہ اور استعداد کتب بینی و کتب فہمی کی حاصل ہو جائے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ تقاریر یاد ہو جائیں۔ اساتذہ کی بتائی ہوئی تمام تقریریں نہ کسی کو یاد ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ پڑھتے پڑھتے ملکہ پیدا ہو جاتا

ہے اور اسی سے کام لیا جاتا ہے بلکہ ملکۂ کافیہ کے پیدا ہو جانے کے بعد پھر تعلیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ چوں کہ طلبہ آج کل خود کم توجہ ہیں اور اپنے طبائع پر زور نہیں ڈالتے اور نہ اساتذہ کی طرف سے اس کی تاکید ہوتی ہے، اس لئے ان کی قوت فہم معطل ہو کر کمزور رہ جاتی ہے اور استعداد جس مرکز پر ہوتی ہے وہاں ہی ٹھہر جاتی ہے گو برائے نام کتابیں بھی ختم ہو جائیں۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق تدریس میں کچھ ترمیم کی جاوے اور وہ یہ ہے کہ طلبہ کی استعداد سے کام لیا جائے۔ خود ان کو بلاضرورتِ شدیدہ امداد نہ دی جائے۔ جو مقام ایسا ہو کہ ان کی استعداد سے باہر ہو اس کی تقریر تو خود کر دی جایا کرے ورنہ خود ان سے ہی تقریر کرائی جاوے۔

اور نیز ہر قاعدہ اور مسئلہ کے متعلق کثرت سے امثلۂ مشتقیہ دریافت کی جائیں تا کہ وہ قاعدہ خوب جاری ہو جائے اور یہ طریق گو تمام درس میں مفید ہے لیکن ابتدائی کتب میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ اس لئے کہ مبتدیوں کی حالت نہایت ردی دیکھی جاتی ہے اور جب ابتدا درست ہو جاتی ہے تو پھر اور کتب بھی سہل ہو جاتی ہیں۔ بطور تمثیل کے بعض بعض ابتدائی کتابیں اور بعض متوسط کتب کے متعلق اس طریق کو مفصلاً عرض کرتا ہوں۔ مثلاً ''میزان'' ''منشعب'' جب شروع ہو تو ایسا نہ کیا جائے کہ سبق پڑھا دیا اور اس کو حفظ سن لیا۔ اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ سبق پڑھا کر اور یاد کرا کر اس کے متعلق امثلہ مشتقی بکثرت دریافت کی جاویں۔

۱۔ مثلاً ماضی کی بحث پڑھائی تو کم از کم تین چار سو مختلف صیغے ماضی کے دریافت کئے جاویں۔ ۲۔ اور مصادر دے کر ان سے ماضی کے صیغے بنوائے جاویں۔

۳۔ اور مصادر کے معنی بتا کر ان کے ماضی کے صیغوں کی اردو دے دی جاوے کہ اس کی عربی بنائیں۔ ۴۔ اگرچہ اس اجراء میں کئی روز صرف ہو جاویں بجائے سبق کے یہی کام ہونا چاہئے۔ ۵۔ اسی طرح جب دوسری بحث پڑھائی جائے اس کے متعلق بھی یہی عملدرآمد کیا جاوے۔ جب تمام ''میزان'' اس طرح ہو جائے تو ''منشعب'' شروع

[illegible]

[illegible] "میزان" پر گردان کرائی جائے اور مختلف

صیغے [illegible] اور نیز اردو کے صیغے "منسوب" کے مصادر کے

[illegible]

[illegible] "پنج گنج" شروع ہوتے ہی قاعدہ جاری کیا جائے۔ یعنی جو

[illegible] ان سے دریافت کی جائیں۔

[illegible] گردان مع تعلیلات لکھوائی جائے۔

[illegible] "پنج گنج" ختم ہو جائے تو "نحو میر" شروع کرائی جائے اور

[illegible]

[illegible] جائیں اس کے متعلق چھوٹے

جملے [illegible] ترکیب کرائی جائے اور اردو کے جملے دے کر عربی بنوائی

[illegible] منسوب کے مصادر ہونے چاہئیں۔

[illegible] تدریجاً طول دی جائے۔ حتیٰ کہ "نحو میر"

[illegible] دے کر عربی بنوائی جائے اور سلیس عربی کا

[illegible] جب "نحو میر" ختم ہوگی تو "شرح مائۃ عامل" اور

[illegible] طالب علم خود صحیح پڑھے گا اور اگر کہیں غلطی کرے تو بتلایا نہ

[illegible] کیا جائے۔ مثلاً طالب علم نے مرفوع کو

منصوب پڑھا تو اس سے پوچھا جائے کہ منصوب کس وجہ سے پڑھا ہے۔ یہ منصوبات

[illegible] منصوبات میں سے کس کا نام بتائے مثلاً کہے مفعول

[illegible] کی تعریف اس پر منطبق کردو۔ جب منطبق

[illegible] خود اسی سے نکلوانا چاہئے۔

[illegible] خیال نہ کریں اگرچہ کسی دن بالکل نہ ہو یا

[illegible] عبارت پڑھنے کا نمبر مقرر نہ کریں بلکہ جس سے دل

چاہے پڑھوائے بلکہ ابتدائی کتب میں بہتر ہے کہ ایک روز کے سبق کا تجربہ کر کے کئی طلبہ سے پڑھوائیں۔ چند روز میں ان شاء اللہ تعالیٰ استعداد ایسی ہوگی کہ کہیں عبارت کی غلطی نہ کریں گے اور یہ دھبہ طلبہ سے ڈھل جائے گا کہ ان کو عبارت تک صحیح پڑھنا نہیں آتی۔ یہ طریقہ تو تصحیح عبارت کا ہوا اس طریق کو تمام کتب کے اندر اجرا کی ضرورت نہ ہوگی صرف ابتدائی کتابوں کے جیسے ''ہدایت النحو''، ''منیۃ المصلی''، ''قدوری''، ''کافیہ''، ''مرقاۃ'' وغیرہ پہنچنے تک ضرورت پڑے گی، بلکہ ''نحو میر'' کے اندر اگر قواعد مذکورۃ الصدر کا اجرا کیا تو عبارت میں بہت کم غلطی ہوگی اور اگر ہوگی تو وہ اس طریق کے اجرا سے مرتفع ہو جائے گی۔

ہر مضمون کی تقریر استاد نہ کیا کریں

اب تقریر مضمون کے متعلق عرض ہے کہ مضمون کے اندر یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ مضمون کس قسم کا ہے۔ آیا یہ طالب علم جو عبارت پڑھتا ہے اس مضمون کو خود سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر خود سمجھ سکتا ہے تو اس مضمون کی آپ ہرگز تقریر نہ کریں۔ طالب ہی سے تقریر کرائیں۔ اگر نہ کر سکے تو جماعت میں سے دوسرے سے تقریر کرائے، اگر کوئی نہ کر سکے تو سمجھنا چاہئے کہ مطالعہ نہیں دیکھا یا سرسری دیکھا ہے اس جماعت کو اٹھائے اور ہدایت کر دے کہ مطالعہ دیکھ کر پڑھو، دو ایک مرتبہ جب ناغہ ہوگا طلبہ کو خود خیال ہوگا اور مطالعہ ضرور دیکھیں گے، اور جو مضمون ایسا دقیق ہے کہ طلبہ کی استعداد سے باہر ہے تو اس مضمون کو نہایت سہل عنوان سے بلا رنگینی تقریر و استعارات و حشو و زوائد کے تقریر کر کے پھر طالب علم سے ایک مرتبہ تقریر کرائے اور جس فن کی بھی کتاب شروع ہو اس میں تدریس کا یہی طریق جاری کرے اور امثلۂ مشقی بکثرت دریافت کرنا چاہئے۔ مثلاً فنِ بلاغت شروع ہو تو ہر قاعدہ کے متعلق آیات قرآن مجید اور اشعار جاہلیت دے کر قواعد بلاغت اس میں جاری کرائے جائیں۔ قدما کی بلیغ عبارت دے کر اس کی فصاحت و بلاغت دریافت کرے اور اردو کی عبارت دے کر اسی کی

عبارت مع رعایت قواعد بلاغت بنوائے۔ اسی طرح جب فقہ کی کوئی کتاب شروع ہو تو اس کتاب کے مرتبہ کے موافق چھوٹے چھوٹے مسئلے دیئے جائیں کہ بحوالۂ کتب اس کا جواب لکھیں۔ علیٰ ہذا منطق کے قواعد کا اجرا اسی طرح کرایا جائے۔

غرض جو فن شروع ہو اس کو عملی طور پر جاری کرایا جائے گو اس میں مدت زیادہ لگے، لیکن تساہل نہ کیا جائے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ ابتدا سے اگر یہ طریق جاری کیا جائے تو استعداد بڑھنے کے ساتھ دل بھی بڑھے گا اور توجہ میں زیادتی ہوگی تو مدت بھی زیادہ صرف نہ ہوگی، اور اس اجرائے قواعد کے لئے سبق سے علیحدہ مستقل وقت مقرر کرنا چاہئے۔ اس کو بجائے ایک سبق سمجھنا چاہئے۔

لیکن اس میں دقت یہ ہوگی کہ ہر مدرس پر یہ اطمینان نہیں ہے کہ ان قواعد کو جاری کرے اور امثلۂ مشقی مجتمع میں نہیں اور خود اس کو تلاش کرنے میں دقت ہوگی۔ اس لئے حضرات جامعۃ القاسمیہ اپنے دارالعلوم کے متعلق خصوصاً مدارس کے مہتممین کو اس طرف متوجہ کریں اور دیگر مہتممین مدارس از خود عموماً اپنی توجہ اس جانب مبذول فرمادیں کہ چندہ کر کے ایسی کتب درسیہ طبع کرائیں جن کے حواشی پر امثلۂ مشقی بترتیب حسن و باسلوب پاکیزہ لکھی جائیں اور ان کتب کو درس میں داخل کریں۔

پھر خواہ مخواہ ہی مدرسین اس طریق سے پڑھانے پر مجبور ہوں گے اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ جو ضروری کام ہیں ان کے لئے چندے جمع کئے ہی جاتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ کام اس سے زیادہ ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تو خود مقصود کا سبب قریب ہے اور دیگر امورِ زائدہ اگر نہ بھی ہوں تو چنداں حرج نہیں ہے اور اس وقت اس طریق کی نہایت شدید ضرورت ہے۔ اگر اس طریق کا اجرا نہ کیا گیا تو بہت جلد وہ وقت دکھلائی دیتا ہے کہ علم کم ہو جائے گا۔

طلبہ سے کتاب حل نہ کرانے کا عذر

اور اگر یہ عذر ہو کہ طلبہ کو اس سے وحشت ہوگی اور بھاگ جائیں گے اور مدارس

خالی رہ جائیں گے، اول تو محض خیال ہی خیال ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ طلبہ زیادہ آئیں گے اور دوسرے یہ کہ جب بڑے بڑے مشہور مدارس میں اس کا اجرا ہوگا تو طلبہ ہرگز نہ جائیں گے اور اس طریق سے استنکار کی کوئی وجہ نہیں۔ ایسی ایسی ترمیمات تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ دیکھئے سلف صالحین اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم کا طرز یہ تھا کہ شیخ خود پڑھتے تھے اور تلامذہ سنتے تھے اور اس وقت یہی نافع ہونے میں کافی تھا اس لئے کہ وہ تلامذہ خود عالم ہوتے تھے، ان کو اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ خود پڑھیں۔ اس کے بعد جب استعداد میں وہ قوت نہ رہی اور یہ طریق ناکافی ہونے لگا تو علماء نے اس طرز کو بدل دیا کہ شیخ سنے اور تلامذہ میں سے ایک شخص عبارت پڑھے اور پڑھنے کے لئے وہ منتخب ہوتا تھا جو عبارت جلدی پڑھ سکتا تھا۔ ایک زمانہ تک یہی طرز رہا اس کے بعد پھر نمبر مقرر کیا گیا کہ نمبروار سب پڑھیں۔

پھر نمبروار پڑھنے میں یہ شبہ ہوا کہ جس کا نمبر ہوگا وہ مطالعہ دیکھے گا اور باقی نہ دیکھیں گے اس لئے نمبر بھی بعض جگہ مقرر نہیں رہا بلکہ استاد جس کو کہہ دے وہ پڑھے اور مطلب کی تقریر ہر حالت میں استاد کرے، لیکن بوجہ ضعف استعداد و کم توجہی طلبہ یہ طریق بھی ناکافی ثابت ہوا کما مر مفصلاً۔ اس لئے اب اس کی ضرورت واقع ہوئی کہ عبارت بھی طالب علم پڑھے اور مقصود کی تقریر بھی وہی کرے اور جو کچھ اس کی تقریر میں کمی رہی اس کو استاد پورا کر دے یا مشکل مقام کی تقریر کر دے۔ چناں چہ مفصلاً اس کی ضرورت اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ اس لئے حسب اقتضائے ضرورتِ زمانہ اگر اس طریق کو جاری نہ کیا جائے گا اور بدستور وہی طریق تدریس رہے گا تو علوم کے گم ہو جانے کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ قریب یقین کے ہے۔

مدرسین سے گزارش

اے حضرات علماء و مدرسین! آپ حضرات کی بلیغ توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے آپ اس طرف توجہ فرمائیں اور میرے ان بے سروپا جملوں میں غور فرمائیں۔ یہ

ناکارہ بوجہ کم علمی بد استعدادی کے تحریراً یا تقریراً اپنے پورے مافی الضمیر ادا کرنے سے قاصر ہے، لیکن اگر آپ ذرا غور فرمائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ فی الواقع اس کی سخت ضرورت ہے۔

کم عمر طلبہ کی تربیت کا طریقہ

یہ تمام تر تقریر تو استعداد کے متعلق تھی۔ اب اخلاقی حیثیت سے جو تغیر طلبہ میں ہوا ہے وہ معروض ہے۔ وہ یہ کہ اخلاق کے اعتبار سے تغیرات تو بہت ہوئے ہیں، لیکن صرف دو امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کے تدارک کی نہایت ہی ضرورت ہے: اول ان میں سے بے ریش لڑکوں کا فتنہ ہے جو مدارس میں بلائے عام کی طرح شائع ہے۔ اس کے تدارک کی سخت ضرورت ہے اور اس کے بُرے نتائج محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ مدارس میں یہ انتظام ہونا ضروری ہے کہ دس دس یا بیس بیس لڑکوں کے لئے ایک معمر متقی تنخواہ دار نگران مقرر کیا جائے اور مندرجہ ذیل امور اس کے متعلق ہونا چاہئیں:

۱۔ ان کو کسی بڑے طالب علم سے نہ ملنے دے۔ ۲۔ نگران سے الگ ہو کر آپس میں بھی وہ ایک دوسرے سے باتیں نہ کریں۔ ۳۔ ان کے اندرونی حالات کی بخوبی نگرانی کرے۔ ۴۔ ان کے نام جو خطوط آئیں وہ بھی دیکھ کر دے۔ ۵۔ ان کے سر منڈواتا رہے۔ ۶۔ پان کھانے سے روکے۔ ۷۔ ان کا لباس سادہ ہو اگرچہ امرا کے بچوں کا قیمتی ہو۔ ۸۔ نماز ذ جماعت میں ان کی حاضری کی فکر رکھے۔ ۹۔ اگر کہیں تفریح کے لئے یا کسی ضرورت کے لئے بازار وغیرہ جائیں تو خود ان کے ساتھ رہے۔

۱۰۔ اگر ان امور کے خلاف کریں تو مناسب سزا دے۔ وغیر ذالک۔

طلبہ کو بے تکلفی اور سادگی اپنانی چاہئے

دوسرا تغیر نہایت قابل حسرت وافسوس ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں نیچریت اور نئی روشنی کے اثر کی ایسی کثرت ہوئی جیسے آب وہوا کے فساد سے ہیضہ اور طاعون کی، اور اس اثر سے بہت کم نفوس محفوظ رہے ہیں۔ اگرچہ اس اثر سے چند روز قبل عام

لوگوں کے متاثر ہونے کا صدمہ تھا لیکن اب تک طلبہ و علماء اس سے بحمد اللہ محفوظ تھے اور اب بھی بہت سے بحمد اللہ محفوظ ہیں، لیکن اب چند روز سے نوعمر طلبہ میں یہ اثر معتد بہ درجے میں آ گیا ہے۔ اس کا نہایت درجے قلق ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ ان کے عقائد بھی ان لوگوں کے عقائد جیسے ہوگئے ہیں۔ توبہ توبہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے! میرا مقصود یہ ہے کہ وہ جو ایک سادہ رنگ خلوص کا طلبۂ سابقین میں تھا جس سے ان کو دیکھ کر ان کی طرف دل کو بے انتہا کشش ہوتی تھی اور اگر کبھی عوام دنیاداروں کی جماعت میں کوئی طالبِ علم آ جاتا تھا تو اس کے بشرہ سے اور اس کی وضع و انداز سے مترشح ہو جاتا تھا کہ یہ طالبِ علم ہے اور یہ علمِ دین کی تحصیل میں مشغول ہے۔ افسوس ہے کہ اب یہ رنگ مفقود ہوتا جاتا ہے اور نیا رنگ طبائع میں پیدا ہوتا جاتا ہے، وہ بے تکلفی اور سادگی رخصت ہوتی جاتی ہے بلکہ ہوگئی۔

بعض کی وضع و انداز سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بابو ہیں، ترکی ٹوپی سر پر ہے، شیروانی پہنے ہوئے ہیں، جیب میں گھڑی لگی ہوئی ہے۔ ان کو دیکھ کر طالب علمی کا یقین تو کیا احتمال بھی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کے رئیس ہیں۔ نہ چہرے پر تقویٰ کے انوار ہیں، نہ آواز و لہجہ میں خشوع و خضوع کے آثار ہیں۔ اگر کسی سے بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی وکیل، بیرسٹر گواہ عدالت سے جرح کر رہا ہے۔ اگر عبارت تحریر کریں گے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعزیرات ہند کی دفعات لکھ رہے ہیں۔ کتاب میں جی نہیں لگاتے، اخباروں اور پرچوں میں بحیلۂ خدمت دین مضامین لکھ رہے ہیں۔ مطالعہ و تکرارِ اسباق سے نفور ہیں اور مناظرہ اور تقریر کے برجستہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ ان میں بعض لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ ضرورت زمانہ ان اُمور پر مجبور کرتی ہے کہ تحریر و تقریر ایسی ہو کہ پسندیدۂ ابنائے زمان ہوتا کہ ان کو تبلیغ کر سکیں۔

میں اس کا مخالف نہیں ہوں۔ واقعی اس کی تحصیل ضروری ہے، لیکن اس کے اندر جو مفسدہ خفیہ ہے اس کی اطلاع بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ تجربہ کی رو سے ایسی تقریر و

تحریر حب جاہ پیدا کرنے والی ہے اور خلوص کے رنگ کو ملیا میٹ کر دینے والی ہے اور قلوب میں ترقی مذموم کا مضمون جما دینے والی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم اخلاص اور سادگی قلب سے جدا ہو کر صرف عبارت آرائی اور دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک عام طلبہ کو عموماً ایسی تقریر و تحریر اور نئی روشنی والوں کے ساتھ افادہ کی غرض سے یا استفادہ کی نیت سے ملنے سے قطعاً روکا جائے، اور تبلیغ احکام اور مخالفین کے مضامین کو رد کرنے کے لئے منتہی طلبہ کی ایک جماعت کو منتخب کیا جائے، اور اول ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمات میں بھیجا جائے کہ چند روز وہاں رہ کر اپنے اخلاق کی درستی کریں اور خلوص کا کچھ حصہ حاصل کریں۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ صوفی بنیں یا ذکر کی ضربیں لگائیں، مقصود یہ ہے کہ ان کی صحبت میں رہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اخلاص کا کچھ حصہ ضرور ان کو ملے گا۔ اور پہلے زمانے میں اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ مخلصین کی کثرت تھی اور یہ نیا رنگ طبائع میں نہ تھا، لیکن اب ضرورتِ شدیدہ ہے۔ جب وہ ایک کافی مدت میں ان کی خدمت سے مستفید ہو جائیں اس وقت ان کو منصب مناظرہ تحریری یا تقریری پر مقرر فرمائیں۔ اس کے بعد خواہ ان کی تحریر و تقریر کسی طرز کی ہو مضر نہ ہوگی، اور عام طلبہ کو ایسی تقریرات و تحریرات سے قطعاً روکیں۔ جو لوگ ایسی تقریر و تحریر کے عادی ہو رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس تقریر و تحریر کا خاک اثر نہیں۔ صرف ایک شوکت اور بڑائی اس کا تب و مقرر کی اس سے بعض بے وقوفوں کے نزدیک ہو جاتی ہے۔ باقی جو غایت ہے یعنی اصلاح وہ ہرگز اس سے نہیں ہوتی۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين.

اصلاح الدرس

ایک صاحب نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے مشورہ چاہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مدرس ہونے کا اہل ہوجائے تو اُس کی کیا صورت اختیار کی جائے فرمایا فنون کی کتابیں بھی پوری کرانا چاہئے اگر اُن میں کوتاہی رہی تو استعداد کافی نہ پیدا ہوگی عرض کیا کہ اُس کا خیال یہ ہے کہ امسال دورہ ہوجائے اور اس کے بعد فنون کی کتابیں پوری کرلی جائیں گی فرمایا کہ تنہا دورہ یہ طرز تو اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ کچھ اسباق فنون کے بھی ہوجائیں اور دورہ کا بھی سلسلہ رہے یہ اچھا ہے۔

عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ امسال فن ہی کی کتابیں پوری ہوجائیں فرمایا کہ اس کو بھی جی گوارا نہیں کرتا کہ حدیث بالکل ہی رہ جائے اگر دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ طریق اچھا معلوم ہوتا ہے اپنے بزرگوں کا ہمیشہ یہ ہی طرز رہا ہے یہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور فن دونوں ساتھ ساتھ ہوں ان صاحب نے کچھ خاموش رہنے کے بعد پھر اس ہی مشورہ کا اعادہ کیا فرمایا کہ آپ ایک ہی بات کو کھرل نہ کیا کیجئے میری طبیعت الجھتی ہے آپ ایک ہی بات کے پیچھے پڑجاتے ہیں یہ بُرا ہے آپ کو اس کا خیال رکھنا چاہئے اور اس طرز کو بالکل چھوڑ دیجئے اس سے دوسرے کا وقت فضول خراب ہوتا ہے آپ میرا وقت بھی فضول باتوں میں خراب کررہے ہیں اور اپنا بھی ایک بات کے پیچھے پڑجانا کون سی عقل کی بات ہے ایک بات شروع ہوئی جواب دیدیا گیا بات ختم ہوئی آپ ہیں کہ بار بار اسی کا اعادہ کررہے ہیں آخر اس سے آپ کا

مقصود کیا ہے کیا یہ ہی ایک کام رہ گیا ہے کہ بیٹھے ہوئے کھرل کئے جائیں آپ کو دوسرے پر بار ہونے کا مطلق خیال نہیں اور یہ بھی آپ کی خاطر سے بتلا دیا ایک مرتبہ دومرتبہ نہیں تین مرتبہ بتلا دیا مشورہ دیدیا گیا دوسرے کو تو یہ بھی نہ بتلاتا کیونکہ آج کل کسی کو مشورہ دینا میرے مذاق کے خلاف ہے آپ ساری دنیا کے اقوال پیش کریں اور میں اُن کے متعلق تحقیقات کروں یہ کس قدر تکلیف مالا یطاق ہے اگر مجھ کو اس پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی ہوتی تو اب بھی خدا کا فضل ہے کہ اگر کتاب لے کر بیٹھوں تو ٹوٹا پھوٹا پڑھا سکتا ہوں مگر پھر بھی چھوڑ دینا اُس کی کافی دلیل ہے کہ دلچسپی نہیں رہی اس لئے ایسی کاوش سے گرانی ہوتی ہے اور جس چیز سے دوسرے کو گرانی ہو اُس سے احتیاط رکھنا چاہئے دوسرے یہ تو میری قدرت میں نہیں کہ ساری دنیا کے اقوال کی توجیہ کیا کروں اور ہر ایک کے جدا جدا جوابات دیا کروں یہ تو ایک سلسلہ ہو جاوے گا جو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا تیسرے اس حالت میں مشورہ لینے کا حاصل یہ ہوگا کہ رائے میری اور قبضہ اُن کا یعنی ناظمان مدرسہ کا اور لا متناہی عمل فلاں صاحب کا یعنی طالب علم صاحب کا یہ جوڑ کیسے لگے گا پس اسلم یہی ہے چھوڑیئے ان جھگڑوں کو ہو رہے گا جو ہونا ہوگا آپ کس غم میں پڑے اساتذہ موجود ہیں اور صاحب زادے خود بھی رائے رکھتے ہیں جیسا مناسب ہوگا آپ کرلیں گے، پھر فرمایا کہ فلاں مدرسہ کے متعلق بہت عرصہ سے درس وتدریس کے بارے میں مختلف مشورہ دے رہا ہوں مگر کوئی نہیں سنتا اُن کے استحسان کے متعلق تو یہ جواب کہ بالکل ٹھیک۔ مگر عمل ندارد اب کیا جی چاہے مشورہ دینے کو جب تجربہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اہل مدارس وہی کرتے ہیں جو اُن کے جی میں آتا ہے دماغ سوزی کرو ایک مفید بات بتلاؤ اور عمل اُس پر نہ ہو یہ بھی میرا تبرع اور احسان تھا کہ میں نے آپ کو رائے بھی دیدی اور وہ بھی کئی بار ورنہ جس بات پر عمل کرنے کی اُمید نہ ہو اس کے متعلق کچھ کہنا وہ فضول اور عبث ہی ہوگا جس میں سوائے وقت بے کار کرنے کے اور کچھ نہیں اہل علم کا طبقہ اکثر لوگوں کو رسم پرست بتلاتا ہے مگر

میں کہتا ہوں کہ یہ علماء سب سے زیادہ رسم پرست ہیں کہ پرانے معمولات کو نہیں چھوڑتے گو ضرورت اور مصلحت واقعیہ کے خلاف ہی ہو۔حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں مدرسہ کے متعلق ایک مشورہ فرمایا تھا کہ فلاں فلاں کتابیں درس سے خارج کر دو مگر اُس پر کسی نے بھی عمل نہیں کیا حالانکہ سب جان نثار ہی تھے مگر کچھ بھی حضرت کے مشورہ کی پرواہ نہ کی گئی تھی یہ قدر ہے بزرگوں کے مشوروں کی۔ان اہل مدارس کی عموماً یہ حالت ہے کہ جو دل میں ٹھان لی وہی کریں گے کسی کی نہیں سنیں گے چنانچہ میری رائے امتحان کے بارہ میں یہ ہے کہ امتحان تقریری ہونا چاہئے تقریر میں بہت جلد قلعی کھل جاتی ہے اور اگر کسی مصلحت سے تحریری بھی ہو تو اس کی لطیف صورت یہ ہے کہ طالب علم کو کتاب دے دی جائے اور اس کے شروح اور حواشی جو مانگے سب دیدیئے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ فلاں مقام حل کر کے لاؤ مگر کسی سے مدد مت لو کیونکہ مقصود تو یہ دیکھنا ہے کہ کتاب جو پڑھی ہے اُس کو سمجھ بھی گئے یہ دیکھنا نہیں کہ یہ کتاب کا حافظ بھی ہے یا نہیں اس میں طلباء کو بھی سہولت اور امتحان کا مقصود بھی حاصل اور متعارف طریق میں تو پوری مصیبت ہے چنانچہ میں جس زمانہ میں دیوبند پڑھتا تھا امتحان کی تیاری میں تمام تمام شب جاگتے گذر جاتی نیند خراب تندرستی خراب جب تک ساری کتب حفظ نہ ہو امتحان دے ہی نہیں سکتے ان تجارب کی بناء پر میں جس زمانہ میں کانپور تھا۔امتحان کے متعلق نہایت سہل قواعد وضوابط مقرر کر دیئے تھے اس سے اعلیٰ درجہ کی قابلیت حاصل ہوتی ہے اب اپنا اختیار نہیں مشورہ ہی کیا تیر چلائے گا چنانچہ مدارس میں جو آج کل امتحان کا طرز ہے کہ ساری کتاب محفوظ ہو تب امتحان دے سکتے ہیں اس کے متعلق میں نے اہلِ مدارس کو رائے دی مگر ایک نے بھی نہیں سنی ایک صاحب نے میرے یہ اُصول سن کر مجھ سے کہا کہ انگریزی مدارس میں بھی یہ ہی دستور ہے میں نے کہا کہ انگریزوں نے ہمارے یہاں کی مفید باتیں بعد تجربوں کے ہم ہی سے تو لی ہیں ایک طریقہ میں نے یہ جاری کیا تھا کہ ختم سال پر جہاں سے کتاب

چھوڑی ہے آئندہ شروع سال میں وہاں ہی سے اسباق شروع ہو جائیں اس میں ایک دن کا بھی حرج واقع نہیں ہوتا جیسا جدید نظم میں ہوتا ہے کہ اسباق تجویز کئے جائیں ان کے تعارضات رفع کئے جائیں بس ایسا ہوتا ہے کہ جیسے جمعرات کا سبق جہاں سے چھوڑا تھا ہفتہ کے روز وہاں ہی سے شروع کرادیا گیا ایک نفع اس میں یہ تھا کہ طلبہ منتشر نہ ہوتے تھے سبق کے سلسلہ کی وجہ سے پھر ضرور آتے تھے اور اگر کوئی نیا طالب علم آ گیا تو اُس کی وجہ جس درجہ کی قابلیت ہوئی اُس کو ان کتابوں میں شریک کر دیا جیسا وسط سال میں آنے والوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جاتا تھا اور اس طرز میں بھگدڑ بھی نہ پڑتی تھی کہ کسی طرح کتاب ختم کراؤ چاہے طالب علم کمبخت سمجھے یا نہ سمجھے اور جس کتاب کو ختم نہ کرا سکے بس وہ رہ گئی اُس کو چھوڑ دیتے ہیں یہ مفاسد ہیں اس رسم متعارف میں۔ اب تو یہ ہے کہ طالب علم اپنی ذہانت اور محنت سے کسی قابل ہو جائے یا نہ ہو جائے ورنہ مدارس کی طرف سے نہ کوئی درس کے اُصول ہیں نہ قواعد بہت ہی خراب حالت ہے۔ بھلا یہ لوگ جن سے ایک مدرسہ کا انتظام نہیں ہو سکتا سلطنت کا کیا انتظام کر سکتے ہیں یہ تو ناظمین کی حالت ہے۔

پھر آگے طلباء بھی آج کل ایسے ہی ہیں وہ بھی علوم کی طرف متوجہ نہیں ضابطہ پُری کرتے ہیں بڑی معراج اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک بڑا سا پگڑ بندھ جائے اور ایک بڑا سا پروانہ چھپا ہوا مل جائے پس ہو گئے مولوی، مولانا۔ پھر فرمایا کہ رسم پرستی کی وجہ سے یہ جمود ہے اور بے حد جمود ہے اور اگر ترقی کی طرف چلے تو خلافت میں شریک ہو گئے کانگریس میں شریک ہو گئے علوم میں ترقی نہیں کرتے جہل میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور اگر اس سے بھی ترقی کی تو پھر ان کی معراج ترقی جیل کی طرف ہوتی ہے وہاں پر پہنچ کر بھی بڑے بڑے القاب مل جاتے ہیں۔

میں سچ عرض کرتا کہ جو اہل اللہ کے پاس نہیں رہے اُن کے قلوب حقیقت کے ادراک سے بالکل مُردہ ہیں اور اس مُردہ ہونے کے خاص آثار ہیں ایک اثر اس

وقت بیان کرتا ہوں جن کا یہ واقعہ ہے میں اُن کا نام نہیں بتاؤں گا۔ مگر بہت بڑے عالم ہیں ان کا مقولہ عرض کرتا ہوں جس وقت حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ دیوبندی حج کو تشریف لے گئے تو میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا بعض حاسدوں کی طرف سے کہ اُس نے یعنی میں نے حدیث شریف کا دورہ شروع کرا دیا ہے تو وہ عالم صاحب فرماتے ہیں کہ کیا اس کا انتظار ہی تھا کہ مولانا نعوذ باللہ یہاں سے رخصت ہوں تو ہماری دکان چمکے یہ علماء ہیں۔

اگر میں مولانا ہی کے سامنے شروع کرا دیتا تو کون سا گناہ تھا۔ بلکہ حضرت مولانا ہی سب سے زیادہ خوش ہوتے تو حضرت کے رہتے ہوئے کون مانع تھا۔ پس ایسے لوگوں میں اس کی کمی ہے کہ اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جوتیاں نہیں کھائیں کیونکہ محض سیدھی کرنے سے بھی کام نہیں چلتا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں نے کسی کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کسی کو بغیر اس کے بھی عطا فرما دیں مگر میں اپنے بزرگوں کا ہمیشہ دل سے غلام رہا اور غلام سے بڑھ کر اپنے کو سمجھا اور خدمت ظاہری اس وجہ سے نہیں کی کہ میں سمجھتا تھا کہ میرا خدمت کرنا اپنے بزرگوں کی تکلیف کا سبب ہوگا وہ گوارا نہ کریں گے اُن کو ناگوار ہوگا۔ باقی ان چیزوں میں قیاس نہیں چلتا۔ (تمت مقالۂ اصلاح الدرس)....(از ملفوظات حکیم الامتؒ)

الحمدللہ! ''مقالات حکیم الامت'' کی جلد 95 اختتام کو پہنچی۔

تمت بالخیر